ندائے منبر و محراب

جلد سادس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

ناشر

مکتبہ حلیمیہ

سائٹ کراچی ۱۴

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

موضوع : تقاریر

نام : ندائے منبر و محراب

تالیف : محمد اسلم شیخوپوری

کتابت : عیسیٰ سربازی

اہتمام طباعت : [illegible]

پیسٹنگ : حافظ عبدالجلیل سرور

پرنٹنگ : قریشی پریس کراچی

بائنڈنگ : محمد فاروق

صفحات : ۴۶۰

سائز : ۳۶ × ۲۳

تعداد : گیارہ سو

ناشر : مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی
فون : ۲۵۶۲۳۴۳

تقسیم کنندہ : مولانا محمد اقبال نعمانی

اجمالی نظر

١	ولادت سے نبوت تک	١٧
٢	نبوت سے ہجرت تک	٣٩
٣	ہجرت سے غزوات تک	٦٥
۴	غزوۂ بدر	٨٣
۵	غزوۂ اُحد	٩٩
٦	غزوۂ خندق	١١٧
٧	صلح حدیبیہ	١٣٧
٨	غزوۂ خیبر	١۵٨
٩	فتح مکہ	١٧٩
١٠	غزوۂ تبوک	١٩٩
١١	حجۃ الوداع	٢٢۵
١٢	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت	٢۴٩
١٣	میلاد النبی یا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	٢٧٩
١۴	بے مثال انسان	٣٠١
١۵	سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	٣٢۵
١٦	آقا کے چھ بڑے احسانات	٣۵٣
١٧	مقصد بعثت	٣٩۵
١٨	آقا کے چالیس ارشادات	۴١٧

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
قارئین سے چند باتیں	۱۱
آقا کی ولادت	۱۷
زمانۂ جاہلیت	۱۸
ایک بڑا واقعہ	۲۰
خزاں کے بعد بہار	۲۲
انتظار ہی انتظار	۲۳
ولادتِ باسعادت	۲۵
نوری نور	″
رضاعت	۲۷
یتیم مکہ	۳۰
نبی کی تربیت اور کفالت	۳۱
نبی کا قابلِ رشک بچپن	۳۲
صادق و امین	۳۳
یوں حفاظت کی جاتی ہے	″
ایک اور وجہ	۳۵
جوانی ہی تھی	۳۶
طبیعت کی شرافت	۳۷
ازدواجی زندگی	۳۹
حکیمانہ زندگی	۴۰
اضطراب اور بے چینی	۴۳
نبوت سے ہجرت تک	۴۹
علی الاعلان دعوت	۵۳
حکیمانہ انداز	۵۱
ابوطالب کے ساتھ مکالمہ	۵۴
مظالم کی انتہا	۵۵
نبی کا حوصلہ	۵۶
صحابہؓ کا حال	۵۸
عام الحزن	″
بارگاہِ دعا	۵۹
قبولیت	۶۰
ہجرت سے غزوات تک	۶۵
عظیم قربانی	۶۶
نفع کا سودا	۶۸

مضمون	صفحہ
آقا سب سے آخر میں	۶۹
قیامت کی رات	۷۰
دیانت یہ ہے	۷۱
تاریخی سفر	۷۲
مدینہ میں استقبال	۷۳
یتیموں کی قسمت	۷۵
رشتۂ مواخات	۷۶
یہود اور منافقین	۷۷
قتال کی اجازت	۷۸
غزوۂ بدر	
غزوۂ بدر سے فتح مکہ تک	۸۳
تاریخ ساز جنگ	۸۴
اصل فرق	۸۶
عجیب منظر	۸۹
آغاز و انجام	۹۰
دونوں دعائیں قبول	۹۲
انتقام انتقام کی صدائیں	۹۳
غزوۂ اُحد	۹۹
عالی دماغ سپہ سالار	۱۰۱

مضمون	صفحہ
آغازِ جنگ	۱۰۲
دعا یہ تھی	۱۰۳
شہادت کے متوالے	۱۰۵
پانسہ پلٹ گیا	۱۰۶
بے مثال جانثاری	۱۰۷
خوفناک افواہ	۱۰۹
کیسے لوگ تھے وہ	۱۱۱
غزوۂ خندق	۱۱۷
چند جھلکیاں	۱۱۹
غزوۂ خندق	//
دفاعی تیاریاں	۱۲۱
ایمانی طاقت	۱۲۲
یہودیوں کا بیر	۱۲۳
عظیم سپہ سالار	۱۲۴
بچے کی پیشگوئی	۱۲۶
کفر و شرک کی آندھی	۱۲۸
حکمت ۔ مومن کی متاع عزیز	۱۲۹
قرآن کا بیان	۱۳۰
انصار کی ثابت قدمی	۱۳۱

مضمون	صفحہ
غیر متوقع مدد	۱۳۲
صلح حدیبیہ	۱۳۷
مبارک خواب	۱۳۹
دو باتیں	۱۴۰
نابینا کا انتظار	۱۴۱
حدیبیہ پر پڑاؤ	۱۴۲
بے مثال ادب	۱۴۳
آقا کے بغیر طواف ناممکن	〃
بیعت رضوان	۱۴۴
صبر و تحمل	۱۴۵
جوش نہیں ہوش	۱۴۶
جذبات کا کڑا امتحان	۱۴۷
صبر و ایفا	۱۴۸
اتباع	۱۵۰
غزوہ خیبر	۱۵۸
اللہ والا	۱۶۰
باخبر نبی	۱۶۱
اقدامی جہاد	۱۶۲

مضمون	صفحہ
یقین کامل	۱۶۳
جوش و ولولہ	۱۶۵
محمد و الخمیس	۱۶۶
کافروں کے قلعے	۱۶۸
انتظار کی رات	〃
ضرب حیدری	۱۶۹
دو خوش نصیب	۱۷۰
فتح مکہ	۱۷۹
جذبات کا تجزیہ	۱۸۰
لشکر کی تیاری	۱۸۱
باخبر کون اور بے خبر کون	۱۸۲
یادگار دن	۱۸۳
پُرشکوہ لشکر	۱۸۴
عاجزانہ، نہ کہ فاتحانہ	۱۸۵
نقطے اور ہاتھ کی تبدیلی	۱۸۶
حرم کی صفائی	۱۹۰
سب سے بڑا انسان	۱۹۱
حسن سلوک	۱۹۲
فیصلے کے منتظر	۱۹۳

مضمون	صفحہ
عدل و مساوات	۱۹۶
غزوۂ تبوک	۱۹۹
سپر پاور سے مقابلہ	۲۰۲
مقابلۂ ایثار	۲۰۳
وہ کیسے لوگ تھے	۲۰۵
حسرت کے آنسو	۲۰۷
قبولیت توبہ	۲۰۸
اے کاش	۲۰۹
لشکر اسلام	۲۱۱
امتحان اور کامیابی	۲۱۲
سچ بولنے والے	۲۱۳
یہ وقت بھی دیکھنا تھا	۲۱۵
آزمائش اور آسائش	۲۱۷
حجۃ الوداع	۲۲۵
بے شمار لوگ	۲۲۷
تاریخی خطبہ	۲۲۸
روشنی یا تاریکی	۲۲۹
کتاب اللہ	۲۳۲
حق ادا کر دیا	۲۳۳
حق تبلیغ	۲۳۶
تکمیل دین کی نعمت	۲۴۰
الیوم	۲۴۱
استغفار	۲۴۳
آقا کا سفر آخرت	۲۴۶
تسبیح و استغفار کی کثرت	۲۵۱
سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خوش قسمتی	۲۵۳
آخری لشکر	۲۵۴
نماز کا اہتمام	۲۵۶
امامت و خلافت	۲۵۷
حدیث قرطاس	۲۵۸
خطیب اعظم	۲۶۲
انصار کا حق	۲۶۳
منبر خالی ہوگیا	۲۶۵
آخری نگاہ	۲۶۷
آخری لمحات	۲۶۸
آخری وصیت	۲۶۹

مضمون	صفحہ
قیامت کی گھڑی	۲۷۰
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مثالی استقامت	۲۷۲
جزیرۃ العرب کا حکمران	۲۷۳
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۷۹
تین ربیع	۲۸۰
صحیح بات	۲۸۲
بدعت تو بدعت ہے	۲۸۳
آج یہ حال ہے	۲۸۵
ہر لحظہ میلاد	۲۸۷
آج کل کے عاشق	۲۸۸
کام کے عاشق	۲۹۰
پہچان ختم ہونے کی وجہ	۲۹۲
تین ولادتیں	۲۹۳
بے مثال انسان	۳۰۱
اعتراف عجز	۳۰۳
جوتے کا تسمہ	۳۰۵
ہر پہلو سے بے مثال	۳۰۶
معصوم بچپن	۳۰۶
پاکیزہ جوانی	۳۰۷
باوفا شوہر	۳۰۸
صاحب درد مبلغ	۳۱۲
عابد و زاہد	۳۱۴
سادگی پسند فرمانروا	۳۱۶
سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	۳۲۵
ہر ہر ترتیب	۳۲۶
جب و قتال	۳۲۷
سپہ سالار اعظم	۳۲۸
قواعد و ضوابط	۳۲۹
جنگ کے مقاصد	۳۳۰
قرآن کا بیان	۳۳۱
آداب جہاد	۳۳۲
خانقاہ اور درس گاہ	۳۳۴
حربی مہارت	۳۳۸
بہترین سپاہی	۳۳۹
اچھا سپہ سالار	۳۴۱
مفتوحین کے ساتھ برتاؤ	۳۴۳

مضمون	صفحہ
تعصب کی انتہا	۳۴۸
آقا کے چھ بڑے احسانات	۳۵۳
سب سے بڑا احسان	۳۵۹
حیرت کی بات	//
آپ کی تعلیم	۳۶۰
انسان کیا سے کیا بن گیا	۳۶۳
دوسرا احسان	۳۶۴
تاریخی اعلان	۳۶۶
بھائی بھائی	۳۶۷
تیسرا احسان	۳۶۸
اللہ کا کنبہ	۳۶۹
حدیث مسلسل	۳۷۱
تب یہ حال ہوگا	۳۷۲
چوتھا احسان	۳۷۳
دلداری کی انتہا	۳۷۷
مایوسی نہیں امید	۳۷۹
انبیاء کا شیوہ	۳۸۰
پانچواں احسان	۳۸۱
ناقابل فراموش احسان	۳۸۳
چھٹا احسان	۳۸۵
نتیجہ یہ نکلا	۳۸۷
مقصد بعثت	۳۹۵
تلاوت کتاب	۳۹۶
تلاوت کرنے والے	۳۹۸
ایک فرق	۳۹۹
غرض اپنی اپنی	۴۰۰
میرے آقا کی تلاوت	۴۰۶
تعلیم کتاب	۴۰۸
کتاب اللہ اور رجال اللہ	۴۱۰
تعلیم حکمت	۴۱۱
حکمت کا دوسرا معنی	۴۱۳
تزکیہ	۴۱۴
آقا کے چالیس ارشادات	
اللہ پر ایمان	۴۲۳
یوم آخرت پر ایمان	۴۲۳
فرشتوں پر ایمان	۴۲۶
کتابوں پر ایمان	۴۲۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نبیوں پر ایمان	428	خواہشات نفسانی کی پیروی	452
مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان	430	غیبت	453
تقدیر پر ایمان	431	تہمت	455
شہادت	433	خیانت	456
اقامت صلوٰۃ	435	کسیل کود	457
زکوٰۃ	436	تکلف	458
رمضان کے روزے	438	تکبر	460
حج	440	تمسخر	461
بارہ رکعات	441	چغل خوری	463
نماز وتر	442	شکر	464
شرک	443	تعبیر	466
والدین کی نافرمانی	445	بے خوفی	469
مال یتیم	446	صلح و صلہ رحمی	470
شراب نوشی	448	لعنت	471
زنا	449	ذکر	473
جھوٹی قسم	〃	جمعہ اور عیدین	475
جھوٹی شہادت	451	علما اور محدثین	476
		تلاوت قرآن	478

قارئین سے چند باتیں

ہمارے خطبا اور واعظین جن موضوعات پر سب سے زیادہ مشق سخن
کرتے ہیں ان میں سے ایک موضوع سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے
لیکن مصیبت یہ ہے کہ سب سے زیادہ ناانصافی بھی اسی موضوع کے ساتھ
ہوئی ہے

سیرت کے موضوع پر تقریر کا نام آتے ہی روایات اور قصیدوں سے
حکایات تیار ہوتا ہے مقرر کی جملہ جدوجہد یہ ہوتی ہے کہ رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کا مقام بیان کریں اور آپ کی عظمت دکھائیں [illegible] اور مقرر نے
اسے [illegible] جب کہ وہ اس [illegible] مکمل [illegible]
مخصوص ترتیب اور موضوع روایات کے سہارے لی جاتی ہے [illegible] کتاب

ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ بیشتر مقررین آنحضرت
کی ذات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو بیان کرنے کے لیے آپ [illegible] کی
[illegible] کا ذکر کرتے ہیں [illegible] جوانی کی [illegible]
اور [illegible] مطلب اور [illegible] کو بیان [illegible]
[illegible] زندگی [illegible] معاشرتی زندگی کے [illegible]
کے [illegible] کو [illegible] آپ کے معاملات کو بیان کرنے کے [illegible]
[illegible] کے [illegible] اور جملہ حکایات کا [illegible]
اپنے [illegible] ہی [illegible]

مصنوعات ہوں سے ماورا کوئی دوسری ہی شخصیت تھے۔ عمل کا یہ
نمونہ [illegible] صحت کا خیال [illegible] ہے

[illegible] میں تکان ہی سے [illegible] رہا تھا اور جب سے ان سیدھی کی یہ
عقیدے کی حد سے [illegible] تک [illegible] تھا ہمیں اس اسلوب [illegible]
کو مدنظر رکھ کر کوشش کروں [illegible] کچھ عرصہ سے [illegible]
میں اپنے ارشادات کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر خود لکھوں
لیکن اپنی تہی دامنی دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی

جب [illegible] کی پہلی جلد میں شائع ہو چکیں تو
ان کی [illegible] نے مجھ سے اپنے [illegible] کی طرف [illegible]
خیال ہوا کہ کیوں نہ سیرت کے موضوع پر الگ سے کوئی کتاب لکھنے کے بجائے
[illegible] مواد لے کر انہیں تقریر کا رنگ ڈھنگ دے دیا جائے
تو روایتی مقررین کے اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے اور سیرت کے موضوع
کتاب کی [illegible] ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے [illegible]
پہلی جلد میں [illegible] دوسری جلد میں سیرت کے موضوع پر ہی [illegible] کی
جس میں میں نے [illegible] تک کوشش کی ہے کہ [illegible]
[illegible] ولادت سے وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کر دوں
میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں لیکن
میرے لیے یہ سعادت بھی کیا کم ہے کہ میں نے بھی سیرت نگاروں کی جوتیوں میں
بیٹھنے کا سامان اپنے لیے کر لیا ہے

درحقیقت میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ سیرت کے موضوع پر کوئی مستقل اور مفصل
تصنیف نہیں ہے بلکہ آپ کی زندگی کے اہم اور نمایاں پہلوؤں پر ایک خطیب [illegible]

حاجت ہے جن میں حالاتِ طیبہ کے تفصیلی تذکرہ کے بجائے سیرت کے صرف ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے سننے سے عام مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت میں اضافہ ہو اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بیدار ہو۔

توفیق باری شاملِ حال رہی تو ان شاء اللہ سیرت ہی کے موضوع پر چند مزید تقاریر بھی قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا

"بندے نے سرورِ حرب خلد ولی کے پچھلے ایڈیشن میں ہدایہ آخرین کی شرح "تسہیل ہدایہ" کا اشتہار دے دیا تھا اور اس پر کچھ کام بھی ہو گیا تھا لیکن کچھ ایسے عوارض پیش آتے رہے جن کی وجہ سے کام کی رفتار سست ہی رہی لیکن اب "معروف ہدایہ" کے نام سے ہدایہ کی ایک شرح دیکھنے کا اتفاق ہوا تو جذباتِ طبع ہو گئی تھی [illegible] اگرچہ [illegible] شرح سے قدرے مختلف ہے لیکن اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اس شرح کے بعد کسی دوسری شرح کی چنداں ضرورت نہیں

چونکہ بندے نے مشرحِ حرب خلد ولی کے حقوقِ طبع ایک دوسرے صاحب کے [illegible] تھے اس لیے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قرآنیات کا ادنیٰ سا طالب علم رہا ہوں، کچھ عرصہ سے یہ آرزو ایک مستقل دعا کی صورت اختیار کر چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کی آخری سانس تک قرآن کریم کی خدمت پہ لگا دے۔

ایک ناچیز اور عاجز انسان کی اس دعا کی قبولیت کے آثار یوں ظاہر ہوئے کہ چھپا کر ہدیۃً دوستوں میں ان کتابچوں کی تقسیم شروع ہوئی، ہر کتابچہ چند آیات کا مجموعہ ترتیب ہے جو کسی ایک موضوع کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یوں اب تک پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں جو کم و بیش سولہ سو صفحات پر مشتمل تھے اور امید ہے کہ یہ سلسلہ کافی طویل چلے گا۔

اس دعا کی قبولیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ رب کریم نے مجھے قرآن کریم کی ایک عام فہم تفسیر کا آغاز کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ وہ تفسیر اب ستے دور کا کثیر وقت اس کی تحریر و مسودے میں گزر رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس تفسیر کا انداز موجودہ دور کی تفاسیر سے بالکل منفرد ہوگا۔ دل تو یہی چاہتا اور کوشش بھی ہے کہ اس تفسیر کی پہلی جلد میں [illegible] منظر عام پر آ جائے۔ لیکن ہماری ساری آرزوئیں اور کوششیں اللہ کے فیصلوں کی پابند ہیں۔

محترم قارئین سے دست بستہ درخواست ہے کہ اپنے ایک کمزور بھائی کے لیے یہ دعا ضرور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی زندگی بھر خدمت و اشاعت قرآن سے وابستہ رکھے۔

محتاج دعا

محمد اسلم شیخوپوری

ولادت سے نبوّت تک

سلام اے سرِ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربانی
تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

حفیظ جالندھریؒ

[illegible] میں [illegible] جنت کا [illegible]

[illegible] کوئی نہ تھا۔

[illegible] کے سوا کون [illegible]

[illegible] کی تعریف [illegible] اب واضح تھا کہ [illegible]

وہ [illegible] سماجی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔

اس بیچارے جانور کا استعمال [illegible]

[illegible] تھا۔

[illegible] کا استعمال [illegible] دستگیری

کرنے والا کوئی نہ تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

(ولادت سے نبوت تک کے حالات)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ
حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ
بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی
ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَ
نَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ٥
فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو
کچھ میں نے تمہیں دیا کتاب اور علم پھر تو دے
تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے
تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول
پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے
فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر
میرا عہد قبول کیا، بولے ہم نے اقرار کیا
فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے
ساتھ گواہ ہوں پھر جو کوئی پھر جاوے
اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

(آل عمران پ۳ آیت ۸۰-۸۱)

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ   اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس

رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○	رسول ہمارا کھولتا تم پر رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہو کہ ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

(المائدہ پ۶ آیت ۱۹)

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم •
ونحن علی ذلک لمن الشاہدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین

بزرگان محترم و برادران عزیز! ماہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے سیرت کے موضوع پر تقاریر تو ہوتی ہی رہتی ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو ایک ترتیب کے ساتھ ولادت سے وفات تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے حالات سناؤں، اس کے بعد اگر اللہ پاک نے توفیق دی تو آپ کی سیرت کے دوسرے پہلو بھی بیان کروں گا اس ساری تفصیل وقت کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل محبت پیدا ہو جائے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور کامل غلام بن جائیں۔ دعا کیجئے کہ یہ مقصد کہنے والے کو بھی حاصل ہو جائے اور سننے والوں کو بھی حاصل ہو جائے

زمانۂ جاہلیت: محترم سامعین! آپ نے بعض کتابوں میں زمانہ جاہلیت کا لفظ پڑھا ہوگا یا خطیبوں سے سنا ہوگا یہ لفظ اسلام کا ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت سے پہلے کے دور کو زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے اور یہ کوئی معمولی جہالت نہیں تھی بلکہ جہالت سے کہ جس میں ...

کہ آپ کی ولادت کی صدی ہے وہ جاہلیت کے عروج اور غلبے کی صدی تھی۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب ناکام ہو گئے تھے۔ ان مذاہب میں اتنی تحریف در ترمیم ہو چکی تھی کہ ان کی اصل شکل کا پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا اگر ان مذاہب کے بانی انبیاء دنیا میں تشریف لے آتے تو وہ خود بھی ان مذاہب کو ہرگز نہ پہچانتے اور وہ کبھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے کہ یہ وہی مذہب ہیں جو وہ لیکر آئے تھے۔ (۱)

یہودی مذہب چند بے جان رسموں کا نام تھا ویسے بھی یہودیت ایک خاص نسل کا مذہب ہے جو اس نسل کے علاوہ کسی کو بھی یہودی بننے کی دعوت نہیں دیتا۔

عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ ایسا داخل ہوا کہ عیسائیت بت پرستی کا شکار ہو گئی، سب ہی کچھ جو بت پرستی میں ہوتا تھا وہ عیسائیت کے نام سے ہوتا رہا۔

ایران کے مجوسی (پارسی) عناصر اربعہ کی عبادت کرتے تھے جن میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا اور انھوں نے آگ کی پرستش کے لئے مخصوص عبادت گاہیں اور آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک بت پرست مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے اس میں چھٹی صدی عیسوی میں بت پرستی پورے عروج پر تھی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس صدی میں ہندو مذہب کے معبودوں کی تعداد تینتیس (۳۳) کروڑ تھی (۲)

اور عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ کعبہ جسے ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا خود اس کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ (۳)

ان کے اخلاق تباہ ہو چکے تھے،
وہ شراب اور جوا کے رسیا تھے،
بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے،
قافلوں کو لوٹ لیتے تھے،
بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیتے تھے،

عورت کی کوئی عزت نہ تھی، وہ مویشیوں اور دوسرے سامان کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی تھی۔ کچھ کھانے مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھیں، ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔

جنگ حربوں کی گھٹی میں پڑی تھی بعض جنگوں کا سلسلہ ۳۰۔۴۰ سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ایک بڑا واقعہ

مختصر یہ کہ وہ زمانہ واقعی جاہلیت اور ظلمت کا زمانہ تھا اور ظلمت بھی کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی بلکہ پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور ایک ایسے مصلح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو عالمگیر تاریکی میں عالمگیر چراغ روشن کرے لیکن ہر طرف مایوسی ہی مایوسی تھی اور خواہ مخواہ امید باندھنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ اسی زمانے میں ایک بہت بڑا واقعہ پیش آیا جس سے

عربوں کے دل میں امید کی شمع روشن کردی اور ان کے دل خاص طور پر قریش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ہوا یوں کہ ابرہہ جو کہ صنعاء میں نجاشی کا گورنر تھا اس نے صنعاء میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام "القلیس" رکھا۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو کعبے سے ہٹا کر اس گرجے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

وہ جب دیکھتا تھا کہ کعبے سے لوگ کتنی محبت کرتے ہیں، اور اس کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں تو وہ دل ہی دل میں جلتا تھا، اس نے خوبصورت گرجا بنوا کر یہ چاہا کہ یہ لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس سے محبت کریں لیکن عربوں کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔

وہ بے شک کافر تھے، مشرک تھے، بت پرست تھے، شرابی اور زانی تھے لیکن کعبہ کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور کعبہ کو چھوڑ کر وہ بڑی سے بڑی دولت لینے پر تیار نہ تھے۔ لوگوں میں ہر جگہ ابرہہ کی اس تدبیر کا چرچا تھا۔ اسی درمیان میں کنانی نے جا کر اس گرجا میں قضائے حاجت کر کے اسے نجس کر دیا، ابرہہ کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ میں جب تک کعبہ کو نہیں گرا لوں گا، اطمینان سے نہیں بیٹھوں گا۔ چنانچہ ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد لیکر روانہ ہوا وہ خود بھی محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا۔

قریش کو یقین ہو گیا کہ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتے لیکن انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ کعبہ کا جو رب ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت ضرور کرے گا۔ چنانچہ ابرہہ کے لشکر پر چڑیوں کے جھنڈ

بھیج دیتے ۔ ہر چڑیا اپنے پنجوں میں پتھر لیے ہوئے تھی ، یہ پتھر جس کو لگتے اس کو ہلاک کر دیتے ۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۞ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۞ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۞ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۞	کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ ، کیا نہیں کر دیا ان کا داؤ غلط اور بھیجے ان پر اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ، پھینکتے تھے ان پر پتھریاں کنکر کی پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا

(سورۃ الفیل پ ۳۰)

اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں کو خیال ہوا کہ مستقبل قریب میں کوئی بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے ۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی ہوئی نشانی تھی کہ کوئی اللہ کا ایسا بندہ آنے والا ہے جو کعبہ کو نجاست سے پاک کر دے گا اور کعبہ کی شان بلند ہوگی اور عزت و عظمت میں کوئی دوسرا کعبہ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا (۴)

خزاں کے بعد بہار جیسے خزاں کے بعد بہار کا دور شروع ہونے لگتا ہے تو ٹنڈ منڈ درختوں پر اس کے کچھ اثرات پہلے ہی نمودار ہو جاتے ہیں ۔

یا جیسے رات کے بعد صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو افق پر شفق کی سُرخی پھیل جاتی ہے ۔

یا جیسے بارش ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں

ایسے ہی دو جہاں کے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہوا۔

کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے جو دنیا والوں کو بتا رہے تھے کہ ظلم کی خزاں کا دور ختم ہونے والا ہے۔

کچھ ایسی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں جنہیں دیکھ کر عقل والے جان گئے تھے کہ تجس کی طویل شب رخصت ہونے والی ہے۔

چند ایسی علامات نظر آ رہی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ رحمت کی بارش ہونے والی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ اب تو وہ بہار آنے والی تھی جس کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعائیں کی تھیں۔

وہ صبح ہونے والی تھی جس کے طلوع کی بشارت حضرت موسیٰ، حضرت یسع، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام نے دی تھی۔

رحمت کی وہ بارش ہونے والی تھی جس کا انتظار یہود کو بھی تھا اور نصاریٰ کو بھی۔

انتظار بھی انتظار میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس باران رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پر بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا مگر جاہلوں کی نظر میں یہ داغ ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ انہیں ان کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔

اس بہار جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنہیں زندہ دفن کر دیا

کر دیا جاتا تھا۔

اس مسیح نایاب کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دست گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس کا انتظار محروموں کو تھا جو فساد سے بھرے بیٹھے تھے

اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں۔

اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہائے اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مومن شامل نہ تھا۔

جی ہاں ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا۔

انسانوں کو انتظار،

جنوں کو انتظار،

فرشتوں کو انتظار،

مظلوموں اور یتیموں کو انتظار،

حیوانوں اور ستم رسیدہ بچیوں کو انتظار،

اور یہ انتظار تھا ایک مصلح کا،

ایک نجات دہندہ کا،

ایک مشفق مربی کا۔

اور نہ معلوم کتنے ہی لوگ یہ انتظار کرتے کرتے دنیا سے رخصت

ہو گئے۔

ولادت باسعادت | بالآخر ۵۷۱ء عیسوی ۲۲ اپریل کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن حضرت آمنہ کے گھر وہ شخصیت آ گئی جس کا سب کو انتظار تھا۔

وہ بشر آ گیا جو وجہ عظمت بشر تھا۔

وہ انسان آ گیا جس پر انسانیت کی معراج ختم ہو جاتی تھی۔

وہ نبی آ گیا جو اولین اور آخرین کا سردار تھا۔

وہ آقا آ گیا جس کی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کیے جا سکتے تھے

وہ مسیحا آ گیا جو بے شمار دکھوں اور ظاہری اور باطنی بیماریوں سے نجات دینے والا تھا۔

ہاں دعائے خلیلؑ آ گیا، نوید مسیحؑ آ گیا، بشارت انبیاء آ گیا۔

نور ہی نور | آپ کی ولادت کا دن تاریخ انسان کا مبارک وہ روشن ترین دن تھا۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں ابھی شکم مادر ہی میں تھا کہ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام تک کے محلات روشن ہو گئے۔ ۵۱

نور کا یہ ظہور اس جانب اشارہ تھا کہ آپ کے واسطے سے مخلوق خدا کو نور ہدایت نصیب ہو گا اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوں گی۔

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

وصلی اللہ علی نور کزو شد نور ہا پیدا
زمین از حب او ساکن، فلک در عشق او شیدا

اس نور اللہ کی رحمت ہے جس سے کئی نور ظاہر ہونے والے تھے
ہدایت کا نور اسی نور سے پیدا ہوا۔
ایمان کا نور اسی نور سے ظاہر ہوا۔
قرآن کا نور اسی کی وساطت سے نصیب ہوا۔
عرفان کا نور اسی نور سے حاصل کر کے پوری دنیا میں عام ہوا۔
حق اور سچ کا نور اسی نور سے پھیلا۔
جب عبدالمطلب کو آپ کی ولادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے
یہ اشعار پڑھے۔

الحمد للہ الذی اعطانی   هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان   اعیذہ باللہ ذی الارکان
حتی اراہ بالغ البنیان   اعیذہ من شر ذی شنان
من حاسد مضطرب العنان (۹)

کسی نے ان اشعار کا سیدھے سادے اشعار میں ترجمہ کیا ہے
حمد اس خدا کی جو ہے مجھ پہ مہربان
فرزند یہ دیا مجھے پاکیزہ جسم و جان
سردار ہے جو بچوں کا گہوارے کے درمیان
دیتا ہوں اس کو خالق قدوس کی اماں
جب تک یہ بولے، باتیں کرے اور کھلے زبان
پہنچا سکے ضرر نہ اسے شر دشمناں
محفوظ رکھے اس کو خداوند دو جہاں ...
آزار دے سکے نہ اسے چشم حاسداں

<u>رضاعت</u> عربوں میں رواج تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے کیونکہ دیہاتوں کی آب و ہوا زیادہ پاک صاف ہوتی تھی جس میں بچے کی نشو ونما بھی صحیح ہوتی تھی اور وہ شہری حدود سے بھی محفوظ رہتا تھا اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہل عرب اپنی زبان کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ان کا خیال تھا کہ شہر کے مقابلے میں دیہات کی زبان زیادہ صحیح و فصیح ہوتی ہے۔ تو جو بچہ گاؤں میں پرورش پاتا اس کا اس کی زبان شہری بچے کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہوتی

بچوں کی پرورش اور فصاحت و بلاغت میں قبیلہ بنی سعد کی عورتیں بہت مشہور تھیں۔ اس زمانے میں ویسے بھی قبیلہ بنو سعد میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بعض ایسی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ گئیں جو پیشہ یہ کام نہیں کرتی تھیں ان عورتوں میں حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں۔

محترمہ حلیمہ کہتی ہیں جب میں مکہ آئی تو تنگدستی کی وجہ سے میری چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا جس کی وجہ سے میرا اپنا بچہ بھی بھوک کی وجہ سے روتا رہتا تھا۔ ہماری اونٹنی بھی دبلی اور کمزور تھی، چلنے میں بھی بڑی سست تھی دوسری عورتیں مجھ سے پہلے مکہ پہنچ گئیں اور انہوں نے مالدار گھرانوں کے بچے حاصل کر لئے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی نے قبول نہ کیا وہ یہ سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی

جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی تھیں انھیں کیا معلوم تھا کہ وہ

تو درِّ یتیم ہے، وہ تو نوید مسیح ہے، وہ تو دعائے خلیلؑ ہے۔
ہائے انسان تیری کم علمی اور جہالت! تو کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔
کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے۔
زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے۔
نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع تصور کر لیتا ہے۔
دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست تصور کر لیتا ہے
تیرے غلط اندازوں نے تجھے کتنی ہی بار نقصان پہنچایا ہے۔
پھر بھی طرہ یہ کہ اپنے آپ کو عقل کل اور ہمہ دان ہی سمجھتا ہے۔
قریب تھا کہ حلیمہ بھی اس درِّ یتیم کو محض یتیم سمجھ کر چھوڑ دیتی لیکن سوچا کہ خالی ہاتھ واپس جا کر کیا منہ دکھاؤں گی اور پھر رب کریم نے اس کے ہاتھوں میں کونین کی دولت دے دی۔
دائی حلیمہ بھی اور اسے بچہ بھی وہ ملا جو حلیم بھی تھا اور دنیا کو حلم اور بردباری کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا۔
قبیلہ بنو سعد تھا اور بچہ وہ آیا جو سعادت ہی سعادت تھا
محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر لائی تو گھر میں خوشگوار تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔
کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن حارث سیر ہو کر پی سکتا، اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمدؐ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی۔ (۱)

یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا۔
مکہ سے واپس چلے تو ہماری لاغر سی اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی۔

ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔
حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ خشک سالی کی وجہ سے جنگل میں گھاس کا نام و نشان نہ تھا، لیکن اس بچے کی برکت سے ہماری بکریاں جنگل سے پیٹ بھر کر آتیں اور خوب دودھ دیتی تھیں۔
میرے بزرگو اور دوستو! یقین کر لو کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی برکت تھی،
آقا کا وجود بھی برکت تھا،
آقا کی تعلیمات بھی برکت ہیں،
آقا کی غلامی بھی برکت ہے،
آج ہمارے درمیان آپ بذاتِ خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں سونا اگلیں گی،
ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔
ہمارا آسمان رحمت کی بارشیں برسائے گا، اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے

یتیم مکہ | محترم حاضرین اللہ تعالیٰ کے بعض بندے
ایسے ہوتے ہیں جو سہارا و تعلقات انسانی تعلق سے بالاتر ہوتے ہیں
اپنے آقا ہی کو دیکھیے کہ آپ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال
ہو گیا چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی رخصت ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپ کو اپنے سایۂ شفقت میں لے
لیا لیکن آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے۔ دادا کے انتقال
کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہنے لگے جو آپ کے والد کے حقیقی
بھائی تھے

علماء و عقلاء نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ دنیا
میں کوئی کمال حاصل کرے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں
یا مربی کی تربیت کا نتیجہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری سہاروں
سے محروم فرما کر براہ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تاکہ آپ کے علمی اور
اخلاقی کمالات کو دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ
ہے،

یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے
۔ فلاں استاد کی محنت کا نتیجہ ہے
اور یہ صرف آپ ہی کی تخصیص نہیں تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی
حال تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کس نے تعلیم دی تھی؟
حضرت نوح علیہ السلام کی تربیت کس نے کی تھی؟
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کس کی نظر شفقت کا نتیجہ تھے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کس نے سکھایا تھا؟
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگرانی کس باپ نے کی تھی؟

نبی کی تربیت اور حفاظت | ہر نبی منتخب ہوتا ہے اور اس کا انتخاب بہت پہلے سے خود خدا کرتا ہے اور جو نبی کا انتخاب کرتا ہے وہی نبی کی تربیت بھی کرتا ہے وہی نبی کی حفاظت بھی کرتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور تربیت بھی رب کریم نے کی۔ آپ کا بچپن معصوم اور بری عادتوں سے محفوظ تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے آپ کو جو کمالات اور امتیازات حاصل ہوئے وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہیں لیکن محمد بن عبد اللہ ہونے کی حیثیت سے بھی آپ دوسروں سے ممتاز تھے

آپ کے چچا ابوطالب کا بیان ہے کہ بسا اوقات رات کے وقت میری آنکھ کھلتی تو میں آپ کو بستر پر نہیں پاتا تھا۔ میں پریشان ہو کر آپ کو تلاش کرنے لگتا تو آپ آواز دیتے کہ چچا جان میں یہاں ہوں اور فوراً میرے پاس پہنچ جاتے اور میں بعض رات گزرنے پر آپ کی زبان سے کچھ ایسی باتیں سنتا تھا جو مجھے حیران کر دیتی تھیں۔

ابوطالب کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے شب بیداری اور رات گزاری کی عادت تھی

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی محبت، انسانیت کا درد اور آخرت کی فکر یہ تینوں چیزیں انبیاء کی فطرت میں شامل ہوتی ہیں۔

جن جن لوگوں کے بچپن یا جوانی کے حالات ہم تک صحیح پہنچے ہیں خواہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں یا حضرت یوسف علیہ السلام

ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں
ان سب کے حالات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے
سچے، امانت دار اور حیادار تھے۔ ان سے بچپن میں بھی قصداً کوئی ایسی
حرکت سرزد نہیں ہوئی جس پر مخالفین انگلیاں اٹھا سکیں۔

نبی کا قابلِ رشک بچپن

دوسرے انبیاء کے بچپن کے تفصیلی حالات ہم کو تو کیا معلوم ہوتے
خود ان کے نام نہاد پیروکاروں کو بھی معلوم نہیں۔
یہودیوں سے پوچھئے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بچپن کیسا
تھا۔
عیسائیوں سے پوچھئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے
مفصل حالات بیان کریں۔
میں دعوے سے کہتا ہوں وہ بیان نہیں کر سکیں گے لیکن مسلمانوں
کے لئے یہ بات باعث افتخار ہے کہ وہ پوری تفصیل سے جانتے ہیں
کہ ان کے نبیؐ کے آباء و اجداد کون تھے؟
نبیؐ کے شہر کے لوگ کیسے تھے۔
نبیؐ کی ولادت کیسے، کہاں اور کب ہوئی۔
ولادت کے وقت کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔
نبیؐ کو دودھ کس نے پلایا۔
رضاعت کا زمانہ کیسا گزرا۔
بچپن میں آپ کے کیا مشغل تھے، کیا عادتیں تھیں؟
چونکہ آپؐ کے بچپن کا اکثر وقت ابو طالب کی نگرانی میں گزرا ہے

اس لیئے انھوں نے بڑی وضاحت سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری عادت تھی کہ ہم کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہیں لیتے تھے اور نہ ہی حمد کرتے تھے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الاحد کہا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہتے۔

میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ (۹)

صدیق وامین

غور کیجئے! آپ والدین کی سرپرستی سے محروم ہو چکے تھے، ماحول تباہ کن تھا، شراب نوشی اور بدکاری عام تھی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا۔ لیکن تھا جس نے آپ کو بچوں اور نوجوانوں والی عادتوں سے محفوظ رکھا۔ آپ نے صداقت و امانت میں وہ نام پیدا کیا کہ آپ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہو گیا۔

بڑی بڑی معاشرتی برائیوں کو تو چھوڑیئے آپ ایسی حرکتوں سے بھی بچتے تھے جنھیں اگرچہ معاشرہ میں بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن وہ حرکتیں آپ کی شان کے مطابق نہ تھیں۔ آپ رشتوں کا خیال کرتے تھے۔ لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے تھے۔ مہمانوں کا اکرام فرماتے تھے۔ اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے تھے۔ محنت کر کے روزی حاصل کرتے تھے اور تھوڑی سی غذا پر اکتفا فرماتے تھے۔

یوں حفاظت کی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ ... کی کیسے حفاظت فرماتے ہیں ان کے لئے صرف ... ایک

واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال تھی مکہ میں قریش میں کوئی شادی تھی۔

کسی دولت مند گھرانے میں شادی ہوگی کیونکہ جب دولت آتی ہے تو اپنے ساتھ خرافات بھی لاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو دولت آنے کے بعد اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔

تو ان لوگوں نے یہ کیا کہ شادی میں ناچ گانے کا بھی کچھ نظم کیا۔ قریش کے نوجوانوں نے اس پروگرام کو دیکھنے کا ارادہ کیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھیل تماشا شروع ہونے سے پہلے ہی مجھ پر نیند کا ایسا شدید غلبہ ہوا کہ میں وہیں سو گیا اور رات بھر سوتا رہا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ رات بھر کیا ہوتا رہا (۱۰)

اگرچہ اس وقت بعثت سے پہلے جائز ناجائز کا کوئی مسئلہ نہ تھا مگر چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو ناچ گانے کو دنیا سے مٹانے کے لئے بھیجا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ تاکہ کل جب آپ رقص و سرود کی مخالفت کریں تو کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ تو خود گانے سنا کرتے تھے، اب ہمیں کیوں منع کرتے ہو۔ کیونکہ لوگوں کی زبان کو کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ جو داعی ہوتا ہے اس کا معاملہ زیادہ نازک ہوتا ہے اس پر زیادہ انگلیاں اٹھتی ہیں اور اسے تنقید کا نشانہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ ہمارے آقا تو سارے جہان کے لئے داعی بن کر آئے تھے اور ہر قسم کی اعتقادی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لئے آئے تھے

اللہ تعالیٰ کیسے برداشت کر لیتا کہ اس کے آخری نبی کی ذات پہ کوئی انگلی اٹھے۔ اس نے نبوت سے پہلے ہی حفاظت کا ایسا انتظام کیا کہ اس مجلس میں موجود ہوتے ہوئے بھی آپ اس کے نظارے اور سماع سے بچ گئے۔

ایک اور وجہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے علاوہ انبیاء کے معصوم ہونے کی ایک اور وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ ان کا مادہ اتنا پاک ہوتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھپت نہیں ہو سکتی۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انبیاء کے مادہ تخلیق میں نمایاں حصہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے۔ جب ان کی اصل جنت سے ہے وہ رجوع بھی کرتے ہیں جنت کی طرف اور جنت کے اعمال کی طرف۔

ان کے تصورات اور جذبات بھی پاک،
ان کے اخلاق اور اعمال بھی پاک،
ان کی جلوت اور خلوت بھی پاک،
ان کی رفتار اور گفتار بھی پاک۔

آپ نے سنا ہوگا جو شخص نیک ہوتا ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت نیک طینت انسان ہے یعنی اس کی مٹی بہت اچھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا جوہر پاک ہو تو اس سے افعال بھی پاک ہی سرزد ہوتے ہیں، اگر جوہر میں کدورت ہو تو اعمال میں بھی کدورت ہوگی۔ تو چونکہ انبیاء کے جوہر میں جنت کی مٹی شامل ہوتی ہے اور جنت کی مٹی پاک ہے لہٰذا نبی کی طبیعت، نبی کی سیرت اور نبی کی فطرت بھی پاک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت

پر اترتی ہے جیسے حدیث نبی پاک سے صادر ہونے میں وہ اعمال
ہی شریعت بن جاتا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ تم اسی طرح بات کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تھے۔

اسی طرح سوؤ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے

اسی طرح کھاؤ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے۔

اسی طرح چلو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے۔

یہ بات کرنا، سونا، کھانا، اور چلنا طبیعت کے افعال ہیں اور جب یہ سارے افعال سنت ہیں تو معلوم ہوا کہ شریعت نبی کی طبیعت پر اترتی ہے۔ نبی جو کہہ دے وہ شریعت، نبی جو کر کے دکھا دے وہ شریعت۔

نبی کی طبیعت شریعت تبھی بنے گی جب نبی کی طبیعت پاک ہو اور نبی کی طبیعت پاک بن سکتی ہے کہ اس کی اصل پاک ہے

جوانی یہ تھی تو میرے بزرگو اور دوستو! محمد بن عبد اللہ تربیت کے ظاہری سہاروں سے اگرچہ محروم ہو گئے تھے لیکن ایک تو وہ پاک طبیعت تھے دوسرے ان کی حفاظت اور تربیت خود باری تعالیٰ نے فرمائی اس لیے آپ [illegible] اور علاقے کے ماحول کی برائیوں سے محفوظ رہے اور آپ کا بچپن پاک صاف رہا۔

بچپن کی طرح آپ کی جوانی بھی بے داغ اور ستھری تھی جب آپ نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو [illegible] کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھا [illegible]

یہ جو تعریف کر رہا ہوں یہی ملازمت ہے کہ کوئی بزرگ یا پیغمبر مزدوری حسب ضرورت کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں تاکہ ... اس لئے کہ یہ شریف پیشہ اور روزی کا ذریعہ بھی تھا اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت بھی تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، پوچھا گیا آپ نے بھی؟ کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں۔

مقصد یہ تھا کہ جو بکریاں چراتے تھے تو ان میں ایک طرف انسان کی جسمانی و ذہنی تربیت ہوتی تھی اور دوسری طرف ان کے اندر تواضع اور شفقت کا مادہ پیدا ہوتا تھا جس سے وہ کمزور سے کمزور جیسے مستضعف انسانوں کو سنبھال سکتے تھے۔

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو شہرت اور عزت ملنے کے بعد اپنے ماضی کو بھول جاتے ہیں اور بیتی گئی ہوئی غربت کا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر دور کو آنے والوں کے لیے نمونہ بننا تھا اس لئے آپ نے اپنے بچپن اور جوانی کو بھی چھپایا نہیں بلکہ کھول کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا حالانکہ اس وقت آپ محمد بن عبد اللہ تھے، محمد رسول اللہ نہیں تھے، شریعت کے احکام ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔

طبیعت ہی شریعت مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نبی کی فطرت و طبیعت ہی شریعت ہوتی ہے۔

اس کے کھانے پینے کے انداز شریعت بن جاتے ہیں،

س کے جینے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے طریقے شریعت بن جاتے ہیں۔

آپ اگر نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد کی زندگی کا موازنہ کریں تو آپ کو اس میں بہت زیادہ فرق نظر نہیں آئے گا۔ ایسا نہیں تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے معاذ اللہ آپؐ جھوٹ بولتے تھے اور نبوت ملنے کے بعد جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔

جھوٹ تو در ایک طرف، آپ اس قدر حیا دار تھے کہ نبوت ملنے سے پہلے بھی نہانے کے وقت اوٹ کیا کرتے تھے۔ یہ کیوں تھا؟ ایسا اس لیے تھا کہ نبی پیدا ہوتا ہے تو اس کی طبیعت شریعت میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔

تو آپ نے اپنی جوانی کے بھی بعض اہم واقعات بتا دیے تاکہ نوجوان آپ کی جوانی کو نمونہ بنا سکیں۔

میرے نوجوان ساتھیو! ہمارے نبی کی جوانی عفت و عصمت کا عنوان لیے ہوئے تھی، آئیے ہم بھی عفت و عصمت اختیار کریں۔

جوانی میں ہمارے آقا کی صداقت و امانت کی شہرت تھی آئیے ہم بھی صداقت و امانت کو اپنا شعار بنائیں۔

جوانی میں ہمارے آقا مظلوموں کی دستگیری فرماتے تھے غریبوں کی مدد کرتے تھے، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتے تھے آؤ ہم بھی ایسے ہی کریں۔

جوانی میں ہمارے آقا محنت کر کے روزی کماتے تھے اور اجرت کے بدلے بکریاں چرانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ آئیے ہم بھی رزق حلال کے لیے محنت کریں۔

ساتھیں ہمارے آقا نے اسی لیے تو پالی ہیں تاکہ ہم انہیں موڑ نہ سکیں

زدواجی زندگی | بکریاں چرانے کے علاوہ آپ نے مکہ کی مشہور مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نمائندہ کی حیثیت سے شام کا تجارتی سفر بھی کیا۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی سچائی اور اخلاق سے بڑی متاثر ہوئیں اور انھوں نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے آپؐ سے رشتے کی خواہش کی، حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے رشتے ٹھکرا چکی تھیں اور اس کی وجہ ان کے احساس کی وسیع تھی کہ وہ جو نمائندہ اور ملازم بن کر کام کر رہے تھے نبی کو رشتہ کی پیشکش کی جا رہی تھی۔ آپؐ نے یہ رشتہ قبول فرمایا اور یوں آپؐ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ (۱۲)

وہ بدبخت جو کثرت ازدواج کی وجہ سے میرے آقاؐ پر معاذ اللہ شہوت پرست ہونے کا الزام دھرتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑا سبق ہے کہ اس پہلی شادی کے وقت جبکہ آپ کی بھرپور جوانی کا دور تھا آپؐ نے چالیس سال کی بیوہ خاتون سے شادی کی اور اپنی ساری جوانی اسی بیوہ کے ساتھ گزار دی اور جب تک وہ زندہ رہیں آپؐ نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرستی کا الزام دھرنے والو! مجھے بتاؤ تو سہی کیا شہوت پرست ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی ساری جوانی چالیس سے پینسٹھ سال تک کی خاتون کے ساتھ گزار دیں؟ جبکہ

صورت یہ ہو کہ سینکڑوں گھرانے اپنی نوجوان بیٹیوں کا آپؐ کے ساتھ رشتہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ کے تعددِ ازدواج میں بڑی حکمتیں ہیں مگر ان حکمتوں کو عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہ جو خود سر سے پاؤں تک بدکاری میں ڈوبے ہوتے ہیں جن کے ہاں ماں بہن کا فرق بھی مٹ چکا، جن کا کوئی سمدھی کوئی وزیر اور کوئی لیڈر بدکاری کی غلاظت سے پاک نہیں وہ ان حکمتوں کو نہ سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں

گندگی کھانے والے کیڑے پاک اور صاف غذا کی قدر کیسے محسوس کر سکتے ہیں؟

مردار کھانے والے گدھ خوشبو سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟

حرام پر پلنے والے انسان نما حیوان حلال کی لذت کیسے جان سکتے ہیں؟

آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی باندھ لینے والے حق کا نظارہ کیسے کر سکتے ہیں؟

کانوں میں نفرت اور انکار کی انگلیاں ٹھونس لینے والے سچی آوازوں کو کیسے سن سکتے ہیں؟

حکمتِ زندگی ورنہ اگر ان کے ذہن ضد، تعصب اور عناد سے پاک ہوتے تو وہ بلا جھجک تسلیم کر لیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل بھی حکمت و دانائی سے خالی نہ تھا۔ اگر معاذ اللہ میرا آقا شہوت پرست ہوتا تو شہوت پرستی کا یہ الزام وہ مخالفین لگاتے جو آپؐ کی جان کے بھی دشمن تھے، آپؐ کی عزت کے بھی دشمن تھے اور آپؐ کے پروگرام کے بھی دشمن تھے۔

وہ خوب جانتے تھے کہ محمد جھوٹے نہیں ہیں، انھوں نے کئی کئی بار آپ کو آزمایا اور ہمیشہ بے عیب اور پاک دامن پایا۔ مکہ کا بچہ بچہ آپ کی عفت و پارسائی کی شہادت دیتا تھا۔ آپ ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار فرماتے تھے اور کبھی بھی جادۂ اعتدال سے ہٹنا گوارہ نہ فرماتے تھے۔

نبوت ملنے سے چند ہی سال پہلے کی بات ہے کہ حجر اسود کو نئی جگہ نصب کرنے کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسی کو حاصل ہو اور وہی اس کو اٹھا کر صحیح جگہ نصب کرے۔ بات یہاں تک بڑھی کہ بعض قبیلوں نے برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم مرجائیں گے مگر کسی دوسرے کو حجر اسود نصب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر اس بات کا اتفاق ہوگیا کہ جو شخص کل سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوگا وہ جو فیصلہ کرے گا وہ سب کو منظور ہوگا۔ اب سب کی نظریں اس پر تھیں کہ دیکھیں سب سے پہلے مسجد حرام میں کون داخل ہوتا ہے۔

قریش کے سردار صبح صبح مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے وہاں جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت سے پہلے سے شب بیداری کے عادی تھے، مسجد حرام میں موجود ہیں۔

قریش آپ کی صداقت و امانت سے آگاہ تھے، صدیق اور امین کا لقب انھوں نے ہی آپ کو عطا کیا تھا جب آپ کو مسجد حرام میں موجود پایا تو وہ یک زبان کہہ اٹھے هذا الامین رضیناہ هذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہمارے امین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم کو ان کا فیصلہ منظور ہے۔

اور میں قربان جاؤں اپنے آقا کی حکمت و فراست
نبوت کے بعد کی فراست تھوڑی ہے، نبوت سے پہلے کی فراست دیکھئے
کیسے عجیب طریقے سے ان الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھا دیا کہ لوگ
حیران دیکھتے رہ گئے اور حیران ہوئے کہ ہماری عقل میں یہ حل کیوں نہ آیا

اسی لیے تو میں عرض کر رہا ہوں کہ نبی کی طبیعت کی تربیت
ہوتی ہے۔ وہ فطری طور پر نبوت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اس کی
نبوت سے پہلے کی زندگی بھی قابل رشک ہوتی ہے

حضرت آقا نے ایک چادر منگوائی اس چادر کو بچھا دیا اور اپنے مبارک
ہاتھوں سے حجر اسود کو اٹھا کر چادر کے درمیان رکھ دیا اس کے بعد فرمایا
کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک کونا پکڑ کر اٹھائے جب انہوں نے نصب
کی جگہ تک پہنچا دیا تو آپ نے فرمایا اب اس حجر کو نصب کرنے کے لیے
مجھے اپنا وکیل بنا دو

آپ تو جانتے ہیں کہ وکیل کا فعل، موکل ہی کا فعل تصور ہوتا ہے
سب سرداروں نے خوشی سے آپ کو وکیل بنا دیا تو آپ نے اپنے دست کی
حرکت سے حجر اسود کو اپنے مقام پر رکھ دیا (۱۳)

یوں یہ پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے سلجھی اور وہ
مسئلہ جس پر قریب تھا کہ قبیلوں کا آپس میں جنگ چھڑ جاتی آپ نے خون کا ایک
قطرہ بھی نہ بہنے دیا اور دلوں میں مودت بھی پیدا کر دی ہر شخص مطمئن
تھا کہ تعمیر کعبہ کے کام میں میرا بھی حصہ ہے

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ان قوموں اور قبیلوں میں تو یہ
جنگ و جدال برسوں چلتی اور یہ واقعہ آپ کے حسن سیاست کا بہترین مظہر اور

مبارک آغاز تھا۔

اضطراب اور بے چینی یہی وہ دن تھے جب آپ قوم کی دگرگوں حالت پر مضطرب رہتے تھے اور عجیب سی بے چینی محسوس کرتے تھے۔ کچھ واقعات بھی ایسے پیش آئے تھے جنہیں شریعت کی اصطلاح میں ارہاص کہا جاتا ہے

ارہاص ان علامات کو کہتے ہیں جو کسی نبی کو نبوت ملنے سے پہلے ظاہر ہوتی ہیں

ایک ارہاص یہ تھا کہ نبوت سے پہلے آپ کو خواب میں فرشتے نظر آتے تھے۔

دوسرا ارہاص یہ تھا کہ آپ راستے سے گزرتے تو پتھر آپ کو سلام کرتے تھے۔ (۱۳۱)

تیسرا ارہاص یہ تھی کہ شیاطین کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا۔

چوتھی ارہاص یہ تھا کہ ایسے خواب نظر آنے لگے جن کی تعبیر واضح ہوتی تھی۔

جوں جوں عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوتی جا رہی تھی آپ کی طبیعت دنیا سے بے رغبت ہو رہی تھی

جلوت سے وحشت ہوتی تھی اور خلوت میں دل لگتا تھا

آپ کا معمول تھا کہ کاشانۂ اقدس سے کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے لیتے اور غار حرا میں عزلت گزیں ہو جاتے۔

آپ کئی دن عبادت اور ذکر و فکر میں گزار دیتے تھے

وہ روح وہ دل وہ دماغ جو پہلے ہی پاک صاف تھا اسے مزید

چکایا جارہا تھا۔
یہ بھی تو سوچیے کہ کتنا بڑا منصب دیا جانے والا تھا
سارے جہاں کی سیادت کا منصب،
دنیا کی قیادت کا منصب،
قیامت تک آنے والوں کے لیے نبوت و دعوت کا منصب،
سب سے بڑھ کر یہ کہ وحی کا نازل ہونے والا تھا،
کلام الٰہی کا ورود ہونے والا تھا،
انسان کا ملأ اعلیٰ سے رابطہ جڑنے والا تھا
تقریباً چھ سو سال بعد آسمان سے کال آنے والی تھی،
اس کے تحمل اور اس کے سماع کے لیے جس قدر بھی تیاری کی جاتی کم تھی،
دنیا والوں کا دل بہلانے کے لئے ظاہر کو سنوارا جاتا ہے مگر آسمان والے کی توجہ اور قرب حاصل کرنے کے لئے باطن کو سنوارا جاتا ہے
یہاں تو باطن بنا بنایا تھا، فطرت بھی پاک تھی، طبیعت بھی پاک تھی، دل بھی پاک تھا، دماغ بھی پاک تھا، آنکھیں بھی پاک تھیں،
کان بھی پاک تھا، ظاہر اور باطن کا ایک ایک عضو پاک تھا۔
مگر جب وحی کا نزول ہونے والا تھا اللہ نے سب سے کاٹ کر اپنے سے ملا لیا۔ ایسی خلوت نصیب ہوئی کہ دنیا و مافیہا سے بے خبری ہوگئی،
نہ گھر کی فکر، نہ کھانے پینے کا خیال، نہ جسمانی راحت کا احساس۔

بس ایک بے چینی تھی، بے قراری تھی، کسی آنے والا کا انتظار تھا اور وہ آپؐ کی ولادت کا اکتالیسواں سال اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی عیسوی حساب سے سنہ ۶۱۰ء اور ۶ اگست کا دن تھا کہ آنے والا آگیا وہ بہت بڑا پیغام وہ بہت بڑا منصب لیکر آگیا۔

ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور پہلی وحی جو لے کر آئے وہ یہ پانچ آیات تھیں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے
خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ	پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے
عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ	سے پیدا کیا تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ	کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے
الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○	(علم) سکھایا، جس نے انسان کو وہ
(سورۃ العلق پ ۳۰)	سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا

یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پہلا دن تھا۔

میرے بزرگو اور دوستو! ولادت سے نبوت تک کے مختصر حالات میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ ان شاء اللہ اگلی مجلس میں نبوت سے ہجرت تک کے حالات بیان کروں گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۲۲۸ - ۲۳۲
مجلس نشریات اسلام کراچی

(۲) نبی رحمت ص ۳۵ - ۴۳ مجلس نشریات اسلام کراچی

(۳) صحیح بخاری (کتاب مغازی) باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح صفحہ ۶۱۳ ج ۲
قدیمی کتب خانہ کراچی

(۴) سیرت ابن ہشام ص ۴۳ - ۵۰ ج ۱ - انتشارات ایران

(۵) طبقات ابن سعد ص ۱۲۶ ج ۱ - اسحاق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ ان کے پیدا ہوتے ہی مجھ سے ایک نور برآمد ہوا کہ شام کے قیصر و کسریٰ اس سے روشن ہو گئے نفیس اکیڈمی کراچی

(۶) طبقات ابن سعد

(۷) سیرت ابن ہشام ص ۱۰۲ پر ہے فلما وضعته فی حجری اقبل علیہ ثدیای بما شاء من لبن فشرب حتی روی وشرب معہ اخوہ حتی روی ثم ناما وما کنا ننام معہ قبل ذلک انتشارات ایران

(۸) سیرت کبریٰ ص ۳۰۳ ج ۱ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مکتبہ مجیدیہ ملتان

(۹) روح المعانی بحوالہ سیرت کبریٰ

(۱۰) خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب مکتبہ مجیدیہ ملتان

(۱۱) سیرت ابن ہشام ص ۱۰۶ ج ۱ انتشارات ایران

(۱۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۶۳ - ۲۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت

(۱۳) سیرت ابن ہشام ص ۲۰۹ ج ۱ انتشارات ایران

(۱۴) صحیح مسلم ص ۲۲۵، کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قدیمی کتب خانہ کراچی

(۱۵) صحیح بخاری ص ۲ باب بدء الوحی میں ہے: "ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ" قدیمی کتب خانہ کراچی

نبوّت سے ہجرت تک

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

(مولانا ظفر علی خانؒ)

* آپ اندازہ کیجیے کہ منصب نبوت کا تعارف کرانے کے لیے آپ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا۔ آپ کوہ صفا کی چوٹی پر تھے لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے۔ آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے مگر قریش کو کچھ دکھائی نہ دیتا۔ انسانی حدود میں منصب نبوت کی علامتی حیثیت یہی تھی۔ پیغمبر وہ کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ مستقبل اور ماورائی حقائق اس کی نظر میں ہوتے ہیں۔ تم اس سے محروم ہو، میری نظر جس طرف پر ہے تمہاری نظر اس سے محدود ہے۔ تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت، وہ عذاب نہیں دیکھ رہے ہو جو اس عذاب سے کہیں زیادہ ڈراونا ہے جو عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان حق سن کر سب پر خاموشی چھا گئی۔ لیکن آپ کا چچا ابولہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا: اے محمد! تمہارے لیے سارا دن خرابی ہو۔ کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا"

نبوت سے ہجرت تک

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلوا علیہم آیٰتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتٰب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین

صدق اللہ العظیم

ترجمہ: بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے

بزرگان محترم و برادران عزیز! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے نبوت تک کے حالات آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں اور اب نبوت سے ہجرت تک کے حالات کا خلاصہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

غار حرا میں میرے آقا پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ پر شدید خوف طاری ہو گیا اور خوف بھی کیوں نہ طاری ہوتا، آپ نے زندگی میں پہلی بار فرشتوں کے سردار کو دیکھا تھا۔ وہ فرشتہ جسے اللہ نے آپ کی ملاقات

دی ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے پوری بستی بلکہ پورے شہر کو اٹھا کر پھینک سکتا ہے، اس فرشتے نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا تھا

ج ۵ فرشتہ جبرئیل یہ وحی لے کر آ رہا تھا، آخری نبی پہ آخری کتاب کا پہلا سبق لے کر نازل ہوا تھا اور وہ سبق کیا تھا؟

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے واپس گھر تشریف لائے تو جسم اطہر پر کپکپی طاری تھی آپ نے گھر پہنچتے ہی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھے جلد اڑھا دو مجھے جلد اڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا قصہ سنا تو پورے یقین کے ساتھ کہا۔ ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ کرتے ہیں۔ آپ دوسروں کا بوجھ اٹھا لیا کرتے ہیں، آپ محتاجوں کے کام آتے ہیں، آپ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں

میرے بزرگو، اور دوستو! مشہور انگریز مفکر والٹیر کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے لیڈر جو عوام میں ہیرو ہوتے ہیں وہ گھر میں زیرو ہوتے ہیں، مگر میرے آقا اپنے اخلاق کے اعتبار سے عوام میں بھی ہیرو تھے گھر میں بھی ہیرو تھے، دوستوں میں بھی ہیرو تھے، دشمنوں میں بھی ہیرو تھے۔ بلکہ خود گھر والوں سے پہلے آپ کی تعریف آپ کی اہلیہ نے کی۔ آپ غار حرا سے تشریف لائے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی دی اور قدم قدم پہ

آپ کا ساتھ دیا۔

عورت کا ہاتھ

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر بڑے شخص کی کامیابی کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت و شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر ہم ان کی والدہ کی قربانی اور ہمت کو کیسے بھول سکتے ہیں

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بے مثال ایثار کا اعتراف کرتا ہوں لیکن ہم حضرت ہاجرہ کے کردار کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اولوالعزمی کی عبارت تھی مگر کیا اس میں حضرت مریم کی عفت و عصمت اور استقامت و طہارت کا کوئی دخل نہ تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا تو کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے۔ مگر ہم حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے تعاون اور قربانیوں کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت خوفزدہ تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دلداری بھی کی اور جب موقع آیا تو سب سے پہلے اسلام بھی انہوں نے قبول کیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ پڑھا اور آپ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبوت کی تصدیق کی۔

یہ وہ لوگ تھے جو آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ آپ کے کردار

سے بھی واقف تھے، آپ کے اخلاق سے بھی باخبر تھے اور آپ کی پاکی اور خاندانی شرافت کے نشیب و فراز کو بھی اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔ ان کے بعد کئی دوسرے لوگوں کو بھی ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کے باوجود تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپا کر دین کی دعوت دیتے رہے۔

علی الاعلان دعوت

جب تین سال گزر گئے تو اب اللہ کی طرف سے حکم صادر ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝

آپ کو اللہ کی طرف سے جو حکم ملا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنا دیجئے اور مشرکین کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔

یہ حکم ایسے وقت میں آپ کو ملا جب چند سعادت مند افراد کے سوا سارا مکہ کفر و شرک میں مبتلا تھا۔ جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، حالات بتوں کی مذمت سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ عزیٰ اور مناۃ کے پجاری ان کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کے لئے آمادہ تھے مگر آپ تو اللہ کے نبی تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ناموافق حالات کی وجہ سے خاموش ہو جاتے اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کرتے۔

چنانچہ آپ کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور عربوں کے مخصوص انداز میں نعرہ لگایا۔ یا صباحاہ۔ عرب اس نعرے کا مفہوم سمجھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ نعرہ کسی سنگین خطرے کے موقع پر لگایا جاتا ہے۔ جب قریش کا سارا قبیلہ کوہ صفا کے پاس جمع ہو گیا تو آپ نے ان سے سوال کیا: "اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے دامن

میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کرلو گے۔ وہ بولے ہاں! اے محمد! ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، اس لئے تمہاری اس اطلاع پر ہم کیوں نہ یقین کریں گے؟

جب سارے قریش آپ پر اعتماد کا اظہار کر چکے تو آپؐ نے فرمایا لوگو! میں اللہ کا نبی ہوں، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کیلئے آیا ہوں۔ (۳۰)

حکیمانہ انداز

آپ اندازہ کیجئے کہ منصب نبوت کا تعارف کرانے کے لئے آپؐ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا،
آپؐ کوہ صفا کی چوٹی پر تھے، لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے۔

آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے، گویا قریش کو سمجھا دیا کہ اللہ کے بندو! میں منصب نبوت کی بلندیوں پر ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔

مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تم وحی سے محروم ہو۔

میری نظر غیبی حقائق پر ہے تمہاری نظر محسوسات تک محدود ہے

تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت اور عذاب سے ڈرتے ہو تو اس عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے جو ہر عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان حق سن کر سب پر خاموشی چھا گئی لیکن آپ کا چچا ابولہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا اے محمد! تمہارے لئے سارا دن خرابی ہو، کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا؟

ابو طالب کے ساتھ مکالمہ

اس کے بعد اللہ کے نبیؐ نے علی الاعلان

توحید کی دعوت دینی شروع کر دی آپ نے یہ انداز بدل کر کہا کہ اللہ کے بندو! سوچو تو سہی، کس کی عبادت کرتے ہو؟ ان کی جن کو اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو

اور کس سے مانگتے ہو؟ ان سے جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں

اور کس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ان کے سامنے جو مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔

اور کس کے سامنے سجدے کرتے ہو؟ ان کے سامنے جو ایک ٹھوکر سے خود بھی سجدے میں جا پڑتے ہیں۔

ور کس کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو؟ ان کو جو خود سراپا احتیاج ہیں،

تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں معالج سمجھتے ہو جو خود بیمار ہیں، ان سے شفا کی امید رکھتے ہو جن کا وجود بہت بڑی روگ ہے،

آپ نے جب واشگاف انداز میں توحید بیان کرنا شروع کی تو شرک کے بیمار بھڑک اٹھے، ہر طرف سے مخالفت شروع ہو گئی۔

کوئی بھی ساتھ دینے والا نہ تھا ایک ابو طالب تھا جو ساتھ دے رہا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب ابو طالب بھی گھبرا گیا، پوری قوم کی دشمنی کو مول لینا اس کے بس کی بات نہ تھی اس نے بڑے پیار سے آپ کو سمجھایا کہ بھتیجے ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی خیال کرو، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ چچا بھی اب مزید میرا ساتھ نہیں دے سکتے، آپ نے ایمانی جوش کے ساتھ فرمایا کہ: چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے

دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور اس کے بدلے مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا۔ اب تو بس دو ہی راستے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے اور یا پھر اسی کوشش میں میری جان قربان ہو جائے اور کوئی تیسرا راستہ میرے پاس نہیں۔ میں حق کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں کر سکتا۔ مجھے نہ دولت کی ضرورت ہے، نہ تخت و تاج کی خواہش ہے، نہ ہی میں شہرت اور عزت کا طلبگار ہوں۔ میں تو بس اس دین کا غلبہ چاہتا ہوں۔

چچا نے جب آپ کی یہ استقامت دیکھی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہا میرے بھتیجے جو تمہارا دل چاہے کہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو خدا کی قسم میں مر کر بھی کسی کے حوالے نہ کروں گا۔"

مظالم کی انتہا قریش کو یقین ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ترغیب سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں اب انہوں نے ان بے سہارا مسلمانوں کو نشانہ بنا لیا جو اسلام قبول کر چکے تھے اور ان کا کوئی حامی نہیں تھا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا سنگدل آقا اُمیہ تپتی ہوئی دوپہر میں باہر لاتا، پیٹھ کے بل لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا لیکن وہ اس حالت میں بھی احد احد پکارتے۔

حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد اور والدہ کو تپتی گرمی میں بنو مخزوم کے لوگ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے اور اسی ظلم کے نتیجے میں ان کی والدہ شہید بھی ہو گئیں۔

خواتین کو فخر کرنا چاہیے کہ اللہ کے نبی کی سب سے پہلے تصدیق بھی عورت نے کی اور اسلام کی خاطر سب سے پہلے جان بھی عورت ہی نے پیش کی

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے ناز و نعم میں پلے ہوئے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وہ ڈھنگ کے لباس سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مشرک نے ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ ہی ضائع ہو گئی اور جب انہیں ولید بن مغیرہ نے طعنہ دیا کہ اگر تم میری پناہ میں رہتے تو اس صدمے سے محفوظ رہتے، تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم۔ میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ وہ بھی اللہ کے دین پر قربان ہو جائے۔ ۵۱

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے انگارے جلا کر ان کے اوپر لٹا دیا اور پھر ایک شخص سینے پر بھی چڑھ گیا تاکہ وہ وہاں سے اٹھ نہ سکیں۔

نبی کا حوصلہ

میرے بزرگو اور دوستو! یہ سب ظلم و ستم صحابہ پر کیا جا رہا تھا لیکن آپ سوچئے کہ ہمارے آقا جو ایک چڑیا پر ظلم برداشت نہ کر سکتے تھے جب سنتے ہوں گے کہ آج میرے بلال کو گلیوں میں گھسیٹا گیا۔

آج میری صحابیہ سمیہ کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے،
آج مصعب بن عمیر کو گھر سے نکال دیا گیا۔
آج عمار بن یاسر کو مار مار کر بے حال کر دیا گیا

آج عثمان بن مظعون کو آنکھ کی بینائی سے محروم کردیا گیا،
آج خباب بن ارت کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا گیا ہے،
آج بے سہارا لونڈیوں زنیرہ اور نہدیہ پر مشق ستم کی گئی تو
میرے آقا کے قلب و دماغ پر کیا گزرتی ہوگی۔

اور بات یہی نہیں کہ صرف صحابہؓ پر ظلم ہو رہا تھا اور آپؐ محفوظ تھے،
خود آپؐ کے ساتھ بھی یہ سب بدتمیزی روا رکھی جا رہی تھی عقل کے
اندھوں نے آپؐ کو جادوگر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، کاہن کہا، آپ کا
مذاق اڑایا، آپؐ کے پیچھے اوباشوں اور بے وقوفوں کو لگا دیا تاکہ وہ
آپ کو ستائیں اور آپ کو تکلیفیں دیں، انہوں نے آپؐ کے گلے
میں چادر گھسیٹ کر گلا دبایا، آپ سجدے میں گئے تو جسم اطہر پر گندگی
اوجھڑی ڈالدی، لیکن یہ نبی کا حوصلہ اور نبی کی استقامت تھی کہ سارے
ایذاؤں کے باوجود آپؐ حق کے راستے پر جمے رہے اور دین کی دعوت
دیتے رہے۔

صحابہ کا حال خود آپ کے صحابہ کے قدم بھی حق سے بال برابر نہ
ہٹے رہے، انہوں نے ظلم سہہ لیے، آنکھیں ضائع
کروالیں، جسم زخمی کروالئے، انگاروں پر لیٹنا گوارا کر لیا، مکہ کی
گلیوں میں گھسٹنا برداشت کر لیا، حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پسند کر لیا
مگر نبی کا دامن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جو ایک دفعہ ایمان قبول کر لیتا تھا وہ جان
دے کر بھی اس کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ ایسا نشہ تھا جو چڑھ جاتا تھا
تو اترنے کا نام نہیں لیتا تھا اور صحابہؓ کی یہ استقامت مشرکوں کی
آتش غیظ و غضب کو مزید بھڑکا دیتی تھی۔ البتہ بعض ایسے بھی تھے

جو ایمان والوں کی استقامت دیکھ کر ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ایسے لوگوں میں سب سے بڑا نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ انہوں نے بہن کو اتنا مار کر زخمی کر دیا لیکن بہن نے کہہ دیا: "عمر! سن لو میں اللہ اور رسول پر ایمان لا چکی ہوں اب تم جو چاہے کر لو، میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں، اللہ اور رسول کو نہیں چھوڑ سکتی"

بہن کی استقامت نے حضرت عمرؓ کے دل کو نرم کر دیا اور وہ عمر جو صبح گھر سے اس لئے نکلے تھے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا فیصلہ کر دیں وہ شام ہونے سے پہلے اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے آپ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور میرے آقا نے فیصلہ یہ کیا کہ عمر کی زندگی کو جنت کے بدلے خرید لیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان خوش قسمت انسانوں میں سے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کو دیکھ کر ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ (۲)

عام الحزن

لیکن مکہ والوں کی اکثریت کفر و شرک پر اور آپ کی مخالفت پر ڈٹی رہی بلکہ جب حضرت خدیجہؓ اور آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو اس مخالفت میں اور بھی تیزی آگئی۔ دفاع کرنے والا چچا بھی نہ رہا اور دلداری کرنے والی بیوی بھی نہ رہی یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔ اس سال آپ کو پے در پے اتنے صدمے پہنچے کہ اس کا نام ہی عام الحزن یعنی غم کا سال مشہور ہو گیا

جب آپ نے دیکھا کہ قریش والوں کی زیادتیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے تو آپ نے طائف کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو طائف

والوں سے خیر کی توقع تھی کیونکہ آپ کے رضاعت کے دن قبیلہ بنو سعد میں گزرے تھے جو طائف کے قریب آباد تھا اور ویسے بھی دنیا کے اعتبار سے وہاں بڑے خوشحال اور سمجھدار لوگ آباد تھے لیکن طائف والوں نے جو کچھ کیا اس نے مکہ والوں کے مظالم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے سب سے پہلے قبیلہ ثقیف کے ذمہ دار لوگوں سے بات کی اور انہیں دین کی دعوت دی لیکن انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور شہر کے آوارہ نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ آپ واپس پلٹنے لگے تو راستے کے دونوں جانب ان کے آدمی کھڑے تھے جو آپ کو گالیاں دے رہے تھے، شور مچا رہے تھے اور آپ پر پتھر پھینک رہے تھے۔ آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کوئی آوارہ پتھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو آ کر زخمی کر دیتا یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہو گئے۔ میرے آقا زخموں سے چور ہو کر کھجور کے سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں جب چشم تصور سے سوچتا ہوں تو میرے سامنے آپ کا زخمی جسم آ جاتا ہے، میرے سامنے نبوت کا حسین چہرہ حزن و ملال کے بادلوں سے ڈھکا ہوا آ جاتا ہے، میرے سامنے کائنات کے آقا کی بے بسی مجسم ہو کر آ جاتی ہے

یادگار دعا

نبیوں کا سردار، کاروانِ انسانی کا سپہ سالار شکستہ سا ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اور آپ کی مبارک زبان پر وہ یادگار دعا جاری ہو جاتی ہے جسے آج بھی پڑھتے ہوئے سینے کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُو ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ — اے اللہ میں اپنی کمزوری اپنی بے سر و سامانی اور لوگوں میں اپنی تحقیر کے بارے

على الناس يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين إلى من تكلني إلى بعيد يتجهمني أم إلى عدو ملكته أمري إن لم يكن بك غضب علي فلا أبالي غير أن عافيتك أوسع لي (۸۰)

میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو عاجزوں اور کمزوروں کا مالک ہے اے میرے مالک تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے اس بیگانہ کے جو ترش رو ہے؟ یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔

یوں تو یہ ساری دعا شکستہ دلی اور عاجزی و انکساری کا عجیب مجموعہ ہے مگر آقا کی ساری ہی دعائیں ایسی ہوا کرتی تھیں، آپ دعاؤں کی کوئی بھی کتاب اٹھائیں، اور پھر اس میں آپ کی دعائیں ترجمے کے ساتھ پڑھیں۔ ہر لفظ سے عبدیت، تواضع اور بے چارگی ظاہر ہوتی ہے۔

قبولیت | وہ دعا جو مظلوم پیغمبر کی مبارک زبان سے انتہائی بے بسی کی حالت میں نکلی تھی وہ کیسے قبول نہ ہوتی۔

طائف والوں نے ٹھکرا دیا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کے لئے آسمانوں پر بلوایا اور بتا دیا کہ اے انسانو اگر تم میرے نبی کا استقبال کرنے سے انکار کر دو گے تو میں آسمان کے فرشتوں کو آپ کے استقبال کے لئے صفیں باندھنے کا حکم دوں گا۔ اس عزت افزائی نے آپ کے ان زخموں پر مرہم رکھ دیا جو طائف والوں نے بڑی سنگدلی سے لگائے تھے (۹۱)

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ ثقیف وغیرہ قوموں کے دلوں کو ایمان

کی طرف مائل کر دیا۔

حج کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں سے آنے والوں کے پاس خود جا جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ایک رات جب آپ اس مقصد کے لیے نکلے تو منٰی کے پہاڑوں میں ایک گھاٹی کے پاس انصار کے کچھ لوگ مل گئے۔ آپ نے انہیں قرآن سنایا اور ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کھول دیئے اور انہوں نے فوراً ایمان قبول کر لیا۔ اگلے سال حج کے موقع پر اسی گھاٹی کے پاس بارہ آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔

میرے آقا کے جانثار غلام حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ پہنچ کر قرآن کی تعلیم اور اسلام کی دعوت دینے میں دن رات ایک کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں۔ جب مدینے کے ہر گھر میں اسلام کی روشنی پہنچ گئی اور انصار نے مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنا ایمان بچانے کے لیے اور دعوت اسلامی کا مرکز بنانے کے لیے مدینہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ (۱۰۲)

یہ ہجرت کیسے ہوئی، وعدہ دینے والوں نے نصرت کیسے کی، اس کا بیان ان شاء اللہ اگلے جمعہ ہوگا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۱۷ (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

(۲) سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲۸ (انتشارات ایران)

(۳) ابن کثیر ص ۴۵۶ - ۴۵۵ دار احیاء

(۴) سیرت ابن ہشام ص ۲۹۴ - ۲۹۵

(۵) 〃 〃 ص ۱۰

(۶) صحیح بخاری کا باب ما لقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین۔

(۷) ابن ہشام ص ۳۴۲ - ۳۴۱

(۸) زاد المعاد ص ۲-۳ ج ۱

(۹) سیرت ابن کثیر ص ۹۲ ج ۲

(۱۰) ابن ہشام ص ۷۷ تا ۸۰

ہجرت سے غزوات تک

زباں پر اشرق البدر علینا کی صدائیں تھیں
دلوں میں ما دعا للہ داع کی دعائیں تھیں
کہیں معصوم ننھی بچیاں تھیں دف بجاتی تھیں
رسولِ پاک کی جانب اشارے کر کے گاتی تھیں
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی۔

(حفیظ جالندھریؒ)

وہ بھی تاریخ انسانی کا عجیب و غریب رشتہ تھا
آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں
آپس میں بھائی بھائی ہو۔

وہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب و
نسب کا تعلق نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا
تعلق ہے اسی تعلق کی بنا پر کالا گورے کا بھائی بن رہا ہے
غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزرجی کا بھائی بن رہا
ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ
پورے کرہ پر سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے، یہی وہ رشتہ
ہے جو شرقی کو غربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بناتا ہے۔
اس رشتہ مواخات کے لیے انصار میں بڑا جوش و خروش تھا،
ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جائے
یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی۔

ہجرت سے غزوات تک

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ — سورۃ الانفال

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی، یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

بزرگان محترم و برادران عزیز! پچھلے جمعہ آپ کی خدمت میں بعثت سے ہجرت تک کے مختصر حالات عرض کر چکا ہوں۔ آپ سن چکے کہ مکہ میں ایمان والوں کو کیسے ستایا گیا، انہیں گلیوں میں گھسیٹا گیا، انہیں انگاروں پر لٹایا گیا، انہیں بھوک پیاس میں تڑپایا گیا اور ایک دو سال نہیں، پورے تیرہ سال تک اس ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا۔ قربان جائیے ان باہمت مومنوں کے ایمان پر، ان کی استقامت پر، ان کے صدق و اخلاص پر اور ان کے صبر و ایثار پر کہ وہ ظلم کا ہر وار سہتے رہے۔ لیکن ایمان کی شاہراہ سے وہ ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہ ہٹے۔ تیرہ سال تک

ظلم کی آگ جلتی رہی۔ اس آگ میں جلنے والے کندن بنتے رہے اور آگ جلانے والے وحشیانہ قہقہے لگاتے رہے۔ جب تیرہ سال بعد بھی یہ آگ نہ بجھی تو قدرت نے مسلمانوں کو مدینہ کی صورت میں اسلامی دعوت کا ایک مرکز عطا فرما دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر مہیا کر دیئے جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو اس لئے تم وہاں ہجرت کر جاؤ۔

چنانچہ لوگ جماعتیں بنا بنا کر ہجرت کرنے لگے۔ لیکن کسی کو یہ ہجرت کرنا کوئی کھیل نہ تھا۔ قریش نے لوگوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں لیکن مسلمان بھی آگے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے ہٹانے کے لئے تیار نہ تھے۔

عظیم قربانی

آپ کبھی آپ سوچیے کہ اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑنا کتنا مشکل کام ہے۔ پیارے بچے! تو ہم بہت کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن [illegible] تو ہم ایک جھونپڑا بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ [illegible] کے لئے کوئی [illegible] جا رہا ہے کوئی اکیلا جا رہا ہے [illegible] جا رہا ہے۔ کوئی [illegible] جا رہا ہے۔ کوئی [illegible] رہا ہے کوئی مستقل تیار ہو رہا ہے۔ [illegible] جا رہے ہیں۔ ماں باپ کی جدائی ہو رہی ہے۔ بیوی بچے بھی جدا ہو رہے ہیں۔ بہن بھائی بھی [illegible]
[illegible] لائے گا۔

دینار لائے گا، روپیہ لائے گا، شلنگ پونڈ لائے گا، وہ کسی آدرش کا چاہے وہاں جاکر بیچارے کو چوکیداری بن پڑے، چاہے جمعدار بننا پڑے، چاہے نوکری اٹھانی پڑے، چاہے بھوکا پیاسا رہنا پڑے مگر سب خوش ہوتے ہیں اور جب آتا ہے تو ہار پھول ڈال کر استقبال کرتے ہیں لیکن اگر کوئی دین سیکھنے کے لئے، ایمان کی دعوت دینے کے لئے اور مظلوم مسلمانوں کے لئے جہاد کرنے کے لئے گھر چھوڑ کر تو سب کے چہرے اتر جاتے ہیں کہ مکہ کے مسلمان جو گھر بار چھوڑ رہے تھے تو اس سے ان کا کوئی دنیاوی مقصد نہ تھا، وہ صرف اپنا ایمان بچانا چاہتے تھے۔ وہ اسلام کا مرکز تعمیر کرنا چاہتے تھے تاکہ ساری دنیا کے انسانوں کو ظلم کے نظام سے نجات دلائی جائے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جو قربانی دی وہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین قربانی تھی۔ کسی کو خاندان چھوڑنا پڑا، کسی کو والدین چھوڑنے پڑے، کسی کو بھائی بہن چھوڑنے پڑے، کسی کو بیوی چھوڑنی پڑی، کسی کو بچے چھوڑنے پڑے، کسی کو مکان اور دکان سے ہاتھ دھونے پڑے، کسی کو جائداد کی قربانی دینی پڑی لیکن ان کے دلوں میں ایمان ایسا رچ بس گیا تھا کہ وہ اس کی خاطر سارا جہان چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔

نفع کا سودا

جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم جب مکہ آئے تھے تو تم بالکل غریب تھے، مفلس تھے، تمہارے پاس کچھ بھی نہ تھا اور مکہ میں رہ کر تم نے اتنا کما لیا ہے کہ دولت مند ہو گئے ہو، اب چاہتے ہو کہ یہ سارا مال و دولت اپنے ساتھ لیجاؤ، خدا کی قسم ایسا

نہیں ہو سکتا۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا حق کی نظر میں سامان کی قیمت تو تھی مگر ایمان کی کوئی قیمت نہ تھی کہ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ سارا مال و اسباب میں تمہارے حوالے کر دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں پھر تم جا سکتے ہو۔

حضرت صہیبؓ نے جواب دیا کہ میں یہ سارا مال تمہیں دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: "ربح صہیب، ربح صہیب" صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا ہے اور رب تعالیٰ کو تو یہ سودا اتنا پسند آیا کہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس سودے کا ذکر فرما دیا

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۃ التوبہ)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

حضرت صہیبؓ نے سامان دے دیا ایمان بچا لیا اور اللہ کہتا ہے کہ اے صہیب تو نے اپنے سامان کی قربانی دے کر میری جنت کو خرید لیا۔ بلکہ اللہ کہتا ہے کہ میں سارے ہی ایمان والوں سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں آؤ جس کا دل چاہے، لے آؤ اپنے مال، لے آؤ اپنی جانیں۔ وہ مال اور جانیں جو میں نے ہی تمہیں دی ہیں۔ ان

مالوں اور جانوں کو میں خریدنے کے لئے تیار ہوں ۔

مگر اے اللہ ۔ ہمیں اس کے بدلے میں تو کیا دے گا ؟

اللہ کہتا ہے میں اس کے بدلے میں تمہیں جنت دے دوں گا ۔

اپنی رضا دے دوں گا ، اپنی مغفرت دے دوں گا ، اپنی خوشنودی کا پروانہ دے دوں گا ۔ آؤ تو سہی ، سودا کرو تو سہی ۔ آج بھی سودے بازی ہو رہی ہے اور زور شور سے ہو رہی ہے ۔ اگر ہم محروم ہیں تو یہ مت سمجھئے کہ ساری دنیا ہی محروم ہے ، قسمت والے مال اور جانیں دے رہے ہیں کوئی افغانستان میں دے رہا ہے ، کوئی کشمیر میں دے رہا ہے ، کوئی بوسنیا میں دے رہا ہے ، کوئی کرغیزستان میں دے رہا ہے اور سب کے بدلے جنت خرید رہے ہیں ۔

آقا سب سے آخر میں

تو محترم سامعین ! یوں صحابہ کرام رض بہت کچھ قربان کرتے ہوئے ہجرت فرماتے رہے لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے منتظر رہے ۔ یہ میرے آقا کا اسوہ ہے ۔ آپ خود تو ظالموں کے جھرمٹ میں گھرے رہے مگر اپنے ساتھیوں کو دار الامن میں جانے کی اجازت دے دی جب کہ ہمارے لیڈروں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے جیالوں کو مصائب میں چھوڑ کر خود برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ چلے جاتے ہیں نعرہ لگانے والے جیالے جیلوں میں گلتے سڑتے رہیں اور لیڈر صاحب ترقی یافتہ ملکوں اور شہروں میں عیاشیاں کرتے رہتے ہیں لیکن ان لیڈروں سے نظر ہٹا کر میرے آقا کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو مصیبت ، پریشانی اور خوف کے ہر موقع پر آپ ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیں گے ۔

تو مسجد نبوی کے رہتے تو آپ نے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا ۔

اگر صحابہؓ رات بھر جاگتے رہتے تو آپؐ نے بھی نیند کا مزہ نہیں چکھا

آپ جانتے ہیں مکہ میں مسلمانوں کو کیسے ستایا جا رہا تھا

لیکن اس کے باوجود میرے آقا نے پہلے عام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی اور خود اس وقت ہجرت کا فیصلہ فرمایا جب مکہ ہجرت کرنے والوں سے خالی ہو چکا تھا ۔

قیامت کی رات

وہ رات قیامت کی رات تھی جب ایک طرف اللہ کے حکم سے آپؐ نے مکہ کو الوداع کہنے کا ارادہ کر لیا اور دوسری طرف مشرکوں کی اقوام متحدہ نے شمع رسالت کو گل کر دینے کا منصوبہ بنا لیا ۔ کفر و شرک کے سرغنوں نے آپؐ کو ختم کرنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بچانے کی تدبیر کر لی اور کون نہیں جانتا کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ہر تدبیر مکڑی کا جالا ثابت ہوتی ہے چاہے تدبیر کرنے والے سردار ہوں، چوہدری ہوں، وڈیرے ہوں، سیاستدان ہوں، سائنس دان ہوں، ڈاکٹر ہوں، انجینئر اور پروفیسر ہوں ــ کوئی بھی ہوں میرے اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کسی کی تدبیر نہیں چل سکتی ۔

میرا اللہ جسے بچانا چاہے اسے کوئی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔

میرا اللہ جسے عزت دینا چاہے اسے کوئی بھی ذلیل نہیں کر سکتا

مشرکوں نے معاذ اللہ میرے آقا کو قتل کرنے کا پروگرام بنا کر گھر کا گھیراؤ کر لیا ۔ سب تلواریں سونتے کھڑے تھے ۔ دل میں عداوت تھی، آنکھوں میں شرارت تھی، ابوجہل کی سرپرستی تھی، پوری فضا میں حرارت

تھی۔ اِدھر کفر کی قوت تھی، اُدھر حق کے لشکر کی طاقت تھی جس کا مقابلہ کرنا طاقت ہی سے باہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سازش کے توڑ سے بھی آگاہ کر دیا۔ اپنے نبی کو بتلا دیا کہ ان کے سامنے سے گزر جانا آپ کا کام ہے اور دل کے ان اندھوں کو آنکھوں سے اندھا کر دینا میرا کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور مٹھی کی خاک لے کر ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۂ یٰسین کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔

بڑے بڑے سورما آپ کے انتظار میں کھڑے تھے اسی وقت کسی آنے والے نے پوچھا ارے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کھڑے ہو جبکہ وہ تو جا چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر آئے تھے اور انہیں تاکید کر دی تھی کہ میرے پاس جن لوگوں کی امانتیں ہیں وہ ان کے حوالے کر کے تم بھی مدینے چلے آنا۔ مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا اور وہ صبح تک ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن جب صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے تو انہیں دیکھ کر انہیں بڑی شرمندگی ہوئی اور وہ نامراد ہو کر واپس چلے گئے۔ (۲)

دیانت یہ ہے

میرے بزرگو اور دوستو! آپ نے امانت و دیانت کے بڑے بڑے مشہور واقعات سنے ہوں گے لیکن ایسا واقعہ شاید ہی آپ نے کبھی سنا ہو کہ کسی کو ایسے لوگوں کی امانتیں لوٹانے کی فکر ہے جن کے بیچ ہوتے ہو جو اس کے خون کے پیاسے

اور اس کی جان کے دشمن ہوں۔ آپ کی یہی وہ دیانتداری تھی جس کی وجہ سے مکہ کے ہر فرد کی زبان پر آپ کے لئے صدیق اور امین کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کو جھوٹا کہتا ہو وہ بدبخت تو اللہ کے کلام کو جھٹلاتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ○ (۳)

ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ تمہیں جھوٹا نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

تاریخی سفر میرے آقا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور یثرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں محبت و ایثار کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہ گئی ہیں۔ آپ نے تین دن تک غار ثور میں قیام کیا۔ مشرکین مکہ تعاقب میں تھے، ایک وقت ایسا بھی آیا جب جاسوس آپ کے بہت قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے لیکن آقا کے نبی نے تسلی دی

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا — غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

قریش نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی

سراقہ بن مالک بن جعشم انعام کے لالچ میں تعاقب کر رہا تھا،
وہ آپ تک پہنچنے والا تھا کہ اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا
وہ اٹھا مگر پھر گر پڑا۔ پھر اٹھا پھر گر پڑا اور گھوڑے کے دونوں اگلے
پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو
خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے سراقہ تم ہمیں قتل کر کے سوا ونٹ
لینا چاہتے ہو لیکن میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا
ہوں۔ مادیت پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص آپ کی اس پیشگوئی کو
سنتا تو مذاق اڑاتا کہ ایک طرف جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور
دوسری جانب کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضے کے خواب دیکھے جا رہے
ہیں۔ لیکن جیسے میرے آقا نے فرمایا تھا ویسے ہی ہو کر رہا حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور انہوں نے
کسریٰ کا پٹکا اور تاج حضرت سراقہ کو بلا کر انہیں پہنا دیا۔(۴)

مدینہ میں استقبال

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کئی دن
کے سفر کے بعد مدینہ پہنچے تو پورا مدینہ
آپ کے استقبال کے لئے نکل کھڑا ہوا، ہر طرف نعرے گونج رہے تھے
"اللہ اکبر جاء رسول اللہ، اللہ اکبر جاء محمد"
(اللہ اکبر رسول اللہ تشریف لے آئے، اللہ اکبر محمد تشریف لے آئے)
انصار کی بچیاں بڑی خوشی اور مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

طلع البدر علینا، من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع(۵)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :

پہاڑی کا وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں وہاں سے آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے ۔

جب تک دنیا میں اللہ کا ایک نام لینے والا بھی رہے گا ہم پر شکر ادا کرنا واجب رہے گا ۔

اے وہ (عظیم نبی) جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کرنا واجب ہے ۔

آپ بنو نجار کے محلے سے گزرے تو ان کی بچیاں اپنے انداز میں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں ، ہماری خوش نصیبی ہے کیا کہنے کہ آج محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں ۔

مکہ والوں نے جس عظیم نعمت کو ٹھکرا دیا تھا مدینے والوں نے اسے عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا ۔ ہر طرف خوشی تھی ، ہر طرف استقبالیہ نعرے تھے ، ہر زبان پر حمد و ثنا کے نغمے تھے ہر طرف نور ہی نور تھا ، سرور ہی سرور تھا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن سے زیادہ حسین اور روشن دن کوئی نہیں دیکھا جس دن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے ۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مجھے میزبانی کا شرف بخشیں لیکن یہ شرف ازل سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا ۔ اس لئے

آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جس گھر کے سامنے اونٹنی بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا اور اونٹنی چلتے چلتے وہاں آکر خود بخود ٹھہر گئی جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ لیکن اس وقت یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی وہ یہاں کھجور کا کھلیان تھا اور یہیں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر بھی تھا۔ انہوں نے فوراً سامان [illegible] اٹھا کر اپنے گھر لے گئے

یتیموں کی قسمت

اللہ تعالیٰ کا بھی عجیب نظام ہے، وہ بعض اوقات مسکینوں اور عاجزوں کو ایسا نوازتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ ثبوت ملا تو مکے کے یک یتیم کو۔

مدینہ میں میزبانی کا شرف حاصل ہوا تو مہاجرین انصار میں حضرت ابوایوب کو اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جس جگہ کا فیصلہ ہوا وہ دو یتیموں کی ملکیت۔ اس میں شک نہیں کہ مسجد نبوی جہاں بھی بن جاتی وہ جگہ قابل احترام ہوتی لیکن ان یتیموں کے لئے تو یہ بات قابل رشک تھی کہ ان کی مملوکہ زمین میں اللہ کے نبی نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا۔[۸]

جب آپ نے ان یتیموں سے اس جگہ کے خریدنے کی بات کی تو وہ بلا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن میسر تا آج کے سیٹھوں اور جعلی پیروں جیسے نہ تھے جو مال مفت کے بھروسے اسی پر دارومدار رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ قیمت دے کر وہ زمین خریدی اور پھر اس کی تعمیر میں بہ نفس نفیس

شرکت فرمائی۔ آپ گدیوں پر نہیں بیٹھے بلکہ آپ اپنے دستِ مبارک پر اینٹیں اٹھاتے دور یہاں تک پہنچاتے اور مسلمانوں میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر یہ اشعار پڑھتے

(اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْآخِرَةِ ... فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ)

رشتۂ مواخات

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے انصار اور مکہ کے مہاجرین کے درمیان جو رشتۂ مواخات قائم فرمایا وہ بھی تاریخِ انسان کا عجیب و غریب رشتہ تھا۔ آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو

واہ کیا عجیب رشتہ تھا۔ نہ خون کا تعلق، نہ حسب و نسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا تعلق ہے اسی تعلق کی بنا پر کالا گورے کا بھائی بن رہا ہے، غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزرجی کا بھائی بن رہا ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بنا دیتا ہے۔ اس رشتۂ مواخات کیلئے انصار میں بڑا جوش و خروش تھا، ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جائے یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی

محترم سامعین! یہ صرف زبانی رشتہ نہ تھا بلکہ انصار نے پوری خوش دلی سے اس رشتے کو قبول کیا اور مہاجروں کو اپنی

دولت، اپنی زمین اور اپنے گھر میں تصرف کا ایسے ہی اختیار دیدیا جیسے حقیقی بھائیوں کو اختیار دیا جاتا ہے۔ ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ دیکھو میرے پاس جتنا بھی مال ہے اس میں سے آدھا تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں تمہیں ان میں سے جو بھی پسند ہے مجھے بتا دو میں اسے طلاق دیتا ہوں اور تم اس سے نکاح کر لو!
دوسرا انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ بھائی میری آدھی زمین تمہاری ہے، کوئی بات نہیں اگر تم کاشتکاری نہیں جانتے تو کاشت کاری میں کروں گا اور جو غلہ آئے گا وہ آدھا میرا ہوگا، اور آدھا تمہارا ہوگا۔

ذرا آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ ان باتوں کا سننا اور سنانا تو آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے؟ کوئی ہے جو اپنے خون پسینے کی کمائی کسی کو مفت دینے کے لئے آمادہ ہو؟

یہاں تو یہ حال ہے کہ سیٹھ صاحب مسجد اور مدرسہ میں تھوڑا سا چندہ دیکر یہ سمجھتے ہیں کہ گویا میں نے اس مدرسہ اور مسجد کو خرید ہی لیا ہے۔

کسی غریب مسلمان کی دو چار سو روپے امداد کر دیں تو اسے اپنا زر خرید غلام سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

یہود اور منافقین

مسلمانوں کی آباد کاری سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی سیاسی حالت کی طرف توجہ فرمائی۔

مدینے میں اگر آپ کے جانثار بے شمار تھے تو ازلی بدبخت یہود

بھی بڑی تعداد میں آباد تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے امن و امان کا معاہدہ کر لیا جس میں یہ طے پایا کہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور مال و جائداد کی حفاظت کی جائے گی" لیکن یہودیوں کی فطرت میں خباثت، رذالت، حسد اور تنگ دلی پائی جاتی ہے۔ ان کی پوری تاریخ خیانت، کینہ، دشمنی، دولت سے عشق، سود خوری اور انتہائی پر فتنہ راستے عبارت ہے۔ وہ شرارتوں سے کہاں باز آنے والے تھے۔ ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن ان کے دل اسلام دشمنی سے بھرے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن أبی بن سلول اور اس کے پیروکاروں نے بھی منافقت کا چادر اوڑھ لی اور یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھئے مسلمانوں کو ہمیشہ یہودیوں اور منافقوں ہی سے نقصان پہنچا ہے اسی لئے قرآن کریم میں ان دشمنوں کا کثرت سے ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاق اور ان کی علامتیں کھول کھول کر بیان کی ہیں اور کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ ان کی مذمت کی ہے

قتال کی اجازت

مدینہ کے یہودی اور منافق مکہ کے مشرکوں سے مسلسل رابطے میں رہے اور یہ تینوں گروہ اسلام کی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کو دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے رہتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سب دشمنیوں اور خباثتوں سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ کیسے بے خبر رہ سکتے تھے جبکہ آپ حالات پر گہری نظر

دیکھنے والے عظیم سیاست دان تھے۔ خود صحابہؓ کا حال بھی کھولتا تھا۔ وہ کفر کے علمبرداروں سے دو دو ہاتھ کرنے کو ان کے جذبات مچلتے تھے لیکن انہیں بار بار یہی تلقین کی جاتی رہی کہ کُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ "اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو" مقصد یہ تھا کہ ایسی روحانی تربیت پر زور دو۔ یہ اخلاقی کمزوریاں دور کرو، اطاعتِ امیر کی عادت ڈالو، ایثار و قربانی کو اپنا شعار بناؤ۔ نفس پر کنٹرول کرنا سیکھ لو ویسے بن جاؤ جیسے تمہیں قدرت بنانا چاہتی ہے

اور جب واقعی وہ ویسے بن گئے جیسے قدرت نے انہیں بنانا چاہتا تھا،

ان کی راتیں عبادت سے معمور ہو گئیں،
ان کے دن خدمتِ قرآن میں گزرنے لگے
ان کے اخلاق ملائکہ کے لئے قابلِ رشک بن گئے۔
ان کے دلوں کا تزکیہ ہو گیا،
ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں بے قیمت ہو گئیں،
ان کے دلوں میں شوقِ حریت کا شعلہ پوری قوت سے بھڑک اٹھا،
تب انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی۔ فرمایا گیا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج)

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ (وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا) یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے

یہ قتال کیسے ہوا اور اللہ کے شیروں نے کافروں اور مشرکوں کو کیسی کیسی ذلت آمیز شکستوں سے دوچار کیا۔ اس ایمان پرور داستان کی پہلی قسط الف تاء انشاء اللہ اگلے جمعہ بیان کروں گا۔ پہلی قسط اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ متعدد غزوات کا حال سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایک نشست میں سب غزوات کا بیان نہیں ہو سکتا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) ابن کثیر بحوالہ ابن ہشام ص ۲۲۳ ج ۲

(۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۰ – ۲۸۳ ج ۱

(۳) سورۃ الانفال آیت ۳۳

(۴) الاستیعاب ص ۵۹۰ ج ۲

(۵) ابن کثیر ص ۲۶۹ ج ۲

(۶) ابن کثیر ص ۲۶۳ ج ۲

(۷) نبی رحمت بحوالہ دارمی سے طبیب شریف

(۸) ابن کثیر ص ۲۶۸ ج ۲

(۹) ابن کثیر ص ۲۶۲ ج ۲

(۱۰) صحیح بخاری باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار

(۱۱) ابن ہشام ص ۳۷۴ ج ۲

(۱۲) سورۃ حج آیت ۳۹

غزوۂ بدر

تھے تین سو تیرہ و بشر ذوقِ شہادت میں
خدا کے نام پر نکلے محمد کی قیادت میں
نہ کثرت تھی نہ شوکت تھی نہ کچھ سامان رکھتے تھے
فقط اخلاص رکھتے تھے فقط ایمان رکھتے تھے
نہ تاج و تخت کے طالب نہ مال و جاہ کے سائل
کہ یہ بندے تھے لا معبود الا اللہ کے قائل
ہوا تو یہ سبب تعداد بھی سامان بھی کم تھا
مگر ہم نے یہ دیکھا لشکرِ اسلام بے غم تھا
ہوئی تو بدر دیکھی سربلندی خاکساروں کی
نچھاور فتح کے قدموں پہ ہوئی رفعت ستاروں کی

(حفیظ جالندھری)

- مسلمانوں کی زبان پر تسبیح تھی تقدیس تھی تحمید تھی تکبیر تھی

ادھر مشرکوں کی زبانوں پر داستانیں تھیں لطیفے تھے گالی کے بول تھے۔

مسلمانوں کا جو حصہ لڑنے کے لئے تھا اس کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں تھیں، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے ادھر کفار کو جوش دلانے کے لئے ڈھول ڈھمکا تھا، گانے والیاں تھیں۔

ادھر رب ذوالجلال کے حمد تھے اُدھر لات و ہبل کی قسمیں تھیں۔

ادھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی اُدھر ابوجہل کی قیادت تھی

ادھر خلوص تھا اُدھر کثرت تھی

ادھر روحانیت تھی اُدھر مادیت تھی۔

ادھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا اُدھر قوت بازو پر گھمنڈ تھا۔

ادھر دعائیں تھیں اُدھر گانے کی آوازیں تھیں۔

غزوۂ بدر سے فتح مکہ تک

غزوۂ بدر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ	ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ مٹ جائے
وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنِ	اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب آجائے۔ اگر یہ رک
انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی	جائیں تو تم بھی رک جاؤ، زیادتی تو صرف
الظّٰلِمِیْنَ ○ (۱)	ظالموں پر ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ گذشتہ جمعوں میں سن چکے ہیں کہ مسلمانوں کو تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا، انہیں کیسے تڑپایا گیا، کیسے ستایا گیا، اور کیسے رُلایا گیا، مسلمان ظلم کا ہر وار سہتے رہے مگر جواب میں انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا —— کیوں نہیں اٹھایا؟ اس لئے کہ انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی، انہیں تو حکم دیا جارہا تھا معاف کرنے کا، درگزر کرنے کا

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی	سو تم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب
یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط (۲)	تک بھیجے اللہ اپنا حکم۔

مار کھاتے رہو، ظلم سہتے رہو، جور وجفا برداشت کرتے رہو مگر جواب میں اس وقت تک ہاتھ نہ اٹھاؤ جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دے۔

صحابہ تو حکم کے بندے تھے وہ اللہ کے حکم سے سرمو بھی تجاوز نہیں کرتے تھے وہ ظلم کی چکی میں پستے رہے، کوئی زخمی ہوا، کسی کی آنکھ ضائع ہوئی، کسی کا بدن جھلس گیا، کسی کی ہڈیاں ٹوٹیں لیکن انہوں نے جوابی حملہ نہ کیا۔ لیکن اب جب احکم الحاکمین کی طرف سے انہیں دفاعی اور اقدامی ہر قسم کے قتال کی اجازت مل گئی تو وہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں آ گئے اور مشرک سورماؤں کو بتا دیا کہ ہم تڑپ بھی سکتے ہیں تڑپا بھی سکتے ہیں

تیر سہہ بھی سکتے ہیں تیر چلا بھی سکتے ہیں،

ہم راتوں کے عابد بھی ہیں اور دنوں کے مجاہد بھی ہیں۔

ہم صوفی بھی ہیں اور شمشیر زن بہادر بھی ہیں۔

ہم موت سے خائف نہیں ہم تو موت کے متلاشی ہیں۔

تاریخ ساز جنگ

قتال کی اجازت ملنے کے بعد چھوٹی موٹی جھڑپیں تو کئی ہوئیں لیکن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جو پہلی فیصلہ کن جنگ لڑی گئی وہ سنہ ۲ھ میں بدر کے میدان میں لڑی گئی۔

اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا ارادہ ابوسفیان کے اس قافلے کا مقابلہ کرنے کا تھا جو شام سے تجارتی مال لے کر آ رہا تھا۔ ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع پہنچی تو اس نے اپنا راستہ بھی بدل دیا اور قریش کو مسلمانوں کے ارادے کی اطلاع دینے کے لئے اپنا قاصد بھی مکہ بھیج دیا۔ مکہ میں خبر پہنچی تو قریش کے

جذبات میں آگ لگ گئی، ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے مسلمانوں کو سبق سکھانے بلکہ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے جنگ کی پوری تیاری شروع کردی اور ایک بڑا لشکر لیکر غیظ و غضب کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوگئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے اس لشکر جرار کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنی سنت اور عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ انصار نے مدینہ میں رہتے ہوئے تو آپؐ کی حفاظت اور نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن مدینہ سے باہر نکل کر آپؐ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا وعدہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔

انصار کو جب احساس ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں انصار کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہم ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیں گے، آپؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق ختم کردیں۔ ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، ہمارے مال میں سے جتنا آپؐ لیں گے وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہوگا جسے آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ چلتے چلتے برک غمدان تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ سمندر میں داخل

ہوجائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں داخل ہوجائیں گے (۲۱)
حضرت سعد بن معاذ رض خاموش ہوئے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ
کھڑے ہوگئے اور بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ
سے ویسے نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام
سے کہا تھا۔

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا — جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر
إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ○ — جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے

بلکہ ہم ایسے نہیں کہیں گے بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی
لڑیں گے، سامنے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سرداروں کے یہ جوابات
جذبات سنے تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا
سیروا وابشروا چلو اور بشارت حاصل کرو۔ (۲۱)

اصل فرق

عجیب اتفاق دیکھئے کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ
تھی اور حضرت داؤد جب جالوت کے مقابلے
لے کر گئے تھے تو ان کے لشکر کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی حضرت طالوت
کے مخلص ساتھیوں نے پورے ایمان و یقین سے کہا تھا

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ — بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ — اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آتی
وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ (۵۱) — ہیں۔ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے

اور آج مخلص مومنوں کی زبانوں پر بھی اسی قسم کے کلمات تھے
مسلمان تین سو تیرہ تھے اور مشرکوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی

مسلمانوں کی کثریت ناتجربہ کار تھی جبکہ مشرکوں کے لشکر میں ملے ہوئے تھے سو وہ تجربہ کار سپاہی تھے

مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے جبکہ مشرکوں میں چھ سو سپاہی زرہ پوش تھے پانچ سو سپاہی بہت ہتھیار بند تھے۔ دشمنوں کی تعداد سات سو تھی گھوڑے کی تعداد ایک سو تھی ۹۱

مسلمانوں کی زبانوں پہ تسبیح تھی۔ تقدیس تھی، تحمید تھی، تکبیر تھی۔ ادھر مشرکوں کی زبانوں پہ گالیاں تھیں، طعنے تھے، ڈینگ کے بول تھے مسلمانوں کا جو لشکر تھا سب کے سب نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں تھیں۔ دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے ادھر مشرکوں کو جوش دینے کے ڈھول ڈھمکا تھا، گانے والیاں تھیں

ادھر تواضع تھی ادھر تکبر تھا۔

ادھر رب دو جہاں کے سپاہی تھے ادھر لات و ہبل کی قسمیں تھیں

ادھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی ادھر ابوجہل کی سیادت تھی

ادھر قلت تھی ادھر کثرت تھی،

ادھر روحانیت تھی ادھر مادیت تھی،

ادھر اللہ کی مدد پہ بھروسہ تھا ادھر قوت بازو پہ گھمنڈ تھا۔

ادھر دعائیں تھیں ادھر گانے کی بلائیں تھیں

میرے دوستو! وہ عجیب دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کا سارا سرمایہ بدر کے میدان میں

جھونک دیا اور خود رو رو کر اللہ سے مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی زبان اطہر پر یہ دل ہلا دینے والے کلمات جاری ہو گئے:

اللّٰھم ان تھلک ھٰذہ العصابۃ لا تعبد بعدھا فی الارض اللّٰھم انجز ما وعدتنی اللّٰھم نصرک (۲)	اے اللہ اگر آج تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اے اللہ تیری مدد کی ضرورت ہے۔

اور یہی اصل فرق تھا اہل ایمان اور اہل شرک کے درمیان کہنے والے نے خوب کہا ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یوں تو مشرک بھی لڑنے مرنے کے لئے آئے تھے اور مسلمان بھی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے لیکن وہ جو حضرت اقبال کہہ گئے ہیں کہ ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور غیبی طاقت پر اعتماد تھا اور مشرکین کو حشم و سپہ وسائل پر گھمنڈ تھا۔

مسلمانوں کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا جبکہ مشرکوں کو جاہ و نخوت و تکبر نے میدان میں آنے پر مجبور کیا تھا۔

عجیب منظر چشم فلک نے ایسا عجیب منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ باپ عتبہ بن ربیعہ کفار کے لشکر میں ہے اور بیٹا ابوحذیفہؓ بن عتبہ مجاہدین اسلام میں ہے

بیٹا عبدالرحمن بن ابی بکر کفار کے ساتھ ہے اور باپ ابوبکر بن قحافہؓ مجاہدوں کے ساتھ ہے

باپ عبداللہ بن جراح بُت پرستوں کے ساتھ ہے تو بیٹا ابوعبیدہؓ بن جراح خدا پرستوں کے ساتھ ہے

ایک بھائی عباس بن عبدالمطلب اہل شرک کے ساتھ ہے تو دوسرا بھائی حمزہؓ بن عبدالمطلب اہل توحید کے ساتھ ہے

ایک بھائی عقیل بن ابی طالب ابوجہل کا ساتھ دے رہا ہے تو دوسرا بھائی علیؓ بن ابی طالب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہا ہے۔

ایک بھائی ولید بن عتبہ کفر کے جھنڈے کے نیچے ہے تو دوسرا بھائی ابوحذیفہؓ بن عتبہ اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔

خون ایک، نسب ایک، وطن ایک، زبان ایک، لیکن عقیدے کے اختلاف نے سارے رشتے توڑ دیئے۔

نہ رشتے کی وقعت باقی رہی، نہ خون کی اہمیت باقی رہی،
یہ جنگ وطن اور نسب کی جنگ نہ تھی یہ جنگ تو کفر اور ایمان کی جنگ تھی نسب ختم ہوگیا دین کی نسبت باقی رہ گئی۔

جب مشرکوں کے سردار عتبہ نے میدان میں نکل کر دعوت مبارزت دی تو اس کے مقابلے کے لئے اسی کے بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے کس بیٹے میں یہ حوصلہ ہے

کہ وہ صرف عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے اپنے سگے باپ پر ہتھیار اٹھا سکے۔ آج ہمارے معاشرے میں ایسے بگڑے ہوئے مسلمان نوجوان تو ضرور مل جاتے ہیں جو محض حکومت اور مادی مفادات کی وجہ سے اپنے والدین پر ہاتھ اٹھانے سے باز نہیں آتے مگر ایسے لوگ جہاں میں تو صرف عقیدے کی وجہ سے خونی رشتے توڑ سکیں لیکن میدان بدر میں چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ بیٹا باپ کے مقابلے میں نکلا اور بھائی بھائی کے خلاف صف آرا ہو

آغاز جنگ

۱۷ رمضان مبارک کا سورج طلوع ہوا تو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئیں پہلے انفرادی مقابلے ہوئے جن میں یکے بعد دیگرے عتبہ، شیبہ، ولید اور عبیدہ بن سعید کو اللہ کے شیروں نے خاک و خون میں تڑپا دیا۔ اپنے سرداروں کو یوں دم توڑتے دیکھ کر مشرکین بے قابو ہو گئے۔ وہ

لشکر جرار کی طاقت کے ساتھ اسلام پر ٹوٹ پڑا
کثرت نے قلت پر حملہ بول دیا
شرک کی آندھی نے توحید کے چراغوں کو گل کرنے کیلئے
پوری تیزی کا زور لگا دیا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب حال تھا آپ کبھی میدان جنگ پر نظر ڈالتے اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے اور دعا فرماتے

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے! میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں

مسلمان اپنی ایمانی طاقت سے کفر کی آندھی کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس کی تیزی میں کمی آ گئی۔ جب امیر المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم نے

کافروں کے بڑھ کر مسلط ہوتے ہوئے دیکھے تو آپ نے مسلمانوں کو دفاع کے بجائے اقدام کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو جس کی پہنائیاں آسمان اور زمین کے برابر ہیں۔

اللہ اکبر! آپ کے ارشاد نے صحابہ کے جذبات کو جوالا مکھی بنا دیا۔ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ کہنے لگے اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو بہت دیر ہو جائے گی۔ میرے درمیان اور جنت کے درمیان صرف شہادت کا فاصلہ ہے۔ انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (۹)

سخت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے کہنے سے مٹھی بھر ریت زمین سے اٹھائی، اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر اسے مشرکین کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا

شاھت الوجوہ اللّٰھم ارعب قلوبھم وزلزل اقدامھم

ان کے چہرے ذلیل و رسوا ہوں۔ اے اللہ ان کے دلوں پر خوف طاری کر دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

دشمنوں نے اس خاک کو مشرکین کی آنکھ، ناک اور منہ میں پہنچا دیا۔ قرآن نے اسی کی گواہی دی ہے۔ سورۃ الانفال میں ہے

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ — اور وہ خاک آپ نے نہیں پھینکی تھی جب

اللّٰہَ رَمٰى — وقت کہ آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی

اسلام کے عاشقوں نے کافروں کے بڑے بڑوں کو چت کر دیا۔ اس امت کے فرعون ابوجہل کو دو کمسن نوجوانوں حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے ڈھیر کر دیا۔ ابوجہل

کے قتل کے بعد مشرکین کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ جان بچانے کے لئے ادھر اُدھر بھاگنے لگے ۔ (٩)

امام المجاہدین نے حکم دیا کہ بھگوڑوں کا تعاقب کرو اور انہیں گرفتار کرلو چنانچہ ستر افراد گرفتار کر لیے گئے اور ستر ہی قتل ہوئے ۔ کفر کی گردن ٹوٹ گئی ، شرک کا سر نگوں ہو گیا ، تکبر ہوا ہو گیا تو حق جیت گیا ، کثرت کو شکست ہوئی قلت کو کامیابی ملی

دونوں دُعائیں قبول

اللہ کی شان دیکھئے کہ امام الموحدین کی دعا بھی قبول ہوئی اور رئیس المشرکین کی دعا بھی قبول ہوئی ۔

امام الموحدین نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا تھا آج وہ وعدہ پورا فرما اور اے اللہ ہماری مدد فرما

رئیس المشرکین نے دعا کی تھی اے اللہ ہم میں جو تیرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے آج اس کو فتح اور نصرت دے (١٠) اس کے چیلے چانٹوں نے اس کی دعا پر بڑے زور سے آمین کہی ہوگی اور انہیں یقین ہوگا کہ ہمارے "حضرت" کی دعا ضرور قبول ہوگی اور واقعی "ابوجہل شاہ" کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ نے اس جماعت کی نصرت فرمائی جو اللہ کی محبوب اور پسندیدہ تھی ۔

جب مدینہ میں مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچی تو منافقوں اور یہودیوں کو یقین ہی نہیں آرہا تھا وہ سمجھے کہ خبر لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاذ اللہ دماغ ماؤف ہو گیا ہے ۔ (١١)

حقیقت میں یہ واقعہ ہی ایسا تھا کہ ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والا

کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان اس بے سروسامانی میں کافروں کے لشکر جرار کو شکست دے سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر ابابیلوں سے ہاتھیوں کو تہس نہس کرا دیا تھا۔ عقل کے اندھوں نے بھی اللہ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو "یوم الفرقان" قرار دیا ہے سورۃ انفال میں ہے:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ	اگر تم اللہ پر اور اس کی نصرت پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہو گئی اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی۔

یوم بدر، حق و باطل میں امتیاز کا دن تھا۔

یوم بدر ایمان و کفر میں واضح فرق کا دن تھا۔

یوم بدر اہل اخلاص اور اہل نفاق کی پہچان کا دن تھا۔

یوم بدر قیامت تک حاصل ہونے والی اسلامی فتوحات کے آغاز کا دن تھا۔ مگر یہ بدر ہی نہیں بلکہ مشرک بھی مختلف شکلوں میں غیبی امداد کا ظہور دیکھ چکے تھے۔

انتقام انتقام کی صدائیں

لیکن جو لوگ میدان بدر سے دور بیٹھے تھے انہیں قریشی لشکر کی شکست کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ مدینہ کے منافق اور یہودی اس خبر کو گپ قرار دے رہے تھے۔ مکہ کے مشرک اسے افواہ کا نام دے رہے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حیسمان بن حابس خزاعی سب سے پہلے مکہ پہنچا اور حال شکست قریش کا حال سنایا تو صفوان بن امیہ کہنے لگا یہ پاگل ہو گیا ہے اور نہ جانے دیوانگی میں کیا بک رہا ہے (۳) مگر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا جب دوسرے لوگوں نے بھی آکر بدر کی ذلت آمیز شکست کی تصدیق کر دی تو گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک اس شکست کا بدلہ نہیں لوں گا اس وقت تک زندگی کے ہر عیش اور آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گا۔ اس کی بیوی ہندہ نے بھی یہی قسم کھائی۔ اس کا باپ عتبہ، بھائی شیبہ اور بیٹا حنظلہ قتل ہو گئے تھے اور دوسرا بیٹا گرفتار ہو گیا تھا۔ قریش مکہ کے یہی انتقامی جذبات تھے جن کے نتیجے میں غزوۂ اُحد برپا ہوا۔

انشاء اللہ آگے چل کر غزوۂ اُحد جس کے بارے میں بیان ہوگا

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

حوالہ جات

(۱) سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳

(۲) ایضاً ایضاً آیت ۱۰۹

(۳) زادالمعاد ص ۳۴۲ ج ۱

(۴) زادالمعاد ص ۳۴۲-۳۴۳ ج ۱

(۵) البقرہ آیت ۲۳۹

(۶) زادالمعاد ص ۳۴۲ ج ۱

(۷) زادالمعاد

(۸) مشکوٰۃ شریف ص ۶۰۳

(۹) صحیح مسلم

(۱۰) خصائص الکبریٰ

(۱۱) ابن سعد طبقات ص ۳۲۱ ج ۱

(۱۲) مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۵۱

غزوۂ اُحد

غنیمت کی ہوس میں بن گئے تھے ان ، چل نکلے
کیا پیچھے کو خالی اور بستیاں حسین نکلے
ہوئی کمزوری ملت نگاہ و دل کی تاب تھی
فقط ابن جبیر او چند ساتھی رہ گئے باقی
یہ چند افراد ٹیلے پر بدستور اب بھی قائم تھے
شہادت کی طلب بھی، قرب بی ی کے گئے تم تھے

(حفیظ جالندھری)

وہ ایک طرف اُعلُ ھبل کے نعرے تھے، دوسری طرف یاحیّ یاقیوم اور اللہ اکبر کی صدائیں تھیں

ایک جانب اسد حمزہؓ تھے، ابودجانہؓ تھے، علی بن ابی طالبؓ تھے، سعد بن ابی وقاصؓ تھے، ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہ بن محصنؓ تھے، زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے۔

دوسری جانب خالد بن ولید تھے، عمرو بن عاص تھے، ابوسفیان تھے اور صفوان بن امیہ تھے۔

خواتین اِدھر بھی تھیں، اُدھر بھی تھیں۔ مسلمان خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور دشمن کی خواتین دف بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے وعدوں سے جوش کو گرماتی تھیں۔

جذبات دونوں طرف تھے۔ اُدھر انتقام کا جذبہ تھا اِدھر جہاد کا جذبہ تھا۔ اُدھر جاہلیت کا جذبہ تھا اِدھر شہادت کا جذبہ تھا۔

غزوۂ اُحد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۱)

اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا یعنی اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اس کے بعد تم نے بہت بزدلی اور (پیغمبر کے) حکم میں جھگڑا کرنے لگے اور اللہ کی نافرمانی کی بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے، بعض آخرت کے طالب پھر اس وقت اللہ نے تم کو ان کے مقابلہ سے پھیر کر بھگا دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے

محترم سامعین! آج کی نشست میں غزوۂ اُحد کے مختصر حالات

بیان کرنا چاہتا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے اصل مقصد یہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ پڑھنے والوں کے دلوں میں شوق جہاد پیدا فرما دے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی محبت ہی ہمارے مردہ دلوں میں پیدا ہو جائے۔

آپ سُن چکے ہیں کہ غزوۂ بدر کی ذلت آمیز شکست سے مکہ کے ہر گھر میں ماتم کی صف بچھ گئی تھی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو واقعہ بدر سے متاثر نہ ہوا ہو، کسی کا باپ قتل ہوا تھا، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی اور کسی کا کوئی دوسرا عزیز۔

پھر جو سردار گرفتار ہوئے تھے، ان کی گرفتاری بھی ذلت تھی اور پھر ان کا جو فدیہ ڈھائی لاکھ درہم دینا پڑا تو یہ بھی ایک ذلت تھی۔ قریش کے باقی ماندہ سرداروں نے ذلت کا داغ دھونے اور بدر کے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ ایک سال کی مدت کے بعد انہوں نے تین ہزار کا لشکر تیار کر لیا جس میں تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش سپاہی تھے، ابوسفیان کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک خفیہ خط کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی خفیہ تیاریوں کی اطلاع دے دی۔ بعد میں دوسرے ذریعے سے بھی لشکر قریش کی مدینہ کی جانب روانگی کی تصدیق ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں

دفاع ہونے دو ع کیا جائے جبکہ پُرجوش صحابہؓ کی رائے یہ تھی نہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کو دشمن ہماری بزدلی سمجھے گا لہذا مدینہ سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ بالآخر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر ہی دشمن سے نبرد آزمائی کا فیصلہ کیا اور آپؐ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے لیکن ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا اس نے کہا یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ (۳۱)

عالی دماغ سپہ سالار

میرے بزرگو اور دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بہترین خطیب ہوتا ہے لیکن تدریس نہیں کر سکتا، کوئی تدریس کر سکتا ہے تو تقریر نہیں کر سکتا۔ ایک شخص بڑا ذاکر، شاغل اور صوفی صافی ہوتا ہے لیکن تجارت کی الف بے بھی نہیں جانتا، دوسرا بڑا ماہر تاجر ہوتا ہے لیکن اسے ذکر و شغل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایک شخص بڑا تجربہ کار حکیم اور طبیب ہوتا ہے لیکن حربی معاملات میں بالکل کورا ہوتا ہے، دوسرا حربی امور کا ماہر ہوتا ہے لیکن طب کی دنیا کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔

لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت بہترین خطیب بھی تھے۔ اعلیٰ درجے کے مزکی اور مربی بھی تھے، تجربہ کار تاجر بھی تھے، بے مثال حکیم اور طبیب بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک عالی دماغ سپہ سالار بھی تھے۔

وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی اعلیٰ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور جن کی ساری زندگی جنگی معاملات میں بحث و تحقیق کرتے گذر گئی اور جنہوں نے

دنیا بھر کے جنگجوؤں اور سپہ سالاروں کے حالات کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جنگوں اور ان میں آپ کی دفاعی اور اقدامی تدابیر کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ مکہ کی وادیوں میں بکریاں چرانے والے امی نبی نے یہ جنگی چالیں کہاں سے سیکھیں اور ان میں سے جو لوگ تعصب سے پاک ہوتے ہیں وہ اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں سے تھے

غزوہ احد ہی کو لیجئے آپ نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے اہم مورچوں پر قبضہ کر لیا اور صف بندی اس طرح کی کہ کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جبل عینین پر متعین کر دیا تا کہ پیچھے سے حملے کا خطرہ نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں تاکید کر دی کہ خواہ فتح ہو یا شکست تم کسی صورت بھی یہاں سے نہ ہٹنا (۴)

آغازِ جنگ

سن ہجری تین اور شوال کی سات تاریخ تھی عیسوی سال ۶۲۵ اور مارچ کی ۲۳ تاریخ اور ہفتے کا دن تھا

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی لڑائی شروع ہو گئی اور موحد اور مشرک ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ (۵)

ایک طرف اُعل ھُبل کے نعرے تھے۔ دوسری طرف یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور اللہ اکبر کی تکبیریں تھیں۔

ایک جانب امیر حمزہ تھے۔ ابو دجانہ تھے۔ علی ابن ابی طالب تھے

سعدؓ بن ابی وقاص تھے، ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہؓ بن محصن تھے، زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے ۔

دوسری جانب خالد بن ولید تھے، عمرو بن عاص تھے، ابوسفیانؓ تھے، صفوان بن امیہ تھے ۔

خواتین اِدھر بھی تھیں اُدھر بھی تھیں، مسلمان خواتین مجاہدوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مشرک خواتین دف بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے وعدوں سے خون گرماتی تھیں، وہ صاف صاف کہہ رہی تھیں :

سینے پہ چرکے کھاؤ گے   ہم سے گلے مل جاؤ گے
گر بزدلی دکھلاؤ گے   آغوشِ بستر پاؤ گے (۲)

جذبات دونوں طرف تھے، اُدھر انتقام کا جذبہ تھا، اِدھر جہاد کا جذبہ تھا، اُدھر جاہلیت کا جذبہ تھا، اِدھر شہادت کا جذبہ تھا۔

دعا یہ تھی

مسلمانوں کے جذبۂ شہادت کو دیکھنا ہو تو ان دو دوستوں کی دعا حدیث کی کتابوں میں دیکھیے جن میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے عبداللہ بن ابی جحش رضی اللہ عنہ تھے ۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں ایک طرف ہو گئے اور کہنے لگے آؤ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آرزو پوری فرمادے، میں دعا کروں تو تم آمین کہنا اور تم دعا کرو گے تو میں آمین کہوں گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بارگاہِ رب العالمین میں ہاتھ اٹھائے اور آنسوؤں کی برسات میں عرض کیا اے بارِ الٰہا! جب میدان کارزار

گر جنگ گرم ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے کافر سے ہو جو بڑا بہادر اور غضب ناک ہو میں دیر تک اس سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ میں اس پر غالب آجاؤں اور اسے قتل کر دوں، حضرت عبداللہ نے کہا آمین۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی باری آئی، انھوں نے ہاتھ اٹھائے اور بڑے خشوع خضوع سے عرض کیا: اے زندگی اور موت کے مالک! میرا بھی مقابلہ کسی غضب ناک اور زور آور مشرک سے ہو میں بہت دیر تک لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ مجھے شہید کر دے اور اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ میری لاش کا مثلہ کرے، اپنا غصہ اتارے، میرے کان اور ناک کاٹ دے تاکہ کل قیامت کے دن جب میں تیرے روبرو پیش ہوں تو تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیرا یہ حال کیونکر ہوا تو میں عرض کروں کہ اے میرے جسم و جان کے مالک! میری ناک اور کان کاٹے گئے تیرے لئے۔

میرے ہونٹ پھاڑے گئے تیرے لئے،
میری آنکھیں نکالی گئیں تیرے لئے۔
میرا پیٹ چاک کیا گیا تیرے لئے،
اور میری گردن کاٹی گئی تیرے لئے۔
مگر حق تو یہ ہے کہ میں پھر بھی تیرا حق ادا نہ کر سکا۔

اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بات سن کر کہہ دے کہ میرے بندے تو واقعی سچ کہتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے دوست کی دعا قبول ہو چکی ہے اس کی لاش

ہمارے سامنے تھی۔ اسی لیے ان کا نام ہی "مُجدّع فی اللہ" مشہور ہو گیا۔ یعنی ایسا شخص جس کے کان اور ناک اللہ کی راہ میں کاٹے گئے

شہادت کے متوالے

یہ جذبات صرف حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کے نہ تھے بلکہ یہاں تو جو بھی تھا وہ شہادت کا متوالا تھا اور ایمانی جذبات سے سرشار تھا۔ وہ ہماری طرح نام نہاد نہیں مجاہد تھے۔

موت سے خوفزدہ نہیں موت سے آنکھیں لڑانے والے تھے،
باتوں کے کھلاڑی نہیں عمل کے بادشاہ تھے،
جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لہراتے ہوئے فرمایا: "کون ہے جو اسے لے اور اس کا حق ادا کرے"

حضرت ابودجانہؓ نے پوچھا: رسول اللہ اس کا حق کیا ہے آپؐ نے فرمایا:

"دشمن کے منہ پر مارو کوئی کافر بچنے نہ پائے اور کوئی مسلمان اس سے مارا نہ جائے"

انہوں نے عرض کیا اس کا حق میں ادا کروں گا اور پھر واقعی انہوں نے اس تلوار کا حق ادا کر دیا۔

حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا وہ جدھر بھی نکل جاتے صفوں کو درہم برہم کر دیتے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر وحشی نے چھپ کر حملہ کیا، سو گا مارا ہوا

نیزہ ان کی ناف سے پار نکل گیا، آپ شہید ہو گئے تو ہندہ نے نعش کا مثلہ کیا، کان اور ہونٹ کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال لیں اور ان اعضاء کا ہار بنا لیا۔ (۸)

پانسہ پلٹ گیا

غرضیکہ مسلمان شہادت کا متوالا اور ایمانی جذبات سے سرشار تھا وہی سرشاری اور شجاعت کا نتیجہ تھا کہ مشرکین میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی عورتیں جو مردوں کو غیرت دلانے کے لئے ساتھ آئی تھیں وہ بھی پائنچے اٹھا کر بھاگتی نظر آ رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے اور دشمن میدان سے سر پھیر گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ دشمن کی ایک چال تھی ایسی چال جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا مجاہدین اسلام بھاگتے ہوئے دشمن کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ غضب یہ ہوا کہ عینین کی پہاڑی پر جو پچاس تیر انداز تھے وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ گئے وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید اور قول و قرار یاد کراتے رہ گئے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ خالد بن ولید جو اس وقت حضرت خالد نہ تھے وہ موقع کی تاک میں تھے جب انہوں نے پہاڑی چوٹی کو خالی دیکھا تو چکر کاٹ کر پیچھے سے زوردار حملہ کر دیا انہیں دیکھ کر شکست کھاتے ہوئے مشرکین بھی واپس پلٹ آئے اور مسلمان گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے ایسی افراتفری پھیلی کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرانے لگیں۔ اللہ کے نبی کے حکم کی خلاف ورزی جیسی بھول جنگ کو شکست میں

بدلہ دیا اور مشرکوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے شمع دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا عہد کر لیا۔ اور وہ یورش کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت آپ کو ایک پتھر آ کے لگا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید ہوا، اور ہونٹ کٹ گیا۔ ایک پتھر سر پر لگا جس نے پیشانی لہولہان کر دی، آپ چہرۂ اقدس سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: "وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے تر کر دیا، جو ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا تھا"

خود کی کڑیاں اندر دھنس گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر اتنے زور سے کھینچا کہ کڑی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا۔ دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔

حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا۔ وہ آنکھ ایسی اچھی ہو گئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔ (۱)

بے مثال جانثاری

غرضیکہ محبت اور جانثاری کی ایسی مثالیں غزوۂ احد میں قائم ہوئیں جن کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ جب آپ پر مشرکوں نے

ہر طرف سے حملہ کر دیا تو آپ نے فرمایا: "کون ہے جو میرے لئے اپنی جان فروخت کرتا ہے"

تقریباً دس جاں نثار آپ کے سامنے آ گئے اور سب ایک ایک کر کے شمعِ رسالت پر قربان ہو گئے

پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ساری انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا ۔ (۱۱)

حضرت ابو دجانہ نے آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور تیروں کی بارش اپنی پشت پر روک لی ۔ ان کی پیٹھ چھلنی ہو گئی مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی ۔

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ آپ کی حفاظت کے لیے لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے قریب لے آؤ ۔ لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپ کے سامنے لٹا دیا اور ان کی جان اس حالت میں نکلی کہ ان کے رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے یوں عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سامنے کھڑے ہو کر دشمن پر تیر چلاتے رہے آپ ایک ایک تیر ان کو اپنے دستِ مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد فرماتے ارم فداک ابی و امی تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں اسی طرح تیر چلاتے رہو

خوفناک افواہ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخلص اور با وفا جاں نثاروں میں سے تھے جن کی تلاش میں فلک کو برسوں سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔ اسلامی جھنڈا ان کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔ ابن قمیئہ نے ان پر ایسا اوچھا وار کیا جس سے ان کا دایاں ہاتھ کہنی سے کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں اٹھا لیا ابن قمیئہ نے گھوڑا پھیر کر دوسری جانب حملہ کیا تو بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسر سے جھنڈے کو تھام کر سینے سے چمٹا لیا۔ ابن قمیئہ کے غضب کی حد نہ رہی کہ یہ شخص جھنڈا گرنے ہی نہیں دیتا اس نے زور سے نیزے کو سینے میں اتار دیا حضرت مصعبؓ گرنے لگے تو ان کے بھائی ابو الرومؓ نے بھائی کو تو گرنے دیا لیکن اسلامی جھنڈے کو گرنے نہ دیا بلکہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔ ابن قمیئہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا، وہ چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس خوفناک افواہ نے مسلمانوں کو تین طرح کی جماعتوں میں تقسیم کر دیا ایک وہ تھے جو ہمت ہار بیٹھے اور ان کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ

دوسرے گروہ تھے جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینے کا کیا مزہ۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے انہیں جب کچھ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہید کر دیئے گئے ہیں تو بولے پھر ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ ارے آؤ ہم بھی اپنے محبوب کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ تلوار سونتے ہوئے مردانہ وار جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ مجھے اُحد کے سامنے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ اتنی بے جگری سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ بالآخر شہادت کا تاج پہن کر آقا سے پہلے عالم بالا میں پہنچ گئے۔

شہداء کو جمع کیا گیا تو ان کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ لاش کا پہچاننا مشکل تھا۔ جسم پر تلوار اور تیر کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ بہن نے انگلیوں کے پوروں سے دیکھ کر شناخت کیا کہ میرا بھائی ہے۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو آہنی دیوار بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا رہا۔

اس افواہ اور اس کے عمل اور ردِ عمل کے حوالے سے یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

(حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ محافظوں کے حصار میں تھے پھر لوگوں کو جب آپ کی موجودگی کی خبر ملی تو وہاں جمع ہونے لگے۔
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نعرہ لگایا مسلمانو! ہمارے آقا زندہ وسلامت ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں میں دوبارہ جان پیدا ہو گئی۔
ابوسفیان نے پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو سنا کر نعرہ لگایا "لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم" (ہمارے پاس عزّٰی دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزّٰی نہیں)
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ نے جواب دیا:
"اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" (اللہ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں)

کیسے لوگ تھے وہ

ابوسفیان یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ بعد میں اسے خیال آیا کہ میرا لوٹنے کا فیصلہ غلط تھا۔ لوگوں نے بھی طعن کی کہ ہمیں مسلمانوں کی سرکوبی کا بڑا اچھا موقع ملا تھا لیکن ہم نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔
دوسری جانب اتوار کی صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگ دشمن کے تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ اس جنگ میں وہی ساتھ جا سکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا۔
اللہ اکبر! کیا عجیب حکم تھا اور کیسے حالات میں یہ حکم تھا

صورت یہ تھی کہ ستر شہیدوں کو ابھی کل ہی دفن کیا ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جسے زخم نہ لگا ہو اور وہ اس جنگ سے متاثر نہ ہوا ہو لیکن اس حکم کی تعمیل میں ہر مسلمان تعاقب کے لئے چل کھڑا ہوا، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جس نے زخموں کا یا تھکاوٹ کا بہانہ کر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا ہو اور یہ زخم خوردہ لشکر چلتے چلتے مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام تک پہنچ گیا اور وہاں اس نے تین دن تک قیام کیا۔ (۱۴۳)

اس تعاقب نے ایک طرف تو مشرکوں پر رعب طاری کر دیا اور دوسری طرف رب کریم نے ان کے ایمان پر مہر ثبت کر دی اور اس نے اپنی لافانی کتاب میں ایثار و وفا کے پیکروں کا ان پرشکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ
الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ اَلَّذِيْنَ
قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۚ فَانْقَلَبُوْا

جن لوگوں نے خدا اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں اگر تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (فتح پد الہ

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۵)

اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یوں لوٹے ہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! جنگ میں فتح یا شکست تو ہوتی رہتی ہے لیکن غزوۂ احد کی عارضی شکست کے باوجود مجاہدین اسلام نے پامردی اور تسلیم و رضا کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کیں ان میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے اتنے پہلو ہیں کہ ہم ان سے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہت کچھ سنوار سکتے ہیں یہ پہلو خاص طور پر پیش نظر رہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل سکتی ہے تو آج جو ہم قدم قدم پر اپنے آقا کی تعلیمات اور ارشادات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور سنتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں تو ہم اپنی ہاری ہوئی جنگ کو فتح میں کیسے تبدیل کر سکتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حوالہ جات

(۱) آل عمران آیت ۱۵۲

(۲) ابن اثیر ص ۲۲۸ - تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۳

(۳) مسعودی تنبیہ الاشراف ص ۲۱

(۴) ابن اسحٰق نقوش رسول نمبر ص ۳۳۳ ج ۱۱

(۵) کامل ابن اثیر ص ۲۳۷ - زاد المعاد ص ۱۹۹ ج ۲

(۶) حفیظ جالندھری، شاہنامہ ص ۲۰۰ ج ۳

(۷) ابن حزم جوامع السیرۃ ص ۱۶۲ ج

(۸) سیرت ابن اسحاق نقوش رسول نمبر ص ۳۵۱ ج ۱۱

(۹) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۳۲۸

(۱۰) سیرت ابن ہشام ص ۸۲ ج ۲

(۱۱) ابن ھشام ص ۹۹ ج ۲ زاد المعاد ص ۳۵۰ ج ۱

(۱۲) ابن ھشام ص ۸۱ ج ۲

(۱۳) ابن ھشام ص ۸۳ ج ۲

(۱۴) سیرت مصطفیٰ کاندھلوی ص ۲۰۰ ابن اثیر ص ۲۲۳

(۱۵) آل عمران آیت ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۵

غزوۂ خندق

اُڑھا دی چادرِ حیرت فلک پر اس نظارے نے
لیا دستِ مبارک میں کدال اللہ کے پیارے نے
زبانِ پاک سے اللہ اکبر کی صدا نکلی
لگائی ایک ضرب ایسی کہ پتھر سے ضیا نکلی
یہ نظارے فتوحاتِ ممالک کے اشارے تھے
نبی کے ہاتھ سے سب کام قسمت کے سنوارے تھے

(حفیظ جالندھری)

"غزوۂ خندق کے اصل محرک یہود تھے جو اس تک سبب جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں سب آگے تھے لیکن خفیہ رہ کر بھی پیچھے تھے۔

اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یہود کی ذلت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی مذمت تھی۔ سب سے بڑی خوش حالی یہود کے لیے عروج و فخر کا باعث تھا۔ اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے آئینے میں انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔

دیکھ لیجیے میرے مسلمان بھائیو! آج کے یہودی بھی بالکل ویسی ہی ذہنیت رکھتے ہیں۔ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے، آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ وقت بدلا ہے، بشر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، بستیاں بدلی ہیں، راہیں بدلی ہیں، لباس بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی۔ ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔"

غزوۂ خندق

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاۗءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (۹)

اے ایمان والو! یاد کرو احسان
اللہ اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر
فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا
اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں
اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

میرے بزرگو اور دوستو! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت بیان کر رہا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ آپ کی پاک سیرت کے سننے سنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پاک ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آپ کی سیرت نور کا شمع ہے، اس کے سننے سنانے سے، اپنانے سے اور عمل کرنے سے نور پھیلتا ہے۔ شہروں میں نور بازار ہوا

میں نور، گلیوں میں نور، گھروں میں نور، زندگیوں میں نور، دلوں میں نور، آنکھوں اور کانوں میں نور — ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے
آپ کی سیرت مشک و عنبر اور عود سے کہیں زیادہ قیمتی خوشبو ہے اس خوشبو کے تذکرہ سے پھولوں کو خوشبو حاصل ہوتی ہے اور گلشن مہک اٹھتے ہیں
آپ کی صحیح سیرت، اخلاص کے ساتھ بیان کرنے سے کم ہمت باہمت ہو جاتے ہیں، بزدل بہادر بن جاتے ہیں، بے عمل باعمل بن جاتے ہیں، کنجوس سخی بن جاتے ہیں، مردہ زندہ ہو جاتے ہیں، موت سے ڈرنے والے موت سے آنکھیں لڑانے لگتے ہیں
اس لئے آپ کی سیرت بار بار پڑھنی چاہیئے، بار بار سننی چاہیئے اور بار بار سنانی چاہیئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے واعظوں اور خطیبوں نے میرے آقا کی سیرت کو بھی ناول اور افسانہ بنا دیا ہے یہ لوگ میرے آقا کی سیرت میں من گھڑت روایتوں اور جھوٹی حکایتوں کی پیوندکاری لازم سمجھتے ہیں۔ کیسے لوگ ہیں جو ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگاتے ہیں، مشک اور عنبر کو خوشبودار بنانے کے لئے اس میں سرسوں کا تیل ملاتے ہیں، گلاب کے پھولوں کی مالا میں کیکر کے کانٹے بھی ڈال دیتے ہیں کئی ایسے پیٹ کے پجاری ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے، شہد کھانے اور میٹھا پسند کرنے کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جان لڑانے، تکلیفیں اٹھانے، پتھر کھانے اور زخمی ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کا بیان کرتے ہیں، آپ کے رخساروں کا بیان

کرتے ہیں۔ آپ کی رنگت کا بیان کرتے ہیں لیکن آپ کی تلوار کا بیان نہیں کرتے۔ آپ کی ڈھال کا بیان نہیں کرتے، آپ کے نیزوں کا بیان نہیں کرتے، آپ کی جنگی سواریوں کا بیان نہیں کرتے۔

چند جھلکیاں میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آقا کے تمام غزوات کا تذکرہ کروں لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ لوگ سن سن کر اکتا نہ جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سالہ مدنی دور میں ستائیس جنگوں میں خود حصہ لیا اور ساٹھ لڑائیوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا گویا صرف دس سالہ مدنی دور میں ستاسی جنگیں ہوئیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سال کم از کم آٹھ جنگیں ہوتی تھیں۔ اب آپ خود سوچیے کہ ان میں سے کس کس جنگ کا تذکرہ کیا جائے؟

لہٰذا آپ لوگوں کو اکتاہٹ سے بچانے کے لیے ان میں سے صرف چند غزوات کے تذکرہ پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں اور ان غزوات کی بھی پوری تفصیل بیان نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کی چند جھلکیاں دکھا رہا ہے اور ان کا مقصد بھی یہ ہے کہ سوئے ہوئے مسلمان کو بتاؤں کہ وہ آقا جس کے نام کی برکت سے تجھے مسلمان ہونا نصیب ہوا اور وہ صحابہؓ جن کی بدولت تم تک ایمان کی روشنی پہنچی ان کا کردار کیا تھا، ان کے شب و روز کیسے تھے، ان کے اندر کتنی شجاعت، کتنی غیرت اور کتنا ایثار تھا، وہ جذبہ جہاد سے کیسے سرشار تھے، وہ شہادت کے کیسے متوالے اور دشمنان دین سے ٹکرانے کے کیسے مشتاق تھے۔

غزوۂ خندق یہی جھلکیاں دکھانے کے لیے غزوۂ بدر اور

غزوۂ احد کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ اور آج کی نشست میں، میں آپ کے سامنے غزوۂ خندق کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اسے غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ کئی جماعتیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئی تھیں۔ اور یہودیوں، مشرکوں اور ان کے حلیفوں نے مل کر اسلام کی شمع گل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور اسے غزوۂ خندق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر خندق کھود کر مدینے کی حفاظت کی گئی تھی۔

غزوۂ خندق کے اصل محرک یہود تھے جو کبھی بھی میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آتے تھے بلکہ پس پردہ سازشوں میں لگے ہوئے تھے   اور یاد رکھیے میرے مسلمان بھائیو! کہ آج کے یہودی بھی ریشہ دوانیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے، یہ آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ وقت بدلا ہے۔ شہر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، مواصلاتی ذرائع بدلے ہیں، نسلیں بدلی ہیں، زبانیں بدلی ہیں، رسم و رواج بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی۔ ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت یہود کی ذلت کی نشانی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی ذلت تھی۔

مسلمانوں کی خوشحالی یہود کے لیے غم و غصے کا پیغام تھی۔

ان کی مذہبی سیادت ختم ہو کر رہ گئی تھی

ان کی معیشت تباہ ہو چکی تھی۔

اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے نتیجے میں انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا تھا۔

انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کا قلع قمع نہ کیا گیا تو پھر ان سے نمٹنا ناممکن ہو جائے گا گویا اب یا پھر کبھی نہیں کی صورت حال تھی۔

انہوں نے سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لیے اپنی بند تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔

مکہ کے مشرک تو پہلے ہی جلے بھنے بیٹھے تھے وہ اپنے سرداروں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے موقع کے منتظر تھے

یہود نے بھڑکانے اور للچانے کا ہر طریقہ اختیار کیا۔ اسی طرح قریش کو، بنو غطفان کو، بنو سلیم اور فزارہ سب کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کر لیا۔

دفاعی تیاریاں

سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے دفاعی تیاریاں شروع فرما دیں۔ آپ نے اپنی سنت اور دستور کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کفار کی متحدہ طاقت کا کیسے مقابلہ کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو ایران کے رہنے والے تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول۔ ہمارے ہاں ایران میں ایسے موقع پر خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا جاتا ہے۔ جب کہ ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ خندق کھودنے کا حکم بذاتِ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالی تھی۔

بہر حال کچھ بھی کہیں، آخری فیصلہ یہی ہو کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے بجائے مدینہ کے اندر رہتے ہوئے ہی دفاع کیا جائے اور خندق اس طرح کھودی جائے کہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے صورت یہ تھی کہ مدینہ کے تین اطراف تو قدرتی طور پر محفوظ تھے اسلئے کہ کھجوروں کے گھنے باغات اور قلعہ نما مکانات نے تین جانبوں کو گھیرا ہوا تھا، ادھر سے دشمن داخل نہیں ہو سکتا تھا، مدینہ کی صرف شمالی سمت کھلی ہوئی تھی وہاں سے دشمن آسانی سے داخل ہو سکتا تھا آپ نے اس مقام پر خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا یہ خندق معمولی نہیں تھی بلکہ پانچ ہزار گز لمبی، سات گز گہری اور نو گز چوڑی تھی، دس دس آدمیوں نے چالیس چالیس گز خندق تیار کی تھی"

ایمانی طاقت

بعض روایتوں میں ہے کہ صرف چھ دنوں میں صحابہ کرام نے یہ خندق تیار کرلی تھی

حیرت ہوتی ہے کہ پتھریلی زمین تھی، سخت سردی تھی، بھوک اور افلاس تھا، نہ کوئی مشین اور نہ ہی سابقہ تجربہ تھا پھر ایسی طویل عریض اور عمیق خندق اللہ کے بندوں نے اتنے مختصر وقت میں کیسے تیار کرلی، آپ جتنا بھی غور کرلیں بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ صرف ایمانی طاقت تھی جس کی وجہ سے وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہوگئے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ایمانی جذبے سے سرشار ہوکر یہ شعر پڑھتے تھے۔

(۲۹)

نحن الذین بایعوا محمدا   علی الاسلام ما بقینا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے بیعت اسلام کی ہے۔

بہار ہو یا خزاں امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، غربت ہو یا ثروت ہم ہر حال میں وہ ہر مقام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کا ساتھ چھوڑنے والے کہاں تھے خندق کھودنے میں، پتھر توڑنے میں اور مٹی ہٹانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ بخاری کی روایت ہے کہ کام کرتے کرتے سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔ (۷)

پیروں کا پیر | ہاں میرے دوستو! میرے آقا پیروں کا پیر تھا لیکن وہ جہد و ایثار والا پیر تھا۔ محبت اور پیار والا پیر تھا جہاد محنت اور عمل والا پیر تھا وہ مریدوں کے دکھ درد میں شریک ہونے والا پیر تھا

صحابہ ہنستے تھے، میرے آقا بھی ہنستے تھے، صحابہ غمگین ہوتے تھے میرے آقا بھی غمگین ہو جاتے تھے، صحابہ سیر ہو کر کھانے کھاتے میرے آقا بھی کھا لیتے تھے، صحابہ بھوکے ہوتے تھے میرے آقا بھی بھوکے رہتے تھے۔

بعض صحابہ جو خندق کی کھدائی میں شریک تھے نہیں بھوک نے ستایا تو کمر سیدھی کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے اور جب معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا تو، نبی آقا کے حضور بھوک کی شکایت کی، آقا نے اپنے جانثاروں کا حال سنکر شرماتے ہوئے بھی پیار از فاش کر دیا اور دامن اٹھا دیا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آقا نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لئے دو پتھر

ساتھ ہوگئے تھے (۹۱)

جب آپ نے اپنے صحابہ کو جوش خروش میں اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ بھی بلند آواز میں رجز کے یہ اشعار پڑھنے لگے

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اے خدا! اگر تیرے سوا کہاں سے ہدایت مل سکتی تھی (تیری توفیق نہ ہوتی) تو ہم نماز کیسے پڑھتے زکوٰۃ کیسے دیتے

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

تو اے اللہ ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

ان الاولیٰ قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

یہ دشمن ہم پر ظلم سے چڑھ آئے ہیں، یہ فتنہ گری چاہیں تو ہم انکار کرتے ہیں (۹۲)

عظیم سپہ سالار

میرے آقا ﷺ نہایت ہی عظیم سپہ سالار تھے اور اس کا ثبوت دیکھنا ہو تو غزوات کا گہری نظر سے مطالعہ کیجیے اسی غزوہ کو دیکھئے جو انتہائی ناموافق حالات میں ہو رہا تھا ایک طرف عرب کے اکثر مشرکوں اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ، مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے دعوے دوسری طرف افلاس اور بھوک، تیسری طرف باد صرصر کے طوفانی تھپیڑے چوتھی طرف باہر کے دشمنوں کے ساتھ اندر کے دشمن یعنی یہود بنو قریظہ کی طرف سے شرارتوں اور منافقوں کا خوف یہ وہ ہولناک حالات تھے جن میں میرے آقا سپہ سالاری فرما رہے تھے اور آپ کی

سارے منظر پر گہری نظر تھی، آپ نے نئی روحانیت سے اپنی ذہانت سے اور اپنی محنت سے کچھ ایسا جادو جگایا کہ مشکلات کے باوجود اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو ٹوٹنے نہ دیا اور آپ جانتے ہیں کہ جب انسان کا حوصلہ بلند ہو تو وہ دشواریوں کے باوجود منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے

حضرت ذکی کیفی مرحوم خوب کہہ گئے ہیں

سنگ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزل ابھی نہیں تو مرے حوصلوں میں ہے

آپ نے صحابہؓ کی سوچ کا رخ بدل دیا اور ان میں عقابی روح پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان کی نظریں بہت اونچی ہو گئیں اور بالکل وہی صورت پیدا ہوئی تھی جو اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

آپ نے جب بعض لوگوں کو بھوک اور مشقت سے پریشان دیکھا تو فرمایا

لا عیش الا عیش الآخرۃ : زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے

اللھم انصر الانصار والمھاجرۃ : اے اللہ انصار و مہاجرین پر رحم فرما ۱۰۶

یہ معلوم ہوتا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سوچ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل کر دی اور سمجھا دیا کہ صبر کرو اور تم دنیا پر نہیں آخرت پر نظر رکھو۔

یہاں کی بھوک پیاس برداشت کر لو آخرت کی عیش و عشرت تمہارے لیے مخصوص ہو گی

اور اصل عیش و عشرت تو آخرت کی عیش و عشرت ہے،
دنیا کی عیش و عشرت کا کیا ہے، آج ہے کل نہیں
دنیا کی تو ہر چیز زوال پذیر اور عارضی ہے
یہاں کی ثروت بھی عارضی، یہاں کی غربت بھی عارضی،
یہاں کی صحت بھی عارضی یہاں کی بیماری بھی عارضی،
یہاں کی جوانی بھی عارضی یہاں کا بڑھاپا بھی عارضی،
یہاں کی بہار بھی عارضی یہاں کی خزاں بھی عارضی،
یہاں کی خوشی بھی عارضی یہاں کی غمی بھی عارضی،
مت شکوے کرو یہاں کی بھوک کے، آخرت پر نظر رکھو۔

سچی پیشگوئی

بلکہ میں محمد تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسی دنیا میں تمہارا فقر و فاقہ دور ہو کر رہے گا، دولت کی وہ ریل پیل ہوگی کہ کوئی لینے والا باقی نہیں رہے گا۔

ارے گھبراتے کیوں ہو؟ وہ وقت آنے والا ہے جب تم قیصر و کسریٰ کے تاج اچھالو گے اور تخت روند ڈالو گے۔ یہ تم نظر اٹھا کر طرف یہودی تمہارے پھٹے ہوئے لباسوں اور فاقہ زدہ چہروں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر میری نظریں اس وقت کو دیکھ رہی ہیں جب اس جہاد و ایثار کی برکت سے تمہارے ہاں دولت کے انبار ہوں گے اور یہودی اور مشرک بھکاری بن کر تمہارے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کھدائی میں مصروف تھے، کھودتے کھودتے جب وہاں کی جڑ تک پہنچے تو وہاں سفید رنگ کی گول گول چٹان سامنے آگئی وہ اس قدر

سخت تھی کہ کدالیں ٹوٹ گئیں ۔ بالآخر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سچوں کے سچے پیروں کے پیر، آقاؤں کے آقا اور سپہ سالاروں کے سپہ سالار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر بندھے ہوئے تھے کدال ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی تو ایک چمک کے ساتھ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا۔ صحابہ نے بھی یہی نعرہ لگایا دوسری ضرب سے پھر چمک ہوئی اور مزید تہائی حصہ گر گیا پھر سب نے مل کر اللہ اکبر فرمایا، تیسری ضرب سے چٹان پاش پاش ہو گئی اور پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا گیا۔ آپ نے فرمایا میرے جانثارو! پہلی چمک میں مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں میں نے حیرہ کے سرخ محلات کو دیکھا دوسری چمک میں فارس کی چابیاں عطا کی گئیں اور میں نے اس چمک میں مدائن کے قصر ابیض کو دیکھا، تیسری چمک میں مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور میں یہاں کھڑا ہو کر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں، جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی اس کے بعد آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کے محلات کی تفصیل بتائی حضرت سلمان نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[۱۳]

محترم سامعین! قصر ابیض کا معنی ہے سفید محلات۔ عجیب تعلق دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی سپر پاور کے

شاہی محل کا نام بھی وحدت اسلامی کی داستان سنا رہا ہے بجے
کہ شاہی محل کا آدمی بادشاہ ملازم ہے
رہے سوتے ہوئے مسلمان، گرما گرمی کے مسلمانوں نے جہاد
کی برکت سے وحدت اسلامی کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا تو آج
کے مسلمان بھی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان
میں ایمان اور جذبۂ جہاد ہو۔

کفر و شرک کی آندھی

کئی دن کی مسلسل محنت اور مشقت کے بعد مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو کفار کے لشکر فوج در فوج پہنچنا شروع ہو گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کفر و شرک کی کالی آندھی ہے جو چاروں طرف سے امڈ کر آ رہی ہے ہر قبیلہ اور ہر گروہ پورے ساز و سامان اور شان و شوکت سے آ رہا تھا۔ صرف قریش اپنے ساتھ تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ لے کر آئے تھے!

سارے گروہوں کو ملا کر کل لشکر کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ اتنا بڑا لشکر مدینہ والوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا یہ لشکر کوئی عام جنگ لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے آیا تھا۔

لشکرِ کفار نے خندق دیکھی تو دنگ رہ گئے۔ یہ ان کے لیے غیر متوقع صورت حال تھی وہ تو دندناتے ہوئے آئے تھے کہ طوفان بن کر بلا روک ٹوک مدینہ میں داخل ہوں گے، آندھی بن کر چھا جائیں گے اور زیر و زبر کر کے شہرِ رسول ﷺ کے در و دیوار ہلا دیں گے۔

حکمت مومن کی متاعِ عزیز

لیکن سپہ سالار اعظم کی حکمت اور تدبیر نے ان کے ارادے خاک میں ملا دیئے آپ نے دفاع کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جو فارس والے استعمال کیا کرتے تھے اور ایسا کر کے آپ نے سمجھا دیا کہ لوگو! حکمت و دانائی کی بات جہاں سے بھی ملے اور جس سے بھی ملے اسے قبول کر لو اس لیے کہ حکمت تو مومن کی متاعِ عزیز ہے چاہے حکمت امریکہ میں ہو یا افریقہ میں، ہند میں ہو یا چین میں اسے حاصل کر لینا چاہیئے۔

حیرت کی بات ہے کہ آج کے مسلمان نے یورپ والوں سے غلاظت، کثافت، خیانت، رذالت و رخباثت تو سیکھ لی ہے لیکن سائنس اور حرب و ضرب کے میدانوں میں انہوں نے جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اس نے نہیں سیکھے

اللہ کے بندے! کبھی تو وہ وقت تھا کہ تیری تدبیریں بڑے بڑے جغادریوں کو دنگ کر دیتی تھیں اور آج وہ وقت ہے کہ دوسروں کی سازشیں اور تدبیریں تجھے مبہوت کر دیتی ہیں۔ مسلمان کے ہاتھ سے ایمان اور جہاد کی رسی کیا چھوٹی ہے سب کچھ ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ ذہانت چھوٹ گئی، حکمت چھوٹ گئی، جرأت چھوٹ گئی، شجاعت چھوٹ گئی، غیرت چھوٹ گئی، خلافت چھوٹ گئی، سلطنت چھوٹ گئی، عزت چھوٹ گئی۔

ہلا دینے والے شب و روز

لشکرِ کفار نے جب دیکھا کہ مدینہ میں داخل ہونے کا تو کوئی راستہ نہیں تو انہوں نے خندق کے اس پار ہی پڑاؤ ڈال دیا اور

مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار مسلمان مجاہدین نے اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں۔ ایک گروہ مدینہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ منافقین اور بنو قریظہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھا۔ تیسرا اور سب سے بڑا گروہ حملہ آوروں کے بالمقابل ڈٹا ہوا تھا۔ یہ بڑے مشکل دن اور بڑی کٹھن راتیں تھیں۔ سردیوں کی طویل اور ٹھنڈی راتیں مسلمان جاگ جاگ کر گزار رہے تھے۔ ہر وقت حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ کبھی خبر آتی کہ خالد بن ولید حملہ آور ہوا چاہتے ہیں، کبھی افواہ اڑتی کہ عمرو بن عاص پیش قدمی کر رہے ہیں، کبھی شور اٹھتا کہ ابوسفیان خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان افواہوں نے دن کا سکون اور رات کی نیند حرام کر دی تھی۔ کچھ فوجیں مدینہ کے بالائی حصے میں تھیں اور کچھ مدینہ کے نشیبی حصے میں تھیں اور دونوں ہی موقع پاکر یلغار کرنے کی فکر میں تھیں۔

قرآن کا بیان

اس ساری صورتحال نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ایک سخت امتحان سے دوچار ہو گئے۔ کتنے ہی لوگ تھے جو کافروں کی جمعیت اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ منافقین نے تو صاف کہنا شروع کر دیا۔ ہمیں تو اللہ کی نصرت کی خبر دی گئی تھی وہ سب فراڈ تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پہ کدال مارتے ہوئے شام، ایران اور یمن پر مسلمانوں کے غلبے کی بشارتیں دیں تو منافقین نے خوب مذاق اڑایا کہ کھانے کو ملتا نہیں ہے اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران کا

اور شام کے مت ہی محلات کے! اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق کے اس سارے منظر اور منافقین کی یاوہ گوئی کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر دس، گیارہ اور بارہ میں ہے:

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ (۱۲)

جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا۔

انصار کی ثابت قدمی

ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور خصوصاً انصار کی مشکلات کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ قبیلہ غطفان کے سرداروں کے ساتھ سالانہ ایک تہائی پھل پر صلح کر لی جائے۔ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی خبر ملی تو انہوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب ہم کفر و شرک کی نجاست میں آلودہ تھے اس وقت بھی ہم نے ان کو کبھی ایک چھوہارہ تک نہیں دیا آج جب ہمیں

اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف فرمایا ہے ہم انہیں اپنی پیداوار کا ایک تہائی کیسے دے سکتے ہیں ان کے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۲۳)

آپ کفار کے محاصرے کی سختی اور ان کی چھاپہ مار کارروائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا کی جا سکتی ہے لیکن نماز میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد قضا نہیں کیا جا سکتا

غیر متوقع مدد

محاصرہ کے بیس پچیس دن گذر گئے اللہ کے نبی سخت متفکر اور حیران تھے آپ کو اپنی نہیں بلکہ پیروکاروں کی پریشانی تھی، سخت سردی تھی، غذا کمیاب تھی، ہر طرح تنگی تھی، دشمن کی چھاپہ مار کارروائیاں جاری تھیں۔ آپ گریہ بھی کیا کرتے، آپ کا آخری سہارا اللہ تھا اور اسی سے دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا اللہ تعالیٰ نے ایک غیر متوقع مدد یہ فرمائی کہ قبیلہ غطفان کے ایک سردار نعیم بن مسعود کا دل پھیر دیا اس نے چپکے سے ایمان قبول کر لیا اور اپنے کو ہر طرح کی خدمت کے لیے پیش کر دیا آپ نے فرمایا تم کسی طرح دشمن میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ تو نام ہی حیلہ اور تدبیر کا ہے چنانچہ نعیم نے ایسی چال چلی کہ یہود قریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ دوسری طرف ہوا کی تیز آندھی چلی جس سے دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں سواریاں بدک گئیں، چولہے الٹ گئے، ایسا لگتا تھا جیسے طوفان اٹھا کر مشرک ہمت ہار بیٹھے ابوسفیان نے مکہ واپسی کا اعلان کر دیا (۱۲۴)

کائنات کے سردار نے خوشخبری سنائی کہ مسلمانو دشمن کی چڑھائی کا آخری موقع تھا اب ہم ہی حملہ آور ہوں گے، دشمن کو حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوگی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آندھی کی صورت میں اپنی مدد کا خوب ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر نو میں ہے:

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (۹)

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا۔

یہ غزوہ مجھے اور آپ کو یہ سبق دیتا ہے کہ جو مومن بندے آزمائش میں پورے اترتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ایسے طریقے سے غیبی مدد فرماتا ہے جس کی انہیں بھی کوئی توقع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر آزمائش میں پورا اترنے کی اور اس کی نصرت کا مستحق بننے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

حوالہ جات

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۹

(۲) طبری ص ۲۳۳ ابن ہشام ص ۲۲۹ ج ۲

(۳) طبری ص ۲۳۳ ج ۲ بیروت لبنان

(۴) سیرت احمد مجتبیٰ کے اولیٰ سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۴۸

(۵) تذکرہ دیار حبیب ترجمہ وفاء الوفاء سمہودی ص ۳۲۵

(۶) صحیح بخاری ص ۵۸۸ ج ۲

(۷) صحیح بخاری ص ۵۸۹ ج ۲

(۸) مدارج النبوۃ شیخ عبد الحق ص ۲۲۹

(۹) صحیح بخاری ص ۵۸۹ ج ۲

(۱۰) مشکوٰۃ ص ۳۳۸ ج ۲

(۱۱) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۲۵ ج ۱

(۱۲) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۲۵ ج ۱

(۱۳) سورۃ الاحزاب آیت ۱۰ - ۱۱ - ۱۲

(۱۴) سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۳

(۱۵) صحیح مسلم۔ باب غزوات احزاب

صُلحِ حُدیبیہ

متحد ہو کے ظلمت نے ضیا کو روکنا چاہا
غبارِ دود نے موجِ صبا کو روکنا چاہا
مرض نے تند خو ہو کر دوا کو روکنا چاہا
شعلے کے رو برو ہو کر شفا کو روکنا چاہا
خس و خاشاک نے سیلِ فنا کو روکنا چاہا
دلِ ناپاک نے نورِ خدا کو روکنا چاہا

(حفیظ جالندھری)

۲۸ سہیل احمد سے کہ ساتھیوں کی درشتگی اور اکھڑ مزاجی کے
معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ
فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ ہر وقت جوش ہی ضروری
نہیں، بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش
کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ صرف مار دھاڑ اور حملہ و تکبیر ہی کی باتیں
کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے کچھ بھی ہی جوشیلے
بن جاتے ہیں کہ سوائے نعرے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے

بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں، وہ جب
نعرے لگاتے ہیں قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو لیڈر صاحب
واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر حاجت بھی پیش آگئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ
ہی رہیں گے لیکن پھر جب وقت آتا ہے کہ . . .

صلح حدیبیہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ	تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ	جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے
فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ	پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا
فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ	پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا
وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۙ	ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں
وَّ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا	جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست
وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝	حکمت والا ۔

حاضرین و سامعین ! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک بیان کر رہا ہوں ۔ لیکن توجہ سے سن لیجئے کہ میرا مقصد محض معلومات کی فراہمی اور اپنے مطالعہ کی وسعت دکھانا نہیں ہے ، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آقاؤں کے آقا ، پیروں کے پیر ، مظلوموں کے معلم ، فاتحوں کے فاتح ، مریضوں کے طبیب ، حبیبوں کے حبیب ، خطیبوں کے خطیب ، سپہ سالاروں کے سالار ، انبیاء کے تاجدار اور انسانوں کے

سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اس طرح بیان کروں کہ خود میرے دل میں بھی آقا سے دو جہاں کی سچی محبت پیدا ہو اور سننے والوں کے دل میں بھی محبت کی شمع روشن ہو

ایسی محبت جو ہم سے گناہوں کو چھڑا دے۔

ایسی محبت جو ہمیں آمادۂ عمل کر دے۔

ایسی محبت جو ہمیں اتباع اور اطاعت کے راستے پر گامزن کر دے۔

ایسی محبت جو ہمارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے۔

ایسی محبت جس کے مقابلے میں ساری محبتیں، ساری الفتیں اور سارے تعلقات ہیچ ہو کر رہ جائیں۔

اسی لیے میں سیرت کی کتابوں کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ سیرت پاک بیان نہیں کر رہا بلکہ ایک ترتیب کے ساتھ سیرت کی چند جھلکیاں اور چند تاریخی واقعات بیان کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں، البتہ جی چاہتا ہے کہ آپ سے درخواست کروں کہ اپنی مصروفیات میں سے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر سیرت کا تفصیلی مطالعہ ضرور کریں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم کا مطالعہ کریں۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی اصح السیر دیکھیں۔ قاضی سلمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین دیکھیں، سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی دیکھیں، مولانا ادریس کاندھلویؒ کی سیرت المصطفیٰ دیکھیں، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی نبی رحمت دیکھیں، شاہ مصباح الدین شکیل کی سیرت احمد مجتبیٰ دیکھیں۔ انشاء اللہ اخلاص اور محبت کے ساتھ سیرت کے مطالعہ سے دل میں ایمان کا نور اور اتباع کا جذبہ پیدا ہوگا۔

اگر آپ اخباروں، رسالوں، ناولوں، افسانوں اور ریڈیو ٹی وی کے لیے وافر وقت نکال سکتے ہیں تو کیا دنیا کے سب سے بڑے انسان کی سب سے زیادہ پاکیزہ اور مؤثر سیرت کے مطالعہ کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

مبارک خواب

محترم حاضرین۔ اپنی خودساختہ ترتیب کے مطابق آج کے اجتماع میں صلح حدیبیہ کا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن اصل واقعہ سے قبل اس کا پس منظر بیان کرنا مناسب ہوگا۔

ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہو رہا ہوں میرے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی ہے۔ صحابہؓ نے بال منڈوا لیے ہیں یا کٹوا لیے ہیں اور سب قربانی کر رہے ہیں۔

آپ نے جب اپنا خواب صحابہ کو سنایا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ عام انسانوں کے خواب سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں، پھر ان کی تعبیر بھی مختلف ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ خواب تو فرحت بخش ہو مگر اس کی تعبیر غم آمیز ہو، ممکن ہے کہ خواب میں ماتم دیکھا ہو مگر اس کی تعبیر عزت کی صورت میں ظاہر ہو۔

خواب میں شادی ہو لیکن ہو جائے بربادی۔

لیکن نبی کا خواب برحق ہوتا ہے البتہ اس کی تعبیر نبی اپنی خداداد صلاحیت اور علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سن کر صحابہ کو یہ تو یقین ہو گیا کہ ہم حرم کعبہ میں داخل ہوں گے لیکن وہ تعبیر میں ٹھوکر کھا گئے انہوں نے سوچا کہ یہ واقعہ اسی سال ظہور پذیر ہو گا۔ اس عجلت میں ان کے شوق کا بھی دخل تھا، کعبہ کو دیکھے ہوئے چھ سال گزر گئے تھے۔ اللہ کے گھر کی یاد ستا رہی تھی، حجر اسود یاد آرہا تھا، صفا مروہ یاد آرہا تھا، آب زمزم کی یاد پیاس کو بھڑکا رہی تھی۔

مکہ مہاجرین کا وطن تھا اور وطن سے محبت کرنا بُری بات نہیں البتہ وطن کی پرستش کرنا بُری بات ہے۔ ورنہ یہ کوئی عام وطن تو نہیں تھا وہ تو مکہ تھا! وہی مکہ جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اٹھائی ہے، وہی مکہ جس کی فضا میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسمٰعیل علیہما السلام اور لاکھوں صلحاء، اتقیاء، اولیاء اور علماء کی دعاؤں کی گونج قیامت تک باقی رہے گی۔

دو باتیں نبی کے خواب کی سچائی پر یقین کرتے ہوئے سب نے عمرہ کی تیاری شروع کر دی۔

ایک عجیب بات ذہن میں آتی ہے وہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا وہ یہ کہ صحابہ کے ایمان کا حال یہ تھا کہ وہ نبی کے خوابوں پر بھی یقین رکھتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حالت بیداری میں آقا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات پر بھی کامل یقین نہیں رکھتے۔

اور ایک اور بات بھی کہہ دوں وہ یہ کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کہیں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ نے اپنے نبی کو یہ کیوں نہ بتا دیا کہ عمرہ اس سال نہیں ہو سکتا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہ بھی سفر

کی مشقت سے بچ جاتے

میرے بزرگو اور دوستو! آپ خود سوچیں اگر یہ سفر نہ ہوتا تو بیعت رضوان کیسے ہوتی؟

صحابہ کو اللہ کی رضا و خوشنودی کا پروانہ کیسے ملتا؟

حضرت عثمانؓ کی فضیلت کیسے ظاہر ہوتی؟

صحابہؓ کی جانثاری کا اندازہ دنیا کو کیسے ہوتا؟

صلح حدیبیہ کیسے ہوتی؟

فتح مکہ کی تمہید کیسے ہوتی؟

یہ سب کچھ اس سفر ہی کی وجہ سے تو ہوا۔

نابینا کا افتخار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے اپنے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا نائب مقرر فرمایا (۲) وہ لوگ جو معذوروں اور نابیناؤں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ خاص طور پر نوٹ فرمالیں کہ کائناتؐ کے آقاؐ جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تو آپؐ نے ایک نابینا کو اپنا نائب مقرر فرما کر یہ امت کو یہ پیغام دے دیا کہ کسی بھی معذور اور نابینا اور کمزور کو حقارت کی نظر سے مت دیکھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکم ذی قعدہ سنہ ۶ھ کو اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ نے ساتھ لے لیے۔ تقریباً چودہ سو صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ عمرہ کے لیے تیار ہو گئے (۳)

ذیقعدہ عمرہ کا مہینہ تھا اور عربوں کا قدیم دستور یہ تھا کہ حرام

باندھ کر مکہ آنے والے کو روکا نہیں جاتا تھا لیکن اپنے قدیم دستور کے برعکس قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر قسم کھائی کہ ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

حدیبیہ میں پڑاؤ انہوں نے تو اپنے خیالی منصوبے کے مطابق مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آٹھ ہزار جانباز بھی جمع کر لیے تھے (۴)۔ لیکن ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جنگ کا خواہی نہیں اسی لیے آپ نے عمداً ایسا راستہ اختیار فرمایا جس میں ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں تھا اور چلتے چلتے آپ حدیبیہ جا پہنچے جب مسلمانوں نے مکہ کی جانب مڑنا چاہا تو اونٹنی قصواء بیٹھ گئی سے ہنکانے کی بڑی کوشش کی گئی مگر وہ ڈٹی لوگوں نے شور بلند کیا کہ قصوء تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا قصوء خود نہیں بیٹھی بلکہ اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو روکا تھا پھر فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کفار قریش مجھ سے جس بات کا بھی سوال کریں گے اگر وہ اللہ کی حرم کی ہوئی چیزوں میں سے ہوئی تو میں ان کی ہر بات منظور کر لوں گا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور اہل مکہ تک یہ بات پہنچا دی کہ ہم صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں لڑائی ہمارا مقصد نہیں بنو ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود جو کہ ابوسفیان کا داماد بھی تھا وہ حالات کے جائزہ کے لیے مسلمانوں کے کیمپ میں آ پہنچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے جانور ادھر ادھر پھر رہے ہیں سے یقین آ گیا کہ مسلمان

لڑنے کے لیے نہیں آئے اور یہ یقین اس نے قریش کو بھی دلانے کی کوشش کی

بے مثال ادب

ساتھ ہی ساتھ اس نے قریش کو بتایا کہ لوگو میں نے قیصر کا دربار دیکھا ہے، میں نے کسریٰ کی شان و شوکت دیکھی ہے میں نے نجاشی کا کر و فر بھی ملاحظہ کیا ہے۔ درباریوں کے ادب احترام کے مناظر بھی میری آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں لیکن سچ کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی بات ہی کچھ اور ہے، میں ادب احترام کے جو مناظر دیکھ کر آیا ہوں ان کی مثال اور کہیں نہیں دیکھی۔ فرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ ہر کوئی دست رو آبرو کا منتظر ہے

محبت ایسی ہے کہ ہر ایک جان قربان کرنے پر تیار،

عقیدت ایسی کہ وضو کا مستعمل پانی اور لعاب دہن بھی زمین پر نہیں گرتا بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اسے اپنے جسم پر مل لیتے ہیں،

ایسی عقیدت و محبت اور ادب احترام بادشاہوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے؟ گویا عروہ نے اشارۃً تسلیم کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مادی دنیا کے بادشاہ نہیں بلکہ روحانی دنیا کے پیشوا ہیں

عروہ نے اپنے لوگوں کو مشورہ دیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشکش انصاف پر مبنی ہے اسے قبول کر لینا چاہیے

آقا کے بغیر طواف نا ممکن

اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ مسلمانوں کا موقف بتانے کے لیے ایک سفیر مکہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ سرداران قریش سے مذاکرات کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آقا کے حکم کی تعمیل میں مکہ تشریف لے گئے تو بعض مسلمانوں کو ان پر بڑا رشک آیا اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عثمان بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں سب سے پہلے بیت اللہ کے طواف کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اللہ کے نبی اپنے ایک ایک جانثار کو اچھی طرح جانتے تھے اپنی سی پرکھ اور تجربے کی بنا پر آپ نے فرمایا نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جب تک میں طواف نہ کروں، عثمان بھی طواف نہیں کریں گے۔

ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے اور ادھر قریش کی جانب سے انہیں پیش کش ہو رہی تھی کہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو مگر آپ نے دو ٹوک جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتے میں بھی طواف نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ واضح جواب سن کر قریش سخت برہم ہو گئے اور انھوں نے آپ کو مکہ ہی میں روک لیا

بیعت رضوان

ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں غم و غصہ پھیل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک خون عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں۔ آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ سے بیعت لینی شروع کی۔ ایک ایک کر کے چودہ سو آدمیوں نے بیعت کا شرف

حاصل کیا۔ آخر میں آپ نے اپنے سیدھے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: "یہ عثمان کی بیعت ہے" اسی بیعت کو "بیعت رضوان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اندازہ اور جذبہ جہاد بہت پسند آیا اور اس نے اپنی مقدس اور آخری کتاب میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

بعد میں اطلاع آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور جلد واپس آرہے ہیں۔ اس اطلاع سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی

صبر و تحمل

قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر معاہدہ طے کرنے کے لیے روانہ فرمایا اسے آتا دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسلمانو! اب تمہارا کام سہل (آسان) ہو گیا۔"

گفت و شنید کے بعد معاہدے کی شرائط پر اتفاق ہوا۔ معاہدے کی شرائط سے لے کر معاہدے کی تحریر تک ہر ہر مرحلے میں قریش کے نمائندوں نے بڑی سختی کا مظاہرہ کیا اور ان کی سختی کو دیکھ کر صحابہ کے صبر کا

پیمانہ چھلک چھلک جاتا تھا، لیکن مجسمۂ اخلاق سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بے مثال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور صحابہ کے جذبات کو بھی قابو میں رکھا۔

آپ اندازہ کیجیے کہ معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ دوسری شق یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مشرک مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔

انتہا یہ کہ معاہدہ لکھتے وقت جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم کسی رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے لہٰذا صرف باسمک اللّٰھم لکھو۔ پھر جب محمد رسول اللہ لکھا تو سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو مگر انہوں نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (۱)

بظاہر تو یہ نافرمانی تھی لیکن ایسی نافرمانی جس پر ہزاروں فرمانبرداریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

جوش نہیں ہوش

سہیل اور اس کے ساتھیوں کی درشتی اور اکھڑ مزاجی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ اور ہر وقت جوش ہی ضروری نہیں بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ صرف مار دھاڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی باتیں کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا

ہے۔ آج بھی کئی جوشیلے لوگ ایسے ہیں کہ مرنے مارنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے۔ بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں وہ جب نعرے لگاتے ہیں "قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں" تو لیڈر صاحب واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر پھانسی بھی دی گئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ لیڈر صاحب قدم بڑھاتے بڑھاتے جب پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو سب جوشیلے ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

میرے آقا نے جو معاہدہ کیا تھا وہ بظاہر دب کر کیا تھا لیکن بعد کے مؤرخین اور تجزیہ نگاروں نے تسلیم کیا کہ صلح حدیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجی سیاست کا شاہکار تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو ایک ہم پلہ طاقت تسلیم کرتے ہوئے ان کے ساتھ مذاکرات کیے اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آنے والے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

جذبات کا کڑا امتحان

ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ زخموں سے چور زنجیروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ پہنچ گئے۔ وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور قبول اسلام ہی کے جرم کی وجہ سے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ سہیل نے انہیں دیکھا تو غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا کہنے لگا اے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم، تم اسے پناہ نہیں دے سکتے کیونکہ ہمارے اور
تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو زبانی
بات چیت چل رہی ہے معاہدہ تھا تو نہیں گیا۔ سہیل چیخنے لگا۔
ابو جندل کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ معاہدہ ختم سمجھو۔ مسلمانوں
کے جذبات کا یہ بڑا کڑا امتحان تھا۔ ایک طرف طوق و سلاسل میں
جکڑے ہوئے اسلامی بھائی ابو جندل تھے۔ ان کا زخمی جسم تھا۔
ان کی فریاد کرتی ہوئی زبان تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے اے
مسلمانو! میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں مجھے کیوں دوبارہ درندوں
کے حوالے کر رہے ہو۔ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے

صبر و ایفا۔ میرے بزرگو اور دوستو! آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے آقا کتنے نرم دل تھے۔ آپ تو کسی جانور پر بھی ظلم برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ پر کیا گزری ہوگی جب آپ نے اپنے سچے جاں نثار ابو جندل کو ان کے حوالے کیا ہوگا لیکن آپ نے صبر سے کام لیا اور اپنی امت کو بھی بتا دیا کہ بعض اوقات عظیم تر مصلحتوں کی خاطر جذبات کو دبانا پڑتا ہے۔ جو آدمی اور کارکن ہر وقت اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی فکر میں رہتا ہے وہ خود بھی ڈوبتا ہے اور اپنی پوری قوم کو بھی ڈبو دیتا ہے

صبر کے علاوہ اس قربانی میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما تھا اور وہ تھا ایفائے عہد کا جذبہ۔ اگر آپ ابو جندل کو روک لیتے [illegible] تو ممکن تھا کہ آپ پر وعدہ خلافی کا الزام لگایا جاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک ترین موقع پر بھی جس طرح ایفائے عہد کیا اس نے ساری دنیا

تک ایک درخشاں مثال قائم کر دی۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر ان کی زبانیں خاموش تھیں البتہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے وہ سر جھکائے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپ نے فرمایا میں نبی برحق ہوں۔

عرض کیا کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا ہم حق پر ہیں

عرض کیا پھر ہم یہ ذلت آمیز معاہدہ کیوں قبول کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں، وہی کرتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ میرا عمل ضائع نہیں جائے گا۔

عرض کیا آپ نے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے

آپ نے فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ یہ سب کچھ اسی سال ہوگا۔

اے عمر! غم نہ کرو تم ضرور بیت اللہ کا طواف کرو گے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر جھکا کر واپس چلے آئے لیکن تسلی کا جذبہ نے چین سے بیٹھنے نہ دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا پہنچے اور یہ سارے سوالات ان سے بھی کیے اتفاق سے انہوں نے بھی وہی جوابات دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے جس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نبی اور صدیق میں اس قدر فکری ہم آہنگی ہے کہ جو خیال نبی کے دل میں گزرتا ہے وہی خیال صدیق کے دل پر بھی وارد ہوتا ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کا مسئلہ آپ کو یاد ہوگا کہ جو نبی کی رائے

تھی وہی صدیقؓ کی بھی رائے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقؓ کو نبی کا آئینہ بنا دیا تھا۔ نبی کی صورت و سیرت دیکھنا ہو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو۔ خیالات و جذبات میں ایسی ہم آہنگی تھی جس کی کوئی مثال دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی

احتجاج جب معاہدہ مکمل ہو گیا، گواہوں کے دستخط بھی ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو۔ سر منڈوا لو اور احرام اتار دو۔ صحابہؓ پر حزن و ملال کی کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ دوسری اور تیسری بار اعلان کیا گیا مگر کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ غالباً صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو جائے اور ہمیں عمرہ کرنے کی اجازت مل ہی جائے۔ عمرہ کیے بغیر واپس لوٹ جانا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مکہ کی تاریخ یہ بتاتی تھی کہ دوست ہو دشمن کسی کو بھی عمرہ کرنے سے نہیں روکا جاتا تھا۔ آج پہلی بار قریش نے یہ روایت اور مکہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی طبیعتوں پر ایک تو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنے کا بوجھ تھا دوسری جانب معاہدہ میں انہیں جن ہتک آمیز شرائط کا پابند کر دیا گیا تھا اس کا بھی انہیں سخت غم تھا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود ایک بھی صحابی قربانی اور حلق کے لیے نہ اٹھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا وہ لوگ جو آپ کے حکم پر گردنیں کٹوانے کے لیے آمادہ رہتے تھے وہ آج بال کٹوانے سے جھجک رہے تھے۔ حضورؐ کے حسین چہرے پر

افسردگی چھا گئی جسے اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً محسوس کر لیا۔

میرے آقا کا تو چہرہ ہی ایسا تھا کہ خوشی اور غمی فوراً محسوس ہو جاتی تھی یہ چہرہ قلبی کیفیات کا صحیح عکاس تھا۔

میرے آقا کی ازواج بھی خوب تھیں موقع محل کے اعتبار سے صحیح مشورہ دیتی تھیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں کوئی بات نہیں کی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی میں مزید اضافہ ہو بلکہ عرض کیا کہ صحابہ بھی انسان ہیں پے در پے واقعات نے انہیں صدمہ پہنچایا کہ وہ تو طوافِ کعبہ کی نیت سے آئے تھے اور قریش سے انہیں زیارتِ کعبہ کی بھی اجازت نہیں دی۔ صلح کی شرائط بھی ان کی توقع کے مطابق نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں کچھ کہنے کے بجائے خود اپنے اونٹ کی قربانی کیجئے اور سر بھی منڈوا دیجئے آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔

صحابہ سمجھ گئے کہ اب یہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ وہ اٹھے اور جانور ذبح کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ غم اور عجلت کی وجہ سے کھال کٹ جاتی تھی خون بہنے لگتا تھا لیکن اب ان میں سے ایک بھی آقا کی اتباع سے محروم نہ رہا۔

آقا کے حکم کی تعمیل میں صحابہ سے اگر کچھ تاخیر ہوئی تو وہ جذباتی کیفیت اور حکم میں تبدیلی کی توقع کی وجہ سے تھی ورنہ وہ تو اتباع کے پتلے اور اطاعت کے پیکر تھے اسی لیے اللہ کے نبی نے بھی ناراضگی کا اظہار فرمانے کے بجائے ان کے لیے دعا فرمائی اے اللہ سر منڈانے

والوں کی مغفرت فرما۔ دو دعا آپؐ نے تین بار فرمائی صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے چوتھی بار ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔

تبرک | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر سے اترے ہوئے بال کیکر کے درخت کے نیچے ڈال دیئے۔ صحابہؓ نے دیکھے تو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔

کیا آپ ایسے عقیدت مندوں کے بارے میں سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ اور محبوب و مطلوب کے حکم کی نافرمانی کریں گے وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے لگ جانے والی ہر چیز کو متبرک سمجھتے تھے۔ ان کے لیے آپؐ کا لباس بھی متبرک تھا۔ آپؐ کے نعلین بھی متبرک تھے۔ آپؐ کا لعاب بھی متبرک تھا۔ آپؐ کا استعمال شدہ پانی بھی متبرک تھا۔ آپؐ کے بال بھی متبرک تھے۔ آپؐ کے ناخن بھی متبرک تھے۔ آپؐ کے بالوں کو صحابہؓ نے تبرک سمجھ کر محفوظ کر لیا۔ کسی نے ان بالوں کو شیشی میں ڈال لیا اور وہ اس میں پانی ڈال کر اسے بھی متبرک بنا کر پیتا اور پلاتا تھا۔ کسی نے ان بالوں کو اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت فرمائی۔ کسی نے انہیں اپنی ٹوپی میں سی لیا اور یوں گویا اپنی ٹوپی کو ایسا تاج بنا لیا جو قیصر و کسریٰ کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔

فتح مبین | مسلمانوں نے دو ہفتے حدیبیہ میں گزارے۔ یہ دو ہفتے ان پر دو سالوں سے بھی زیادہ بھاری تھے۔ انہیں زیارتِ کعبہ سے بھی محروم رکھا گیا اور صلح میں ایسی شرائط بھی لگا دی گئی تھیں جو ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھیں۔ اسی لیے بعض لوگ اپنے

آپ کو ناکام اور شکست خوردہ سمجھ رہے تھے لیکن راستے میں سورہ فتح نازل ہو گئی اللہ تعالے نے اعلان فرما دیا

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾	ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلا دے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کے سامنے سورۃ فتح کی تلاوت فرمائی تو وہ حیران رہ گئے کہ اس صلح کو فتح کیسے کہا گیا ہے لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح تھی۔

یہ پہلا موقع تھا جب مشرکین نے مسلمانوں کو برابر کی طاقت تسلیم کرتے ہوئے ان سے مذاکرات کیے

اس صلح کے ذریعے آپ نے دس سال تک کے لیے مشرکین کے ہاتھ باندھ دیئے اب نہ تو وہ خود مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے اور نہ ہی کسی حملہ آور کی مدد کر سکتے تھے۔ اس صلح کے ذریعہ آپ نے قریش اور یہود کو بھی الگ الگ کر دیا ورنہ ہوتا یہ تھا کہ سازش اور سرمایہ یہودیوں کا ہوتا تھا اور بازو قریش کے استعمال ہوتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر قربان جائیے کہ آپ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کے ساتھ امن اور سلامتی کا معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ وہ کھلم کھلا قریش کی امداد نہ کر سکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہود اپنی ناپاک اور سازشی فطرت کے باوجود مسلمانوں کے سامنے نہ آسکے۔

اور جب یہود کی شرارتیں انتہا کو پہنچ گئیں اور ان کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے اور جزیرۃ العرب سے اسلام کا نام و نشان تک مٹا دینے کی سازشیں ظلمت اربار ہوگئیں تو آپ نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ صلح کی زنجیر سے جکڑ دیئے تاکہ وہ یہود کے ساتھ مل کر نہ لڑ سکیں۔

یہ ایک بہت بڑا فائدہ تھا جو صلح حدیبیہ سے حاصل ہوا۔ حج رکی جتنی افرادی طاقت تو بہر حال قریش ہی کے ہاتھ میں تھی اور ان کے ساتھ برسر جنگ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ساری توجہ جنگ پر مرکوز تھی لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جب پُر امن ماحول پیدا ہوا تو آپ نے دعوت کی طرف توجہ مرکوز فرمائی، مختلف سرداروں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ یوں اسلام کی آواز دور دور تک پہنچ گئی۔

اس پُر امن ماحول کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے کفار کا مسلمانوں سے میل جول ہوا اور انہیں مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے اخلاق اور معاملات دیکھ کر بڑے بڑے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت حاتم بن عدی رضی اللہ عنہم اسی زمانے میں مسلمان ہوئے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں:

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ   اور شاید کہ تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٢١٦

بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

انسان کی عقل۔ انسان کی نظر اور انسان کا علم ہر چیز ناقص ہے جبکہ رب کائنات کا علم کامل ہے۔ اس کی نظر ماضی پر بھی ہے حال پر بھی ہے اور مستقبل پر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے انسان جس چیز میں اپنی ذلت سمجھتا ہو اسی میں اس کی عزت ہو اور جسے وہ اپنی شکست سمجھتا ہو وہ اس کی فتح ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی عقل و فکر کو اللہ تعالیٰ کے علم کے تابع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مبارک لوگوں میں سے بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

(۱) مدارج النبوت ص۲۹ سیرت احمد مجتبیٰ

(۲) رسالت مآب ترجمہ روضۃ الاحباب ص۲۰۲ سیرت احمد مجتبیٰ

(۳) صحیح بخاری ص۵۸۶ ج ۲

(۴) سیرت احمد مجتبیٰ ص۲۵۳ بحوالہ صلح حدیبیہ محمد احمد شمیل ص۱۸

(۵)

(۶)

(۷) صحیح مسلم (۸) زاد المعاد۔ حافظ ابن قیم ص۳۲۱ ج ۲

(۹) مدارج النبوت ص۲۴۳ (مجتبیٰ)

غزوۂ خیبر

"خیبر" میں یہودی بھی بڑی کثرت سے رہتے تھے
جو اپنی قوم کو پیغمبروں کی قوم کہتے تھے
ذہانت کے سبب عقل و خرد کو کھو گئے یہ بھی
نبی تشریف لے آیا تو دشمن ہو گئے یہ بھی
غرض یہ لوگ بھی ضدی اور سخت دشمن تھے
دغا باز اور محسن کش تھے اور بڑے فتنی تھے
رسول اللہ کی عظمت کے اگرچہ دل سے قائل تھے
مگر یہ ان کی فطرت تھی عداوت ہی پہ مائل تھے

(حفیظ صالح مدنی)

مدینے سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے ان میں صرف دو سوار تھے باقی سب پیدل تھے، لیکن ان کے جوش و ولولے سرشار تھی، دنیا کی نظر میں یہ عجیب دیوانے لوگ تھے، پھٹے ہوئے لباس، ٹوٹے ہوئے جوتے، زنگ آلود تلواریں، چند میل کا پیادہ سفر، کھانا محدود، ایک کبھی، بالکل ہی مفقود، بقول کسے صورت یہ تھی کہ کبھی تو پتا کھاتے کبھی جنا، مرتا آتا، دشمن سے دو دو ہاتھ ہونے کا امکان، لیکن اس کے باوجود عجیب کیف و مستی ان پر طاری ہو رہی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدان جنگ کی طرف نہیں جا رہے بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔

غزوۂ خیبر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝
لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ
بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ۚ
تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۚ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝
(الحشر - آیت ۱۳-۱۴)

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں
میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ
لوگ سمجھ نہیں رکھتے، لڑ نہ سکیں گے
تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ
میں یا دیواروں کی اوٹ میں، ان کی
لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو سمجھے
وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا
ہو رہے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ
عقل نہیں رکھتے۔

محترم حاضرین و سامعین! اس سے پہلے آپ کے سامنے جن غزوات کا بیان ہوا ہے خواہ وہ غزوۂ بدر ہو، خواہ غزوۂ اُحد ہو یا کہ غزوۂ خندق ہو۔ یہ تمام غزوات اصل میں مشرکین اور عام کفار کے ساتھ پیش آئے۔ اگرچہ یہود در پردہ قریش کی مدد کرتے تھے، لیکن انہیں سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کیونکہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ان کے ساتھ امن و سلامتی کا معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے وہ اس امر کے پابند تھے کہ نہ تو وہ خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں لیکن وعدہ خلافی، عہد شکنی، کہہ مکرنی، خیانت، دغا بازی، جھوٹ اور فراڈ یہود کی فطرت میں داخل تھی۔ اس فطری کمزوری نے انہیں اپنے قول و قرار پر کبھی قائم نہیں رہنے دیا قریش کو اکسانے والے یہود ہی تھے۔

مسلمانوں کو جھوٹے اور مشرکین کو سچے ہونے کی سند دینے والے یہود تھے۔

مہاجرین و انصار میں نفرت و عداوت ڈالنے کی کوشش کرنے والے یہود تھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی تدبیر کرنے والے یہود تھے،

غزوۂ احد میں بھی ان کے دل قریش کے ساتھ تھے۔

غزوۂ خندق میں تو سب سے بڑا کردار تھا ہی یہود کا۔

مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے گروہ تھے: ایک بنو نضیر، دوسرے بنی قینقاع اور تیسرے بنی قریظہ۔ بنو نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا، بنو نضیر نے خیبر کے قرب و جوار میں پناہ لی جہاں پہلے ہی یہودی آباد تھے، وہ بڑے خوشحال اور مالدار تھے یہودی سرداروں نے اپنی حفاظت کے لیے خیبر میں قلعے بنا رکھے

تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے سات اور بعض نے چودہ لکھی ہے۔
ان کے پاس جو فوج تھی اس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی
خیبر کے یہودیوں کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ اب یہ
تدبیر کر رہے تھے کہ مدینہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے جبکہ
میرے آقا اردگرد کے حالات پر نظر رکھتے تھے۔ آپ کے نمائندے
آپ کو پل پل کی خبر دیتے رہتے تھے اور آپ مسجد نبوی کے صحن میں
بیٹھ کر دشمنوں کی تدبیروں کا توڑ کرتے رہتے تھے۔

اللہ والا آج جب کہ مسلمان تنزل کا شکار ہیں اور دن بدن پستی
کی طرف جا رہے ہیں، اللہ والا اسے سمجھا جاتا ہے جسے دنیا کی بالکل
خبر نہ ہو، نہ اسے یہ خبر کہ امریکہ حرمین شریفین پر قبضہ جمانے کے لئے
کیا تدبیریں کر رہا ہے۔
نہ اسے یہ خبر کہ قبلہ اول کو یہودی عبادت گاہ میں تبدیل
کرنے کے لئے کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔
نہ اسے یہ علم کہ مسلمانوں کی معدنیات اور ان کے پٹرول کے
کنوؤں پر تسلط جمانے کے لئے کیا منصوبے بن رہے ہیں۔
نہ اسے یہ احساس کہ مسلمانانِ عالم کو معاشی اور سیاسی طور
پر مفلوج کرنے کے لئے کیا کیا گٹھ جوڑ ہو رہے ہیں
نہ اسے یہ پتہ کہ اکھنڈ بھارت بنانے اور پاکستان کا وجود ختم
کرنے کے لیے کون سے منصوبے زیر غور ہیں۔
نہ اسے یہ علم کہ کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں کو عبرت ناک
سبق سکھانے کے لئے کیا کیا ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں۔

یہ تو پھر عالمی حالات ہیں، بہت سے لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ صحیح اللہ والا وہ ہوتا ہے جو گھریلو ذمہ داریوں اور معاشرتی فرائض سے بھی بے خبر ہوتا ہے، نہ تجارت، ملازمت اور گھربار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل لوگ صوفی اسے کہتے ہیں جس کا ہر کام بے ڈھنگا ہو۔ تحریر بے ڈھنگی، تقریر بے ڈھنگی، لباس بے ڈھنگا، انداز و اطوار بے ڈھنگے لیکن جب مسلمانوں کا عروج حاصل تھا اس وقت اللہ والے کا مفہوم اور صوفی کا مفہوم کچھ اور تھا۔

باخبر نبی

میرے بزرگو اور دوستو! آپ سوچیے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی اللہ والا ہو سکتا ہے؟ کوئی صوفی صافی ہو سکتا ہے؟ کوئی متقی پرہیزگار ہو سکتا ہے؟ کوئی زاہد شب بیدار ہو سکتا ہے؟

اللہ کی قسم ہرگز نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں ہو سکتا۔

اگر میرے آقا اللہ والا نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی اللہ والا نہیں

اگر میرے آقا صوفی نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی صوفی نہیں۔

لیکن اس کے باوجود میرے آقا کی سیرت دیکھئے کہ دنیا کے حالات پر آپ کی نظر کتنی گہری تھی۔

عالمی طاقتوں کے عزائم سے آپ کتنے باخبر تھے

فارس اور یہود کی سازشوں کا آپ کو کتنا علم تھا

آپ یقیناً باخبر نبی تھے اور یہ مت سوچیے کہ آپ بے خبر تھے۔

ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو وحی کے ذریعے باخبر کر دیا جاتا تھا۔

بے شک آپ پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن حالات سے باخبر ہونے کے لیے آپ ظاہری اسباب بھی اختیار فرماتے تھے۔

میں آپ کو ایک واقعہ کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

غزوۂ بدر سے کچھ پہلے مسلمانوں نے قریش کے تین غلاموں کو گرفتار کر لیا اور ان سے قریش کے لشکر کے بارے میں تحقیق ہونا کرنے لگے۔ ایک سوال یہ بھی تھا لشکر کی تعداد کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں صحیح تعداد معلوم نہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کسی دن نو دس اور کسی دن نو اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ لشکریوں کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان ہے اس لیے کہ ایک اونٹ سو افراد کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

یہ ایک مثال ہے باخبر ہونے کی ورنہ آپ حالات کی تحقیق کے لیے اپنے نمائندے بھی بھیجتے تھے اور دشمن کے ضمیر فروشوں سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے۔

اقدامی جہاد سوال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے ارادوں کی اطلاع ملی تو آپ نے مناسب سمجھا کہ دفاع کے بجائے اقدام کیا جائے۔ یہ جو میں نے خود لفظ

بولے ہیں دفاع اور اقدام، تو یہ اس لئے نہیں بولے کہ میں آپ پر اپنی علمیت کا سکہ جماؤں، کہ دیکھو جناب میں کتنے مشکل الفاظ بول سکتا ہوں، بلکہ میں نے یہ دو لفظ اس لئے بولے ہیں کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ جہاد دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی ہوتا ہے۔ اگر اپنی جگہ پر رہتے ہوئے مقابلہ کیا جائے تو یہ دفاعی جہاد کہلاتا ہے اور اگر آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا جائے تو یہ اقدامی جہاد کہلاتا ہے۔ آج کل بعض نام نہاد مذہبی مصلحین جنہیں مفسدین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ اقدامی جہاد کا انکار کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی جہاد کیے ہیں وہ دفاعی ہی تھے، اقدامی جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غزوات میں حصہ لیا ہے ان میں سے اکثر اقدامی تھے۔ غزوۂ ابواء اقدامی تھا، غزوۂ بواط اقدامی تھا، غزوۂ عشیرہ اقدامی تھا، غزوۂ بنی سُلیم اقدامی تھا، غزوۂ حمراء الاسد اقدامی تھا، غزوۂ [illegible] اقدامی تھا، غزوۂ بنو مصطلق اقدامی تھا، غزوۂ [illegible] اقدامی تھا، غزوۂ حُنین اقدامی تھا، غزوۂ طائف اقدامی تھا، غزوۂ تبوک اقدامی تھا۔ جتنے بھی سرایا تھے اقدامی تھے اسی طرح غزوۂ خیبر بھی اقدامی تھا۔

آپ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر [illegible] بلکہ آپ نے خود آگے بڑھ کر خیبر پر چڑھائی کی۔

یقین کامل سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے [illegible] لوگوں کو تمام گروہ حاصل ہونے کی بشارت دی [illegible]

میں ہے -

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا . وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لو گے

اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آپ کو بھی کامل یقین تھا اور صحابہ کو بھی یقین تھا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ منافقین بھی سمجھتے تھے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا اسی لئے ان کی بھی خواہش تھی کہ جس بھی غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت دی جائے لیکن خدا تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ وہ شرکت کی اجازت مانگیں گے لیکن اے نبی! آپ انہیں اجازت نہ دینا۔ آیت نمبر ۱۵ میں ہے :

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ۔ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے۔ یوں ہی کہہ دیا اللہ نے پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے۔ کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا۔

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے پیش نظر آپ نے صرف ان لوگوں کو شرکت کی اجازت دی جو بیعت رضوان میں بھی شریک تھے لیکن حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دو سو مہاجرین بھی خیبر کی فتح میں شامل

ہٹ گئے اور انہیں شمولیت کی اجازت دے دی گئی ۔

یہ اللہ کے وہ مخلص اور منتخب بندے تھے جو ایمان کی خاطر سب کچھ چھوڑ چکے تھے اور جن کے ایمانی دعوے کی سچائی کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں تھی ۔

جوش و ولولہ

مدینہ سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے ۔

پورا لشکر جوش و ولولے سے سرشار تھا ۔ دنیا کی نظر میں یہ عجیب دیوانے لوگ تھے ۔ پھٹے پرانے لباس ، ٹوٹے ہوئے جوتے ، زنگ آلود تلواریں ، میلوں کا پاپیادہ سفر ، کھانا محدود کبھی بالکل ہی مفقود ۔ بھوک کی صورت یہ تھی کہ کبھی تو چنا کبھی کچھ بھی بنا رہتا تھا ، وطن سے دور ، شہادت کا امکان لیکن اس کے باوجود عجیب کیف و مستی ان پر طاری ہوتی تھی ۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ میدان جنگ کی طرف نہیں جارہے بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جارہے ہیں ۔ جیسے آج کل کھیلوں کا کوئی بڑا مقابلہ ہو تو سارا شہر ہی اسٹیڈیم کی طرف چل پڑتا ہے سوائے جس شخص کے جو یا تو مجبور ہو یا لوگوں کی نظر میں بدذوق ہو ۔ یونہی اس دور کے مسلمان بھائیو ، جب جذبۂ جہاد زندہ تھا تو چھوٹے اور بڑے سب ہی شہادت گاہ کی طرف چل پڑتے تھے ۔ بس وہی رہ جاتے تھے جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہوتی تھی ۔ سولہ سو صحابہ کا لشکر خیبر کی طرف رواں دواں تھا ، کوئی ذکر میں مصروف تھا ، کوئی جہادی نعرے لگا رہا تھا ، کوئی اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لئے حُدی خوانی کر رہا تھا حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ حُدی کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے

تھے اور ان کے پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اونٹ مست ہو کر تیز دوڑنے لگے۔ ان کے ترنم اور سوز انگیز اشعار نے پورے لشکر پر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔ وہ پڑھ رہے تھے۔

واللہ لولا اللہ ما اهتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا
إنا إذا قوم بغوا علینا — وإن أرادوا فتنة أبینا
فأنزلن سكینة علینا — وثبت الأقدام إن لاقینا

۱ ۔ اے اللہ اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ و خیرات کر سکتے اور نہ ہی نماز پڑھ سکتے۔
۲ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہم پر زبردستی کرتی اور فساد کا ارادہ کرتی ہے تو ہم اس سے صاف انکار کر دیتے ہیں
۳ ۔ تو اے اللہ ہمارے اوپر سکینت نازل فرما اور مقابلے کے وقت ہمارے قدموں کو جمائے رکھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ صحابہ مزاج شناس رسول تھے وہ سمجھ گئے کہ حضرت عامرؓ بن اکوعؓ شہید ہو جائیں گے اس لیے کہ جس شخص کے بارے میں آپ کی زبان مبارک سے دعائے مغفرت نکلتی وہ ضرور شہید ہو جاتا تھا۔

محمد والخمیس — سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مجاہدین کا یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ خیبر کے قریب جا پہنچا۔ جب مسلمان خیبر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہیں فرماتے تھے۔
صحابہ کے مشورہ سے پڑاؤ ڈالنے کے لیے آپ نے ایسے میدان کا انتخاب فرمایا جو اہل خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا۔ جس کا یہ فائدہ ہوا کہ قبیلہ بنو غطفان ارادے اور کوشش کے باوجود یہودیوں کی مدد نہ کر سکا۔ ان کا دس ہزار لشکر اہل خیبر کی مدد کے لیے نکلا لیکن جب مسلمان مجاہدین کو دیکھا تو چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔
پڑاؤ کی جگہ فوری طور پر ایک مسجد بنا دی گئی۔ عبادت بھی جاری تھی تلاوت بھی جاری تھی، تبلیغ و دعوت بھی جاری تھی اور دشمن سے مقابلے کی تیاری بھی جاری تھی۔ کسی ایک کام کی وجہ سے دوسرے کام کو ترک نہیں کیا گیا۔ آج کئی لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ عبادت کرتے ہیں تو دعوت کا کام نہیں کرتے۔ دعوت کا کام کرتے ہیں تو جہاد کا فریضہ ادا نہیں کرتے لیکن میرے آقا کی زندگی میں یہ سارے کام پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔
یہودی سو رہے تھے اور مسلمان بیدار تھے۔ ہائے کیسے کہوں کہ آج یہودی بیدار ہیں اور مسلمان سو رہے ہیں۔
یہودی کسان اپنی زمینوں کو کاشت کرنے کے لیے صبح صبح باہر نکلے اچانک آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ گئے:
" اللہ کی قسم۔ یہ تو محمد ہیں اپنی جماعت کے ساتھ "
رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اکبر خربت

خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین

اللہ اکبر! خیبر برباد ہوگیا۔ اور ہم جب بھی کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بری ہوتی ہے۔

کافروں کے قلعے

میں عرض کر چکا ہوں کہ خیبر میں کئی قلعے تھے۔ کسی نے ان کی تعداد سات لکھی ہے کسی نے دس اور کسی نے تیرہ اور ان میں سے ہر قلعہ مختلف صحابہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ قلعہ ناعم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ قلعہ صعب اور قلعہ ابی بن معاذ پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قبضہ ہوا یونہی مختلف قلعے مختلف صحابہ کے ذریعے فتح ہوگئے۔

ان قلعوں میں سے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموص تھا۔ اس کا محاصرہ کئی دن تک جاری رہا لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا

انتظار کی رات

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لاعطین الرایة غدا رجلا یحبه الله ورسوله یفتح الله علیه کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور اللہ اسے فتح عطا کرے گا

یہ بہت بڑی سند تھی جو نبوت کی زبان سے اس شخص کو دی گئی تھی جسے کل جھنڈا عطا ہونے والا تھا۔ صحابہؓ کی یہ رات بے چینی اور انتظار میں گزری۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے دل میں آنے والی صبح جھنڈا حاصل کرنے کی آرزو نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ شرف تو ان میں سے

صرف ایک کو حاصل ہونا تھا، اور اسی خوش نصیب کو دیکھنے کے لیے تمام آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی کو بلاؤ، کسی نے بتایا کہ انھیں آشوب چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہو رہا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ انھیں بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور لعابِ دہن بھی آنکھوں میں ڈالا، کہاں تو یہ حال تھا کہ آنکھیں کھلتی ہی نہ تھیں اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں کبھی دکھی ہی نہ تھیں، نہ آشوب کی سرخی باقی رہی اور نہ درد کی تکلیف باقی رہی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد پھر زندگی بھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں۔ پھر فرمایا: "علی! جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، پہلے اسلام کی دعوت دو اگر ان میں سے ایک بھی شخص ہدایت پا گیا تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

اُس زمانے میں سرخ اونٹ کی قیمت وہی تھی جو آج کل بجا رو گاڑی کی ہے۔

ضربِ حیدری

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر قلعہ قموص کی طرف روانہ ہوئے یہ قلعہ مشہور پہلوان مرحب کی کمان میں تھا اور لوگوں میں مشہور تھا کہ قوت و طاقت میں مرحب ہزار سواروں کے برابر ہے۔ وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں
شاکی السلاح بطل مجرب	ہتھیار سجانے والا، بہادر اور تجربہ کار
اذا الحروب اقبلت تلھب	جب لڑائیوں کے شعلے بھڑکتے ہیں تو میں بہادری دکھاتا ہوں۔

مرحب کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نکلے۔
مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا جسے انہوں نے ڈھال پر روک لیا۔
پھر انہوں نے جوابی حملہ کیا لیکن تلوار گھوم کر انہی کے گھٹنے پر آ لگی۔ ایسا
زخم لگا کہ وہ شہید ہو گئے

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے
سمجھا کہ چونکہ وہ اپنی تلوار کا نشانہ بنے ہیں اس لیے ان کے اعمال
ضائع ہو گئے وہ بہت غمگین اور پریشان تھے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حزن و ملال کو دیکھا تو اپنی دو
انگلیاں اکٹھی کر کے فرمایا۔ "اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ وہ بڑا جانباز
مجاہد تھا، اس جیسا کوئی عرب زمین کی پشت پر نہیں چلا ہوگا۔ وہ
شہید ہے"

میں بتا چکا ہوں کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ وہی صحابی
ہیں جو اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لیے حُدی پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی اور صحابہؓ اسی
وقت سمجھ گئے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے، انہوں نے ایسی گھن گرج
سے رجز پڑھا کہ میدان گونج اٹھا۔ وہ فرما رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ   میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام
غضب ناک شیر رکھا ہے

اکیلکم بالسیف کیل السندرہ   میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمہیں

بڑے پیمانے عطا کروں گا۔

كليت غابات شديد قسورة — میں جنگل کے شیر کی طرح سخت حملہ آور ہوں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب پر ایسی ضرب لگائی جو اس کے خود اور سر کو پھاڑتی ہوئی گردن تک جا پہنچی۔ مرحب جہنم رسید ہو گیا تو اس کا بھائی یاسر پاگل ہاتھی کی طرح تھوک پھینکتا ہو اور تلوار لہراتا ہو آگے بڑھا حضرت زبیر بن عوام نے اسے بھی پیوند خاک کر دیا۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں قلعہ قموص فتح ہوا اسی طرح دوسرے صحابہؓ کی قیادت میں دوسرے قلعے بھی ایک ایک کر کے فتح ہو گئے یہاں تک کہ یہود نے خود ہی صلح کی پیش کش کی جے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ آپ نے یہودیوں کو خیبر میں رہنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے لئے شرط یہ لگائی کہ جتنا بھی غلہ اور پھل پیدا ہوں گے اس کا آدھا مسلمانوں کو ملے گا۔

یہودیوں کی شکست سے خیبر سے مکہ تک امن قائم ہو گیا۔ یہی وہ وہ سازشی گروہ تھا جو کبھی قریش کو اور کبھی قبیلہ بنو غطفان اور کبھی کسی اور کو مسلمانوں پر حملے کے لیے اکساتا رہتا تھا۔

دو خوش نصیب واقعات میرے بزرگو اور دوستو۔ غزوہ خیبر کے اہم واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں آخر میں صرف دو واقعات بیان کر کے بات ختم کروں گا ان دونوں واقعات میں ہمارے لیے بڑی عبرت، بڑی نصیحت اور بڑا سبق ہے۔ یہ

اصل میں دو شہیدوں کے واقعات ہیں اور ان کی شہادت اور قابلِ رشک موت دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی موت نصیب فرمائے۔

ان میں سے پہلا واقعہ ایک اعرابی کا ہے جس نے خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کر لیا اور آپ کی اتباع کا عہد کیا۔ فتح خیبر کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا موقع آیا تو آپ نے اس اعرابی کا حصہ بھی الگ کر دیا۔ اتفاق سے وہ اس وقت چراگاہ میں گیا ہوا تھا وہ جب واپس آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالے کر دیا وہ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے مالِ غنیمت حصہ لینے کے لئے تو آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا (اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ) میں نے اس لئے ایمان قبول کیا کہ مجھے اس جگہ تیر لگے میں شہید ہو جاؤں اور جنت میں پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: "اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کریگا"

خیبر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے پاس شہداء لائے گئے تو آپ نے اسے پہچانتے ہوئے فرمایا: "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا" آپ نے اپنے مبارک جبے میں اس کو کفن دیا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا فرمائی "اے اللہ! تیرے بندہ تیرے راستہ میں ہجرت کے لئے نکلا تھا، یہ تیری راہ میں شہید ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں" (۱۳)

ارے کیا خوش نصیبی ہے ایک نومسلم کی، سچے دل سے ایمان قبول کیا، دل میں شہادت کی بھی تمنا پیدا ہوئی، اللہ نے اس تمنا کو پورا بھی کر دیا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک جبے میں کفن دیا، خود ہی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے ایمان و اخلاص کی گواہی بھی نبوت کی زبان نے دی۔ واہ اے نومسلم! تیرے مقدر پر مورو ثی مسلمان بھی رشک کریں تو کیوں نہ کریں۔

دوسرا واقعہ بھی ایک نومسلم ہی کا ہے

خیبر کے ایک مالدار شخص کا حبشی غلام تھا جو اس کی بکریاں چراتا تھا اس نے جب خیبر والوں کو ہتھیار اٹھاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو نبوت کا دعوی کرتا ہے

پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اس غلام کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ نبوت کے اس مدعی سے ملنا چاہیے چنانچہ وہ بکریوں کا ریوڑ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو غلام نے کہا کہ اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اسی عقیدے پر موت آ جائے تو تمہارے لئے جنت ہے۔

غلام نے ایمان قبول کر لیا پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے

پاس یہ بکریاں امانت ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اللہ کے نبی نے نہیں فرمایا کہ یہ تو یہودی کی ہیں یہ ہضم کر جاؤ، آپ دنیا کو امانت کا سبق سکھانے کے لیے آئے تھے اس لیے آپ نے فرمایا کہ ان بکریوں کو میدان میں چھوڑ دو یہ خود اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی جائیں گی چنانچہ ایسے ہی ہوا اور وہ بکریاں اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی گئیں۔

پھر اس نو مسلم غلام نے جہاد میں حصہ لیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا مسلمان اس کی نعش اٹھا کر اپنے خیمے میں لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف رخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلام کے ساتھ بڑے اکرام کا معاملہ فرمایا میں نے دیکھا کہ اس کے سرہانے جنت کی دو حوریں موجود ہیں حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا (۱۳)

یوں تو ایسے بھی ہوتا ہے بعض لوگوں کی محنت کم ہوتی ہے مگر اجر بہت زیادہ مل جاتا ہے ایسے بدبخت بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر عبادت کرتے ہیں مگر ان کی کسی بری حرکت کی وجہ سے ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا تو وہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی معاصی میں گزر جاتی ہے مگر جب زندگی کا سورج غروب ہونے لگتا ہے تو وہ توبہ کر کے پاک صاف ہو جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے پھر آسمان سے فرشتے اور جنت کی حوریں ان کا استقبال کرتے ہیں اور اللہ کی جانب سے انہیں کہا جاتا ہے

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے اور ہمیں

جنت کا حقدار بنائے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) اردو دائرہ اسلامیہ ص ۲۹ ج ۹

(۲) سیرت المصطفیٰ کاندھلوی ص ۳۸۰

(۳) فتح الباری

(۴) سیرت النبی شبلی ص ۴۸۹ ج ۱

(۵) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۳۸۲

(۶) نبی رحمت بحوالہ ابن کثیر ص ۴۴۳ ج ۵

(۷) صحیح مسلم

(۸) ابن ہشام ص ۲۲۹ ج ۲

(۹) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲

(۱۰) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲

(۱۱) صحیح مسلم

(۱۲) بخاری اور مسلم وغیرہ دیکھیں

(۱۳) نبی رحمت ص ۴۱۲

(۱۴) زاد المعاد ص ۲۹۳ ج

فتح مکّہ

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابوسفیاں کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں
سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی

(ماہر القادریؒ)

ور ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں لیکن جب حضرت
عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا
کہ وہ عظیم انسان جس کی عزت و عظمت تو وہ کسی دنیوی سلطنت
کی طرح کچھ نہ باقی وہ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہے سر مبارک
عاجزی سے جھکا ہوا ہے آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے
حضرت اسامہ قصواء پر آپ کے پیچھے سوار ہیں۔ سر پر کالا عمامہ ہے
زبان مبارک پر سورۂ فتح کی آیات ہیں۔ نہ کسریٰ کا تخت تھا، نہ
قیصر کا تاج تھا۔ نہ جو بجنے کی صدائیں تھیں، نہ گھوڑ چڑھوں کے جتھے
تھے، نہ کشتوں کے پشتے لگے۔ عزت و ناموس کی پامالی بھی نہ
ہوئی اس کے حیا تھے [illegible] دنیا کی تاریخ میں ایک بالکل نئے
باب کا اضافہ ہو رہا تھا [illegible] سے آگے آگے تھا نہ [illegible] اندر میں نہیں
جو کہ ساتھ اندر میں داخل ہوئے

فتح مکّہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔

میرے بزرگو اور دوستو! آج کی نشست میں فتح مکہ کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اس غزوہ میں بھی ہم گنہگاروں کے لیے بے شمار سبق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سے کوئی عملی اور واقعی سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں گذشتہ سے پیوستہ عرض کر چکا ہوں کہ سنہ ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی اور

جو قومیں مسلمانوں سے ملنا چاہیں وہ مسلمانوں سے مل جائیں اور جو قریش سے ملنا چاہیں وہ قریش سے مل جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے ان کی مدد کی۔ ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، اللہ کے واسطے بھی دیئے۔ بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی لیکن ان کو ہر جگہ بے دریغ قتل کیا گیا وہ جب اللہ کا واسطہ دے کر کہتے الھک الھک تو ظالم جواب میں کہتے لا الٰہ الیوم (آج خدا کوئی چیز نہیں)۔

بنو خزاعہ کے مظلوم افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سردار عمرو بن سالم نے بڑے پُر درد اشعار کی صورت میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان سنائی۔ اس نے کہا

ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک المؤکدا
ھم بیتونا بالوتیر ھجدا فقتلونا رکعا وسجدا

قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ انہوں نے آپ سے جو پختہ اور مضبوط معاہدہ کیا تھا وہ انہوں نے توڑ دیا ہے۔

انہوں نے وتیر میں ہم پر سوتے ہوئے حملہ کر دیا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہمیں تہ تیغ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا گھبراؤ نہیں عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی۔

جذبات کا نتیجہ | صورت حال بڑی جذباتی تھی عمرو بن سالم نے

جذبات بھڑکا دینے والے انداز میں بات کی تھی لیکن اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جذبات میں نہیں آئے بلکہ آپ نے صحیح صورت حال کی تحقیق اور قریش پر اتمام حجت کے لیے اپنا نمائندہ مکہ بھیجا اور قریش کے سامنے تین صورتیں رکھیں ایک یہ کہ خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کر دو۔ دوسری یہ کہ بنو بکر سے لاتعلقی کا اعلان کر دو اور تیسری یہ کہ حدیبیہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دو (گویا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)

قریش کے بعض سرداروں نے جواب دیا کہ ہاں ہم معاہدہ ختم کرنے پر راضی ہیں

یہ بات انہوں نے عجلت میں کہہ تو دی لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہ ہم نے تو بہت غلط جواب دیا ہے۔

اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان فوری جذبات میں کوئی بات کہہ دیتا ہے یا کوئی کام کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں پشیمان ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل اور بردباری کا سبق دیا ہے۔

ابوسفیان اس معاہدہ کی توثیق کے لیے مدینہ منورہ گیا اور اس نے بڑی کوشش کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، حضرت ابوبکرؓ سے بات کی، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سے سفارش کرانے کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی اس کی حمایت نہ کی چنانچہ مایوس اور ناکام ہو کر مکہ واپس لوٹ گیا

مکہ کی تیاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا لیکن اس تیاری کو خفیہ رکھنے کی تاکید کی۔ اصل

میں آپ اب مزید خونریزی نہیں چاہتے تھے۔ آپ کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ اچانک قریش کے سر پر پہنچ جاؤں اور مسلمانوں کی کثرت اور بے پناہ شان و شوکت دیکھ کر ہی وہ سر تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ اسی بنا پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سات دن کے سفر کے بعد مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر مر الظہران کے مقام پر پہنچ گئے

باخبر کون اور بے خبر کون

قریش کو اپنے باخبر ہونے اور تجربہ کار ہونے پر بڑا ناز تھا لیکن سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ سب میدان میں بے حقیقت ثابت ہوئے

اللہ کے نبی اپنے جاسوسوں اور مخبروں کے ذریعہ قریش کی نقل و حرکت سے باخبر تھے لیکن قریش کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ مسلمان دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کے پاس پہنچ چکے لیکن انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی اور جب ابو سفیان وغیرہ کے ذریعہ پتہ چل ہی گیا تو بھی وہ یہ جان نہ سکے کہ مسلمانوں کا ارادہ کیا ہے؟ کیا یہ مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یا کسی اور طرف پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر مجاہد الگ الگ آگ روشن کرے۔ آگ کے روشن ہوتے ہی پورا میدان بقعۂ نور بن گیا جنہوں نے دور سے آگ کو دیکھا ان کے دل دہل گئے۔ ابو سفیان حالات کا جائزہ کرنے کے لئے دوسرے سرداروں کے ساتھ نکلا مگر اس شان و شوکت والے لشکر اور اس طرح کا نظارہ کبھی نہ دیکھا تھا

اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور وہ اسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ ابوسفیان اسلام قبول کر کے آپ کے غلاموں میں داخل ہو گئے (۲)

یادگار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکریوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف اسی شخص پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے جو خود مقابلے پر آ گئے یہ بھی فرما دیا تھا کہ کسی کے مال اور جائیداد میں بھی دست درازی کی اجازت نہیں۔

جمعہ کا مبارک دن تھا۔ رمضان کی بیس تاریخ تھی، ہجرت کا آٹھواں سال تھا اور عیسوی تاریخ ۱۱ جنوری ۶۳۰ء تھی، جب سپہ سالار اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایات دے کر اپنے مجاہدوں کو مکہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔

یہ وہ دن تھا جس کا وادئ بطحا کو ہزاروں سال سے انتظار تھا۔

یہ وہ خواب تھا جس کی تعبیر کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعائیں مانگی تھیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

یہی وہ لشکر اور قائد لشکر تھا جس کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا: "میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہے۔"

یہی وہ فرشتہ صفت مجاہدین تھے جن کے بارے میں صدیوں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں فرمایا تھا :

" خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی ۔

پرشکوہ لشکر | اگرچہ عام زندگی میں تواضع اور عاجزی کا حکم دیا گیا ہے لیکن دشمن کے سامنے سج دھج اور شان و شوکت کے اظہار کا حکم ہے ۔ نبی آخرالزماں کی تعلیم یہ ہے کہ کمزوروں کے سامنے گردن جھکا کر چلو اور ستمگروں اور متکبروں کے سامنے گردن اٹھا کر چلو تاکہ وہ تمہیں کمزور نہ سمجھ بیٹھیں ۔

مسلمانوں کا لشکر ایک عجیب ترتیب اور مرعوب کن شان کے ساتھ مکہ کی طرف رواں دواں ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو کسی ایسے بلند مقام پر کھڑا کر دیں جہاں سے وہ اسلامی لشکر کی سج دھج کا نظارہ کر سکیں ۔

ابوسفیان نے جو نظر ڈالی تو سامنے عجیب نظارہ تھا ۔ پوری وادی میں انسانوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے ، ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے ، سروں پر خود ، پرچم اٹھائے ، سینے تانے ہوئے ، جسمیں بنائے ، گویا ایک لوہے میں چھپے ہوئے تھے ، نعرے لگاتے ہوئے ایک ایک قدم ناپ تول کر اٹھاتے ہوئے گزر رہے تھے ۔ یہ فاتحانہ دستے سمندر کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے ۔

ابوسفیان نے جو یہ جاہ و جلال دیکھا تو اس کی نظریں دھوکا

کھا گئیں. وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ابو الفضل آج تمہارے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے. انہوں نے کہا: ابوسفیان یہ اقتدار نہیں جیسے ملک نہیں یہ نبوت کا معجزہ ہے میرے آقا کی شان ہی کچھ ایسی تھی کہ بعض اوقات لوگوں کی نظریں دھوکہ کھا جاتی تھیں وہ میرے آقا کے غلاموں کی فرمانبرداری اور جاں نثاری کو دیکھتے تو انہیں ایک بادشاہ، ورسرور رہنے کا دھوکہ ہو جاتا، لیکن جب وہ آپ کو اللہ کے حضور تڑپتا، روتا اور بلبلاتا دیکھتے تو انہیں خود اپنی بدگمانی پہ افسوس ہوتا

عاجزانہ نہ کہ فاتحانہ

ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں لیکن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ وہ عظیم انسان جس کی عزت و عظمت کو وہ کسی دنیاوی بادشاہ کی طرح سمجھ رہا تھا، وہ اپنی اونٹنی قصواء پر ہے، سر مبارک عاجزی سے جھکا ہوا ہے، آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ قصواء پر آپ کے پیچھے سوار ہیں، سر پر کالا عمامہ ہے زبان مبارک پر سورہ فتح کی آیات ہیں، نہ کسریٰ کا تخت تھا نہ قیصر کا تاج تھا، نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں، نہ گھوڑوں کے نقارے تھے، نہ کشتوں کے پشتے تھے، نہ عزت و ناموس کی پامالی تھی، نہ شراب کے جام تھے — دنیا کی جنگی تاریخ میں ایک بالکل نئے باب کا اضافہ ہو رہا تھا، میرے آقا مکہ میں فاتحانہ انداز میں نہیں بلکہ عاجزانہ انداز میں داخل ہوئے۔

مسلمان مجاہدین بے شک ایک شان سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے وہ اس لیے داخل ہو رہے تھے تاکہ دشمن مرعوب ہو جائے اور خون ریزی کی نوبت نہ آئے لیکن خود سپہ سالار اعظم کا حال یہ تھا کہ تواضع اور عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جو آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ دنیا بھر کے فاتحین کے حالات کا مطالعہ کیجئے، ان کی سیرت دیکھئے، ان کے حالات پر نظر ڈالئے مفتوح اقوام کے ساتھ ان کا معاملہ دیکھئے آپ کو کہیں بھی سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جھلک تک نظر نہیں دے گی آپ سکندر کا حال پڑھیں، آپ دارا کی سیرت اٹھائیں، آپ ہلاکو اور چنگیز کی جنگیں دیکھیں، آپ نپولین اور ہٹلر کی کہانی پڑھیں بڑے بڑے فاتحین تھے اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے اور عقل ماؤف نہیں ہوگئی تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ فاتح مکہ کے ساتھ تقابل میں ان لوگوں کا نام لینا بھی تحقیق اور تاریخ کی توہین ہے۔

فاتح مکہ نے عام اعلان فرما دیا " جو ابوسفیان کے گھر میں جائے اسے امان ہے، جو مسجد حرام میں چلا جائے اسے امان ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اسے امان ہے "

ہے کوئی فاتح جس نے سابق کا ایسا عام اعلان کیا ہو۔ وہ ابوسفیان جس کے گھر میں سازشیں ہوتی تھیں، اور وہ دارالفساد بنا ہو تھا آپ نے اسے دار الامان بنا دیا

لفظ اور ہاتھ کی تبدیلی محترم سامعین! ان واقعات کو ترتیب

سے سنیئے اور دلوں کو روشن کیجئے۔ اللہ کی قسم تمہیں ایسا آقا نہیں ملے گا۔ غلامی کرنی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیجئے۔ ارے غلامی مت کیجئے قیصر کی، کسریٰ کی، سکندر کی، دارا کی، نیرون کی، ہٹلر کی، ماوزے تنگ کی، اسٹالن کی، کلنٹن کی، واشنگٹن کی، گاندھی کی، آندھی کی، طوفان کی —— ارے غلامی کرنی ہے تو غلامی کیجئے آقائے دوجہاں کی، حاملِ قرآن کی، بے مثال انسان کی، محبوبِ رحمٰن کی۔

آپ لوگوں کے جذبات کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن جہاں تک میرا حال ہے بہت گنہگار ہوں، بے عمل ہوں، بدعمل ہوں لیکن سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے آقا کی غلامی پر فخر ہے میرا نام محمد اسلم ہے اگر کوئی مجھے صرف اسلم کہے بے شک مولانا کہہ دے، قاری المقری کہہ دے، شیخ الحدیث کہہ دے لیکن محمد ہٹا دے تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے ارے یہی تو ایک نسبت ہے ہمارے پاس، یہ نسبت نہ رہی تو ہم کس کام کے ہیں، مجھے تو اپنے آقا کے واقعات بیان کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ آپ کی خبر نہیں۔ سنیئے حضرات! اور توجہ سے سنیئے میرے آقا کے غلام تھے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کے دستے کے امیر تھے وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے جذبات میں آکر کہہ دیا:

"الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا" آج خونریزی کا دن ہے۔ آج انتقام کا دن ہے آج کعبہ میں سب جائز ہوگا۔ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کر دیا ہے ہاں آج ہم حضرت سمیہؓ پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کا بدلہ لیں گے۔

آج ہم حضرت یاسرؓ کی مظلومیت کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم خبابؓ کو دہکتے کوئلوں پر لٹانے کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم بلالؓ کو گلیوں میں گھسیٹے جانے کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم ابو فکیہہؓ کو ستانے کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم اپنے آقاؐ کے راستے میں کانٹے بچھانے کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم شعب ابی طالب کے بھوک سے بلکتے تڑپتے بچوں کا بدلہ لیں گے۔
آج ہم نبیؐ کے جسد اطہر پر غلاظت ڈالنے کا بدلہ لیں گے۔
اے سنگدل ظالمو، آج تمہیں بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کے ایک ایک دکھ کا بدلہ دینا ہوگا۔
الیوم یوم الملحمۃ آج بدلہ لیے جانے کا دن ہے۔
آج ظالموں کے سر نگوں ہوں گے اور ان کی گردنیں کٹیں گی۔

انصار کے امیر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بڑے جذبات میں یہ نعرہ لگا رہے تھے۔ ابوسفیان نے سنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ کا ایک جیالا یہ نعرہ لگاتا پھر رہا ہے۔ اب صورت یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ مخلص ساتھی ہیں، تنگی اور ترشی میں ساتھ رہے ہیں۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں انصار کی قیادت کا جھنڈا ہے۔ اگر ان سے جھنڈا واپس لیا جاتا ہے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور اگر ان کے نعرے کا کوئی بھی ایکشن نہیں لیا جاتا تو ابوسفیان کی دل شکنی ہوتی ہے جو کہ اب نرے ابوسفیان نہیں رہے تھے بلکہ حضرت ابوسفیان بن چکے تھے اور قیامت تک کے

مسلمانوں پر لازم ہو چکا تھا کہ ان کا نام آئے تو ساتھ رضی اللہ عنہ
بھی کہیں ۔

ان کا ماضی کچھ بھی سہی ۔ ماضی تو عمر بن الخطاب کا بھی اچھا نہ تھا مگر
جب ان لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا تو ہمارے لیے واجب الاحترام ہو گئے
اب ہم ان کا نام رضی اللہ عنہ کے بغیر نہیں لے سکتے ۔

ارے جب اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے انہیں اپنی
رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا تو ہم کون ہیں بیچ میں ٹانگ اڑانے والے ۔

ارے جیل ستھو جیل بھٹو تو کون ہے بیچ میں جج بننے والا ۔ تجھے
کس نے فیصل بنایا ہے کہ صحابہؓ کے ایمان و تقویٰ کا فیصلہ کرتا پھرے
وہ عرش والا کہتا ہے کہ وہ میرے ہیں، میں ان کا ہوں ۔ میں
ان سے راضی ہو چکا ہوں تم بھی راضی ہو جاؤ ۔ تمہاری ناراضگی ان کا
تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی ۔ ہاں تم ان سے ناراض ہو کر اپنا سب کچھ
بگاڑ لو گے ۔

اپنے آقا کو دیکھو کہ ابو سفیان کی دلجوئی کا کتنا اہتمام ہے ۔ اسے
یہ نہیں کہہ کر چلتا بنے تو کون ہے سعد بن عبادہؓ کی شکایت کرنے
والا ۔ تو کل کا مسلمان اور سعد برسوں کا مسلمان ۔ تو لشکر کو دیکھ کر
ایمان لایا اور سعد پیغمبر کو دیکھ کر ایمان لایا ۔ تو تیل دیکھتا رہا اور تیل
کی دھار دیکھتا رہا اور سعد تو بس ایمان کی بہار دیکھتا رہا ۔

میرے آقا! میں تیرے غلاموں کے غلاموں کی جوتیوں
اور حکمت و دانائی پر قربان ! اس نازک صورتحال میں آپ نے کیا ہی
حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا ۔ سعد بن عبادہؓ کی دل شکنی بھی نہ ہوئی ،

اور ابو سفیان کی دل جوئی بھی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصرف یہ کیا کہ ایک لفظ بدل دیا اور ایک ہاتھ بدل دیا۔

لفظ تو یوں بدلا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کہہ رہے تھے:

"الیوم یوم الملحمۃ" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لام کی جگہ "ر" کو رکھ دیا اور فرمایا سعد یوں نہ کہو "الیوم یوم الملحمۃ" بلکہ یوں کہو "الیوم یوم المرحمۃ" آج رحم کرنے کا دن ہے، آج معاف کرنے کا دن ہے، آج درگزر کرنے کا دن ہے۔

اور سے کمزوری اور مجبوری میں تو ہر کوئی معاف کر دیتا ہے مزہ تو تب ہے کہ طاقت اور اختیار کے ہوتے ہوئے معاف کیا جائے۔

اور ہاتھ یوں بدلا کہ پہلے جھنڈا حضرت سعدؓ کے پاس تھا آپؐ نے ان سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ حرف اور ہاتھ کی تبدیلی سے ابوسفیان کی شکایت بھی دور ہو گئی کہ انتقامی نعرہ لگانے والے سے جھنڈا لے لیا گیا اور اس کا نعرہ بھی تبدیل کر دیا گیا اور حضرت سعد بھی ناراض نہ ہوئے کیونکہ گو اسلامی پرچم ان سے لیا گیا تھا تو کسی اور کو تو نہیں دیا گیا بلکہ انہی کے بیٹے کے حوالے کیا گیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر کوئی اعزاز اس کے بیٹے کو مل جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز خود مجھے ہی ملا ہے۔

سب سے بڑا انسان | میرے مسلمان بھائیو! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ ہمارا آقا اس کمالات کا سب سے بڑا قائد، سب سے بڑا حکیم، سب سے بڑا دانا، سب سے بڑا

نفسیات دان، سب سے بڑا مرشد، سب سے بڑا مربّی، اور سب سے بڑا انسان تھا۔

انسانیت کا عروج دیکھنا ہو اور ملکوتیت کا ظہور دیکھنا ہو تو میرے آقا کی سیرت کا مطالعہ کیجیے۔ آپ میرے دعوے کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، آپ تو پھر بھی ایمان بالغیب رکھنے والے لوگ ہیں، میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر کوئی سمجھدار غیر مسلم بھی تعصب کی کالی عینک اتار کر مکی مدنی، ہاشمی، عربی آقا کی سیرت کا مطالعہ کرے تو وہ بھی وہی کہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔

آپ دیکھیں کہ سو بڑے انسان جو کتاب لکھی گئی ہے اس کا مصنف عیسائی ہے لیکن وہ مجبور ہے کہ سو بڑے انسانوں میں سب سے بڑا انسان وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، ارسطو، اور افلاطون کو نہیں کہتا بلکہ وہ سب سے بڑا انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے آپ آقائے کائنات کی بڑائی دیکھنی ہو اور آپ پوری سیرت کا مطالعہ نہ کر سکتے ہوں تو صرف فتح مکہ ہی کا مطالعہ کر لیجیے

حرم کی صفائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں، سب سے مقام پر پہنچ گئے تو آپ بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے وہاں جا کر بیت اللہ کا طواف کیا اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ کے دست مبارک میں کمان تھی آپ اس کمان سے مورتی گراتے جاتے

تھے ور زبانِ مبارک سے یہ آیت تلاوت فرماتے تھے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ حق آچکا اور ناحق نابود ہوگیا، یقیناً باطل
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ تھا بھی نابود ہونے والا۔

(بنی اسرائیل)

حسن سلوک طواف کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہؓ سے کعبہ کی چابی لی اور اندر داخل ہوکر اس کے ہر گوشے میں اللہ اکبر کے ترانے گائے اور پھر نماز دست کر اندر پڑھتے ہوئے رب العزت کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ دیا۔

عثمان بن شیبہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ کعبہ کو کھولنے اور بند کرنے کی ذمہ داری اور شرف انہی کو حاصل تھا۔ نبوت کے ابتدائی دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک دن چابی طلب فرمائی تھی تو انہوں نے سخت جواب دیا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی بردباری سے انہیں جواب دیا تھا کہ عثمان! ایک دن آئیگا جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی پھر میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا عثمان بن طلحہ کہتے ہیں پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میرے دل نے گواہی دی کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

اور آج انہوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول کی پیشنگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ پریشان تھے کہ معلوم نہیں اب مجھے کلید کعبہ واپس ملتی بھی ہے یا نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! حاجیوں کو زمزم پلانے کی سعادت تو ہمیں پہلے ہی حاصل ہے، بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں عطا فرما دیں لیکن اللہ کے رسول نے یہ چابی اپنے جانثار حضرت علی کو نہیں دی بلکہ دوبارہ عثمان بن طلحہ کو عنایت کر دی اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنا دی کہ یہ چابی قیامت تک تمہارے پاس رہے گی اور ظالم کے سوا کوئی تم سے اس کو چھین نہ سکے گا (۳) چنانچہ بیت اللہ کی چابی آج تک ان ہی کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔

فیصلے کے منتظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر بیت اللہ میں اللہ کی تحمید و تمجید میں مصروف رہے اتنی دیر میں اہل مکہ مسجد حرام میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آپ باہر تشریف لائے تو مسجد حرام کچھا کچھ بھر چکی تھی، کعبہ کا دروازہ کھلا اور رحمت کے بادلوں سے نبوت کا حسین چہرہ برآمد ہوا آپ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لیے، آپ اوپر تھے لوگ نیچے تھے۔ ایک جیتے ہزاروں آنکھیں لگی ہوئی تھیں، ایک زبان سے نکلنے والے ارشادات کے لیے ہزاروں انسان گوش بر آواز تھے آپ نے اس موقع پر نہ تو کوئی جذباتی تقریر فرمائی، نہ قریش کی زیادتیوں کا ذکر کیا، نہ انتقام لینے کی بات کی، نہ اپنی سیاست اور قیادت کی تعریف فرمائی، نہ ہی مرعوب کن دھمکیاں دیں بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ

وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ
سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔

اس کے بعد کائنات کے سب سے بڑے انسان نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے سوال کیا "اے قریشیو، تمہیں کچھ معلوم ہے کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟" فاتح اعظم کے اس اچانک سوال نے ان لوگوں کی گردنیں جھکا دیں، وہ انہیں اپنا ایک ایک جرم یاد آنے لگا وہ بیہودہ گالیاں بکنا، وہ جسم اطہر پر پتھر پھینکنا اور راستے میں کانٹے بچھانا، وہ ایمان والوں کو تختۂ مشق بنانا، انہیں انگاروں پر لٹانا، ٹانگوں میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹنا، وہ حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کرنا اور ان کا کلیجہ چبانا اور ناک کان کاٹ ڈالنا، وہ حضورؐ کی بیٹیوں کو طلاقیں دلوانا اور بھوک سے چلاتے بچوں پر قہقہے لگانا۔ ہاں انہیں اپنا ایک ایک جرم یاد تھا، اسی مکہ کی گلیاں تھیں اور جن پر ادھر ادھر گلیوں میں بازاروں میں، پہاڑوں پر اور وادیوں میں بستے اور مسلمانوں کو ایمان سے منحرف کرنے کے لیے ہر روز روں نئی تدبیر سوچی جاتی تھی۔ ظلم کا کوئی نیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا

انہوں نے زر سے، زور سے اور تدبیر سے مسلمانوں کو مٹانے میں سارا زور لگا دیا تھا۔

میرے آقاؐ کے سوال نے قریش کے سامنے ان کے تیرہ سالہ مظالم کی ایک فلم سی چلا دی۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے ان جرائم کی

سزا موت کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دس ہزار تلواریں اور بیس ہزار ہاتھ ایک اشارۂ ابرو کے منتظر ہیں اگر یہ اشارہ ہوگیا تو ہمارا انجام ابوجہل سے کم تر نہیں ہوگا لیکن انہوں نے ہمت کرکے کہہ دیا "اخ کریم وابن اخ کریم" آپ کریم النفس ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں، ہمیں آپ سے کریمانہ سلوک ہی کی توقع ہے۔

آپؐ نے فرمایا جاؤ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم اذھبوا فانتم الطلقاء (۲) سب آزاد ہو۔

محسنِ انسانیت کے اس لطف و کرم نے ان پتھر کے انسانوں کو موم کردیا، آپؐ نے ان کی گردنیں نہیں ان کے دل جیت لیے۔ اسلام کو تلوار کا مذہب کہنے والے لوگو! آؤ دیکھو کہ اسلام کیسے پھیلا اور دلوں کو کیسے جیتا گیا۔

ظالمو! مسلمان مجاہدین کی تلواروں نے تو چند سرکشوں کی گردنیں اڑائیں تو تم نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ اسلام بس تلوار سے پھیلا ہے لیکن تم جو اپنے گولہ بارود سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا رہے ہو تو یہ بتاؤ کہ اس سے کیا پھیل رہا ہے۔ میں بتاتا ہوں تمہارے گولہ بارود سے دہشت پھیل رہی ہے، غربت پھیل رہی ہے، جہالت پھیل رہی ہے، قساوت پھیل رہی ہے، غلاظت پھیل رہی، خباثت پھیل رہی ہے، شرارت

پھیل رہی ہے، ظلمت پھیل رہی ہے لیکن اسلام کے جہاد سے اور مسلمان مجاہدین کی تلوار سے متکبروں کا قلع قمع ہوا، سرکشوں کی گردنیں کٹیں، فرعونوں کے سر جھکے، قیاصرہ سے نجات ملی، انسانوں کو امن ملا، معاشی خوش حالی حاصل ہوئی اور معاشرے کو عدل اور مساوات کا نظام ملا۔

عدل ومساوات میں صرف ایک واقعہ سنا کر بات کو ختم کر رہا ہوں۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ ہوا کہ بنو مخزوم قبیلے کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا۔ اس نے چوری کرلی، معزز قبیلے کی عورت تھی۔ قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اسلامی اصول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ انہوں نے اسے بچانے کے لیے کسی مضبوط سفارش کی تلاش شروع کردی آخر میں ان کی نظریں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر جم گئیں وہ جانتے تھے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبت کرتے ہیں، ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ حضرت اسامہؓ ان کے اصرار کی وجہ سے سفارش کے لیے تیار ہو گئے، انہوں نے جب اس معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا آپ نے فرمایا اسامہ کیا تم اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے ہو۔ اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

میں نے صرف ایک مثال دی ہے کہ اسلامی غزوات اور مجاہدین کی تلوار سے انسانیت کو کیا ملا، ورنہ اللہ نے چاہا تو کسی دوسرے موقع پر انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے بات ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غزوہ تبوک

کھجوریں تک میسر تھیں نہ جن کے پیٹ بھرنے کو
یہ اللہ کے مجاہد تھے چلے تھے جنگ کرنے کو
بہت سے سربسر محروم گھوڑے اور ناقے سے
بہت ایسے تھے جن کی رات کٹتی تھی فاقے سے
خیالِ عظمتِ قرآں مکیں تھا ان کے سینوں میں
کوئی ساماں نہ تھا ذوقِ یقیں تھا ان کے سینوں میں

حفیظ جالندھری

* اور یہ لوگ یہ بھی مجبور، ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ طرز
پہونچیں ادر غصے کا فخریوں کا سستا پن ہو سکتا ہے۔ اور اگر کا فخر
عمر دراز ہو تو ایسے بیٹھے ہوئے لوگ بھی ہیں جو بٹ بال کو کھٹا سے
پیچ کر سکتے ہیں اور وہ سننے والوں کو ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں
لہٰذا اگر یہ لوگ جہاد کا تعین نہیں کر رہے شریعت اور کرامتوں کا بیان
کرتے ہیں تو یہ اپنی ذہنی سطح اور کم نظری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالسیف سے
جہاد بالکلام کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدان جنگ میں کشتوں کے
پشتے لگانے سے زیادہ دستر خوان پر بیٹھ کر مرغ ماہی اور شیرمال کی
ہڈیوں کا پشتہ لگانے کو زیادہ قرب سمجھتے ہوں۔

غزوہ تبوک

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ
خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا
اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي
الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا
يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبہ)

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے پر
جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے
کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی
راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی
میں، تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے
اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

محترم حاضرین وسامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ستائیس غزوات میں حصہ لیا تھا مگر ان سب کا تفصیلی تذکرہ ان نشستوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو اپنے اور حاضرین کا ایمان تازہ کرنے کے لیے چیدہ چیدہ واقعات اور غزوات پر روشنی ڈال رہا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو تقریروں میں اوٹ پٹانگ کہانیاں

سننے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اور عوامی خطیبوں کو ایسی باتیں یاد بھی بہت ہوتی ہیں۔ کچھ قصے، چند لطیفے اور دو چار اشعار یاد ہوں تو بڑی کامیاب تقریر کی جا سکتی ہے۔ ایک خاص حد تک واعظ کرنے کے لیے ایک دو آیتیں اور دو تین حدیثیں بھی سنا دی جاتی ہیں جن میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان آیتوں اور حدیثوں کو موضوع سے کوئی مناسبت بھی ہو۔ بس لوگوں کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارے خطیب صاحب کو قرآن بھی آتا ہے اور حدیثیں بھی آتی ہیں بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ خطیب صاحب آیت تو وہ پڑھتے ہیں جس میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے لیکن تقریر ساری کی ساری گیارہویں کے ختم کے بارے میں ہوتی ہے۔ یا آیت تو وہ پڑھی جاتی ہے جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے لیکن حضرت کا خطاب پیر جی کے عرس اور درویشوں کی کرامتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔

اور یہ لوگ ہیں بھی مجبور۔ ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ صرف مچھلی مارنے کا فروں کا سستا نام ہو سکتا ہے اور اگر کافر ہم ماریں تو ایسے بیچے ہوئے لوگ بھی ہیں جو فٹ بال کی طرح انہیں کیچ کر سکتے ہیں۔ اور وہ سننے والوں کو بھی ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ اگر جہاد کی آیت پڑھ کر عرس شریف کا اور کرامتوں کا بیان کرتے ہیں تو یہ بھی ذہنی سطح اور تخمینہ کی وجہ سے مجبور ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالتبلیغ سے جہاد بالقتل کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگانے سے زیادہ دسترخوان پر مرغ اڑانا زیادہ

بشیرخان کی ہڈیوں کا پشتہ لگانے کو بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہوں۔
اللہ تعالیٰ ان سادہ لوحوں کو عقل و فہم عطا فرمائے۔ کوئی ان سے
پوچھے کہ اللہ کے بندو۔ اگر محض دعائیں کرنے اور پھونکیں مارنے سے
دشمن کا خاتمہ ہوسکتا تھا تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں
جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اُحد میں اپنے ستر یاروں کی لاشیں اٹھانے کی ضرورت کیا تھی؟
غزوۂ تبوک میں سات سو کلومیٹر کا راستہ طے کرنے کی کیا ضرورت تھی
غزوۂ احزاب میں پانچ ہزار میں دو گز چوڑی خندق کھودنے
کی کیا ضرورت تھی؟

اللہ کے بندو! جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں دعائیں بھی تبھی قبول
ہوں گی جب جہاد کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔
اگر جہاد کا تقاضا سفر کرنے کا ہو تو سفر کرنا پڑے گا۔
اگر جہاد کا تقاضا تیر و تفنگ یا گولہ بارود چلانے کا ہو تو یہ چلانا
ہی ہوگا
اگر جہاد کا تقاضا مال خرچ کرنے کا ہو تو مال خرچ کرنا پڑے گا۔
اگر جہاد کا تقاضا جان دینے اور جان دینے کا ہو تو یہ تقاضا پورا
کرنا ہوگا

اگر یہ تقاضے پورے نہ کیے جائیں تو نہ ختم یٰسین کام آتا ہے۔ نہ
قنوتِ نازلہ کام آتی ہے، نہ دم درود کام آتے ہیں اور نہ ہی دعائیں
کوئی اثر دکھاتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تلوار چلانے کی نوبت نہ آئے۔
ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ لاشیں اٹھانے کا موقع نہ

آئے، جیسا کہ غزوہ تبوک میں ہوا۔ لیکن مجاہد کو جہاد کے تقاضے کے لیے تیار رہنا ہوگا

سپر پاور سے مقابلہ

غزوہ تبوک اصل میں اس وقت کی ایک تہذیبی منظم اور دولت مند سپر پاور سے مقابلہ تھا اور یہ عرب سے باہر کی طاقت تھی ورنہ عرب کافروں میں تو اب کوئی دم خم باقی نہیں رہ گیا تھا۔ خیبر فتح ہوا تو یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ مکہ فتح ہوا تو قریش کی کمر ٹوٹ گئی۔ غزوہ حنین ہوا تو قریش کے بعد کی جو دوسری طاقت تھی یعنی قبیلہ ہوازن ان کی کمر ٹوٹ گئی اور یوں سمجھیں کہ حنین میں جو جنگ ہوئی یہ عربوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ تھی اس جنگ نے ان کی طاقت کو ختم کر دیا اور ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیا عربوں نے تو اسلام کے سامنے سر جھکا دیئے لیکن رومیوں کے سر مزید اکڑ گئے اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی گویا امریکہ نے روسیوں کو شکست دی تھی اس لیے کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں یہی دو تھیں یا رومی تھے یا ایرانی تھے۔

عربوں کو یہ دونوں ویسے ہی حقیر سمجھتے تھے، خود عربوں کا یہ حال تھا کہ وہ رومیوں پر حملہ کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے بالکل ہمارے جیسی ان کی سوچ تھی

کیا آج کوئی سوچ سکتا ہے کہ پاکستان امریکہ پر حملہ کرے گا؟ اگر کوئی شخص اس بارے میں سوچے ہی تو بابو لوگ اسے پاگل قرار دے دیں گے اور اس کے دیوانہ ہونے کے بارے میں کسی مسٹر کو شک نہیں ہوگا

لیکن میرے دوستو! سن لو اور کان کھول کر سن لو، آج امریکہ ایک بین الاقوامی غنڈے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر چکی ہیں۔ ہم کمزور سہی لیکن انشاء اللہ وہ وقت بہت قریب ہے جب دنیا بھر کے ستائے ہوئے انسان امریکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ان حملہ آوروں میں پاکستانی بھی شامل ہوں گے۔

تو جیسے ہم امریکیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اسی طرح عرب بھی اپنے آپ کو رومیوں کے مقابلے میں بہت کمزور سمجھتے تھے اور اس چیز نے ان کے دماغ بہت اونچے کر دیئے تھے، ان کے تکبر اور نخوت کا اندازہ آپ اسی بات سے لگائیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے اپنے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بصری کے حاکم شرجبیل کے پاس بھیجا تو اس نے میرے آقا کے سفیر کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا حالانکہ سفیروں کو قتل کرنے کا کسی بھی ملک اور کسی بھی معاشرے میں دستور نہیں تھا شرجبیل تو قیصر روم کا چھوٹا سا دُم چھلا اور چمچہ تھا جب اس کے دماغ میں اتنا خناس اور اتنا تکبر بھرا ہوا تھا تو قیصر کے خناس کا اندازہ آپ خود لگالیں اور ذرا خناس ہی نہ تھا قیصر کے پاس طاقت تھی، دولت تھی، دنیا کی سب سے بڑی منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی، اسلحہ تھا، جنگ کا تجربہ تھا، حوصلہ تھا، ہمت اور اعتماد تھا۔ وہ حال ہی میں کسریٰ کو شکست دے کر آیا تھا، جب اس نے سنا کہ دنیا میں میرے علاوہ ایک نئی طاقت بھی ابھر رہی ہے اور وہ عرب جو ہمیشہ سے قبیلوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہے ہیں وہ منظم

مجبور ہے ہیں تو اس نے سوچا کہ اس طاقت کو ابھرنے سے پہلے دبا دیا جائے۔ ویسے وہ شرجیل موتہ کے مقام پر مسلمانوں سے زخم اٹھا چکے تھے ان زخموں کا بدلہ لینا بھی ضروری تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ نے دفاعی جہاد کے بجائے اقدامی جہاد کا فیصلہ کیا تاکہ لوگوں کے دلوں سے مادی سپر پاور کا رعب اور خوف نکل جائے۔ آپ تو دنیا میں آئے ہی اس لیے تھے تاکہ انسانوں کو یہ باور کرا دیں کہ سپر پاور صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب زیرو ہیں۔ چین زیرو، فرانس زیرو برطانیہ زیرو —— لیکن حیرت ہے اس بات پر کہ آج کا زوال پذیر مسلمان ان میں سے بہت سوں کو سپر پاور سمجھتا ہے اور اس کے عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سپر پاور ہونے کا یقین اس کے دل سے نکل چکا ہے

وہ مسلمان جو نماز کی ہر رکعت میں اللہ اکبر کہتا ہے اس کے دل سے اللہ کی کبریائی کا یقین نکل چکا ہے۔

مقابلہ ایثار

اللہ کے نبی روم اور ایران کو خدائی طاقت کے مقابلے میں پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے تھے لیکن بہرحال ظاہری اسباب کا اختیار کرنا بھی ضروری تھا آپ نے چندے کی اپیل کی صحابہ نے اپنے اپنے انداز میں اس اپیل کے جواب میں لبیک کہا حضرت عمرؓ کا ان دنوں کاروبار عروج پر تھا دل میں خیال آیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے معاملے میں آج ابوبکرؓ سے سبقت کا بہترین موقع ہے۔ گھر گئے اور گھر کی ہر چیز کو

مساوی تقسیم کیا اور آدھا حضرت آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے آقا نے پوچھا عمر! اہل وعیال کے لیے کتنا چھوڑ کر آئے۔ جو عرض کیا آدھا ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور آدھا آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی اپنا مال ومتاع لے کر حاضر ہو گئے۔ پوچھا ابوبکرؓ بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا آقا جو کچھ تھا یہاں لے آیا ہوں اور بیوی بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ عمرؓ بے اختیار کہہ اٹھے ابوبکرؓ تم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا

کہنے والے نے غالباً اسی موقع کی مناسبت سے سیدھے سادے انداز میں کہا ہے

پروانے کے لیے چراغ اور بلبل کیلئے پھول بس
ابوبکرؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ، سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کر دیئے ان کا عطیہ سب سے بڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے اور دعا فرمائی۔

"اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا تو بھی راضی ہو جا"

پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: لوگو! تم بھی عثمانؓ کے لیے دعا کرو

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم پیش کیے دینے والوں نے اتنا دیا کہ مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر لگ گیا۔

وہ کیسے لوگ تھے

ہر شخص اپنی بساط کے مطابق جیش عسرہ کی تیاری میں حصہ لے رہا تھا ان کے ایثار

اور تڑپ کے عجیب و غریب واقعات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیے ہیں. ان واقعات کو بار بار پڑھیے اور سنیے اور ایمان تازہ کیجیے

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے ان کے دل میں بھی "جیش العسرۃ" کی تیاری میں حصہ لینے کا خیال آیا لیکن پاس کچھ بھی نہ تھا. انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے کھیت کو کنویں سے ڈول کھینچ کھینچ کر سیراب کیا صبح ہوئی تو یہودی سے تقریباً چار سیر کھجوریں مزدوری کے طور پر دیں. انہوں نے دو سیر بیوی بچوں کے لیے چھوڑیں اور باقی دو سیر لے کر حضور کرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن جب مسجد نبوی کے صحن میں داخل ہوئے تو مال و متاع کا ڈھیر دیکھ کر جھجک گئے. اپنی کھجوروں کی پوٹلی حقیر سی محسوس ہوئی.

یتیموں کے آقا، غریبوں کے آقا، مزدوروں کے آقا، کمزوروں کے آقا نے دیکھ لیا اور بھانپ لیا کہ میرے مخلص جانثار کے قدم کیوں رک گئے ہیں فرمایا: ابو عقیل یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! رات بھر مزدوری کا کچھ حصہ مدد کرنے کی نیت سے لایا تھا لیکن یہ ڈھیر دیکھ کر ہمت نہیں ہو رہی.

میں قربان جاؤں کائنات کے آقا کی دل جوئی اور دلداری کے انداز پر. آپ نے حکم دیا: اے لوگو! ابو عقیل کی یہ کھجوریں سارے ڈھیر کے اوپر بکھیر دو چنانچہ ایسے ہی کیا گیا.

میرے آقا نے بتا دیا کہ لوگو! عطیے کی مقدار نہ دیکھو دینے والے

کے اخلاص کو دیکھو، اس کے نیک جذبے کو دیکھو۔ اس کی سچی تڑپ کو دیکھو۔ منافقین کا گروہ بھی عجیب تھا اگر کوئی صحابی زیادہ مال لاتا تو کہتے ریاکار ہے۔ اگر کوئی تھوڑا لاتا تو کہتے لو خدا اس کے عطیے سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کی آگ میں جلنے والے ان کم ظرف لوگوں کا ذکر اپنی مقدس کتاب میں یوں کیا ہے :

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (التوبہ۔ آیت ۷۹)	جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں ہیں۔ ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حسرت کے آنسو ایک اور واقعہ سنیے سات مفلس مگر مخلص مومن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا اے اللہ کے نبی! جہاد میں حصہ لینے کا بہت شوق ہے لیکن سواری خریدنے کی طاقت نہیں اگر سواری کا انتظام ہو جائے تو ہمیں بھی جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اونٹ نہیں جو تمہیں دے دوں۔

اللہ اکبر! کچھ نہ پوچھئے کہ ان مخلصوں کے دل پر کیا گزری، رات بھر روتے رہے اور عالم الغیب والشہادۃ سے باتیں کرتے رہے کہ الٰہ! آج اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خرچ کرنے کا موقع آیا ہے اور ہمی

اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں لیکن ہم نا داروں کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو تیری راہ میں دے سکیں، یا اللہ ایسے موقع کے لیے تو کچھ دیا ہوتا

وہ میرے اللہ! میں تیری رحمت پر قربان، تو نے رات کی تاریک تنہائیوں میں مبارک آنکھوں سے گرنے والے ان آنسوؤں کا ذکر اپنی دائمی کتاب میں کرکے ان آنسوؤں کو بھی افتخار بخش دیا۔ سورہ توبہ کی آیت ۹۲ میں ہے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ (التوبہ آیت ۹۲)	اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے تو تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ صحابہ نے ان سات رونے والوں کو دیکھا تو ان کا دل بھر آیا چنانچہ حضرت یامینؓ حضرت عباسؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیا۔

قبولیت توبہ سے زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کعب بن زید کا واقعہ لکھا ہے کہ دل میں جہاد کی تڑپ تھی مگر جب حالات میں وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جہاد کی ترغیب سنتے تو آنکھیں بے اختیار بہنے لگتیں دل تڑپنے

لگتا۔ دیکھ رہے تھے کہ کئی آ رہے ہیں سوا ریاں مانگنے والے مگر بارگاہ نبوی سے مایوس لوٹ رہے ہیں، سوچا بارگاہِ نبوی نہیں، تو بارگاہِ الٰہی ہی سہی، وہاں تو درخواست پیش کر کے دیکھوں۔ چنانچہ تہجد کے وقت کھڑے ہو گئے اور عجیب انداز میں اپنی درخواست مجیب الدعوات کے حضور پیش کر دی۔ عرض کیا:

"اے اللہ! آج جہاد کا عمل درپیش ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دے رہے ہیں اور میں بالکل تہیدست ہوں۔ خود حضور کے پاس بھی کچھ نہیں کہ وہ میری مدد کر سکیں۔ اے میرے مالک و خالق! میرے پاس میری عزت اور جان کے سوا کچھ نہیں میں تیری راہ میں اسی کا صدقہ دیتا ہوں تو اپنے فضل سے اسے قبول فرمالے۔

نماز فجر کے بعد امام اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حاضرین سے سوال کیا تو حضرت علیہ بن زید رضی اللہ عنہ ڈرتے ڈرتے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: "علیہ خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تیرا صدقہ اللہ تعالےٰ نے قبول فرما لیا ہے"۔

اے کاش محترم سامعین! سارے صحابہ کے واقعات ہی بڑے عجیب ہیں ان میں سے کس کس صحابی کا تذکرہ کروں، غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ تھے ان میں سے ایک حضرت ذو البجادین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بجاد کپڑے کو کہتے ہیں اور ذو البجادین کا معنی ہے دو کپڑوں والا۔ اور ان کو ذو البجادین اس سے کہتے ہیں کہ جب انھوں نے ایمان قبول کیا تو

ان کے چچا نے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ مال و متاع چھین لیا۔ سواری چھین لی اور حد یہ کہ بدن کے کپڑے بھی چھین لیے، ماں کو اپنے ننگے بیٹے پر ترس آیا اس نے ایک کمبل دیدیا، انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے آدھے کا تہبند بنایا اور آدھا اوپر سے اوڑھ لیا اور مکہ سے پیدل چلتے ہوئے سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کون ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول! میرا نام عبد العزیٰ تھا۔ لات و عزیٰ کا پجاری تھا اور اب موحد ہو گیا ہوں۔

اللہ اکبر! یہ جواب ان کی رگ رگ سے صدق آرہا تھا۔ وہ واقعی موحد ہو گئے تھے، اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ آئے تھے وطن چھوڑ دیا۔ قوم چھوڑ دی۔ خاندان چھوڑ دیا۔ رشتے دار چھوڑ دیئے۔ مال و متاع، مکان اور جائیداد چھوڑ دی یہاں تک کہ لباس بھی چھوڑ دیا۔ مشرکوں سے کہہ دیا کہ خوب لے لو جو کچھ لینا ہے۔ میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن ایمان نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج سے تمہارا نام عبد اللہ اور لقب ذو البجادین ہے۔

جب اسلامی لشکر تبوک روانہ ہوا تو حضرت عبد اللہ بھی اس میں شامل ہو گئے اور آقا کے حضور عرض کیا کہ میرے لیے شہادت کی دعا فرمادیجئے آقا نے بیکر کے درخت کی چھال لیکر ان کے ہاتھ پر باندھ دی اور فرمایا اے اللہ! میں اس کا خون دشمنوں پر حرام کرتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! آپ نے یہ کیا کر دیا میں تو شہادت کی آرزو لیکر آیا ہوں، آپ نے فرمایا اگر انسان جہاد کے راستے میں طبعی موت

مرجائے تو وہ بھی شہید ہوتا ہے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت ذوالبجادین کو راستے میں بخار ہو گیا اور وہ اسی بخار میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو خود قبر میں اتارا اور تدفین کے بعد دعا فرمائی "اے اللہ! میں اس سے خوش تھا تو بھی راضی ہو جا!" حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ دعا سنی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ اے کاش اس قبر میں لٹایا جانے والا میں ہوتا۔

لشکر اسلام یہ تو ان مخلص صحابہ کے جذبات تھے وہ چاہتے تھے کہ زندگی نصیب ہو تو اللہ کی رضا والی اور موت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ اور رسول کی رضا والی۔

ان میں سے ایک ایک کی آرزو یہی تھی کہ مجھ سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو آپ سوچئے کہ مشکل حالات میں کوئی ایک بھی لشکر میں جانے کے لیے تیار ہوتا؟

حالت یہ تھی کہ موسم انتہائی گرم تھا، آسمان انگارے برسا رہا تھا اور زمین توے کی طرح تپ رہی تھی کھجوریں پکی ہوئی تھیں جو کہ ان کا ایک بڑا ذریعہ معاش تھا۔ مقابلہ اس وقت کی سپر پاور سے تھا، سات سو میل کا سفر تھا ایک سواری کئی کئی مجاہدوں کے حصے میں آئی تھی، فقر وفاقہ عروج پر تھا۔ اس لیے تو اس غزوہ کو "غزوۃ العسرۃ" اور اس لشکر کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان ساری تکلیفوں اور رکاوٹوں کے باوجود تیس ہزار مجاہدین، اسلام کی عظمت اور حفاظت

پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ صرف منافق تھے جو پیچھے رہ گئے مسلمانوں کے اسی جوش اور جذبے کا نتیجہ تھا کہ رومی ہمت ہار گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر حملے کا ارادہ ترک کر کے پسپائی اختیار کر لی۔ چونکہ اس غزوہ کا اصل مقصد یہی تھا کہ رومیوں کو مرعوب کر دیا جائے تاکہ انہیں اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو اور یہ مقصد حاصل ہو چکا تھا اس لیے سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی ملک میں گھس کر ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تبوک میں کئی راتیں گزار کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔

امتحان اور کامیابی | آپ خیر و عافیت سے مدینہ پہنچ گئے تو منافقین خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے شریک نہ ہونے کے بارے میں جھوٹے عذر پیش کرنے لگے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی لیے اس سورت کو "سورۃ الفاضحہ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سورت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے بے حد رسوا کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق کی بنا پر انہیں نہ تو کوئی سزا دی نہ ہی انہیں ملامت کی اور نہ ہی انہیں یہ فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ صرف تین مخلص مسلمان ایسے تھے جنہیں سزا ملی اور سزا بھی ایسی کہ ان پر زندگی کی ایک ایک گھڑی سالوں پر بھاری ہو گئی۔

حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم یہ تینوں مخلص مسلمان تھے، بدری صحابہ میں سے تھے لیکن ان سے سستی اور کوتاہی ہو گئی یہی سوچتے رہے کہ آج چلے

جائیں گے کل جائیں گے۔ اس آج اور کل کے چکر میں ہم پڑے رہے۔ یہ آج اور کل کا چکر بھی عجیب فریب ہوتا ہے۔ آج کا کام آج ہی کرنا چاہئے کل پر کسی بھی چھوڑنا چاہیے ورنہ وقت بہت آگے نکل جاتا ہے اور انسان پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ وقت تو کسی کا انتظار نہیں کرتا ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی لشکر میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے، دو بیویاں تھیں، دونوں نے سخت گرمی میں ٹھنڈے سائبان میں ان کے لیے بستر تیار کر رکھا تھا، دسترخوان بچھا ہوا تھا، دسترخوان پر کھانے پینے کی نعمتیں چنی ہوئی تھیں حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ باہر سے واپس آئے تو گھر کے دروازے پر رک گئے، بیویاں کہہ رہی ہیں ابوخیثمہ اندر آؤ یہاں راحت ہی راحت ہے، ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہے، عیش ہی عیش ہے لیکن ضمیر کہہ رہا ہے ابوخیثمہ! اس جھلسا دینے والی گرمی میں تیرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مصروف جہاد ہوں اور تو اس ٹھنڈی جھونپڑی میں دنیا کے مزے لوٹ رہا ہو کیا یہ مناسب ہے؟ اس خیال کا آنا تھا کہ بیویوں سے کہہ دیا میں تبوک جا رہا ہوں۔ اونٹ پر بیٹھے اور تیزی سے سفر طے کرتے ہوئے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا "ابوخیثمہ مبارک ہو تم ہلاکت کی گود سے نکل آئے ہو"(۳)

تو دوستو! بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی غلطی کوتاہیوں کا تدارک اپنی قربانی اور چستی سے کر لیا کرتے ہیں لیکن وہ تینوں مخلص صحابہ ایسا نہ کر سکے، حالانکہ مخلص تھے، بدر کے شرکاء میں سے تھے جن کی فضیلت مسلّم ہے لیکن بعض اوقات بڑوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے

اور چونکہ وہ بڑے لوگ تھے، معتبرین میں سے تھے اس لیے انہیں سزا بھی بڑی دی گئی ورنہ جو چھوٹے لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا تھا، نہیں تو اللہ کے نبی نے کچھ بھی نہیں کہا، کسی نے کہا پیٹ میں درد تھا، کسی نے کہا مجھے قبض تھی، کسی نے کہا بی بی بیمار تھی، کسی نے کہا بابا بیمار تھا، کسی نے کہا میں، اصل میں دل پھینک انسان ہوں جہاں حسن نظر آتا ہے میں ڈھیر ہو جاتا ہوں اور چونکہ رومی عورتیں خوب صورت ہوتی ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو حسن کے تیر دل سے مجھ ناچیز کا کلیجہ چھلنی ہو جائے گا، ویسے تو میں بڑا عابد، بڑا مجاہد اور بڑا جانثار ہوں لیکن میرے ساتھ مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہرجائی واقع ہوا ہوں۔

سچ بولنے والے تو منافقوں نے جھوٹ بول بول کر اپنی جان چھڑالی لیکن وہ جو مخلص تھے انہوں نے سچ بول دیا کہ اے اللہ کے رسول کوئی عذر نہ تھا بس کوتاہی ہوگئی آپ نے فرمایا تو جاؤ پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ ادھر اللہ کے نبی نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی بھی ان تینوں سے بات چیت نہ کرے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں وہ وقت بھی بڑا عجیب تھا ہر مسلمان نے ہم سے قطع تعلق کرلی، اگر میں کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنا رخ پھیر لیتا، زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا، سارا مدینہ بدل گیا ہم اپنوں ہی میں اجنبی بن کر رہ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہاں ہمارا کوئی جاننے والا ہی نہیں، سگے رشتہ دار بھی چھوڑ گئے۔

فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ میرا چچازاد بھائی تھا ہماری آپس میں بڑی دوستی اور بڑی محبت تھی میں ایک دن اس کے باغ میں گیا اور اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب ہی نہ دیا مجھے بڑا دکھ ہوا میں نے کہا ابوقتادہ تم میرا خون ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں، پھر تم میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے میری ساری گفتگو سن کر بھی ابوقتادہ خاموش رہے اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ میں نے تیسری بار، تمہیں اللہ کی قسم دے کر سوال کیا تو ابوقتادہؓ نے جواب میں صرف یہ کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ جواب سن کر تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو میرے ایمان کی تصدیق کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

یہ وقت بھی دیکھنا تھا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ مجھے ایک تاجر نے غسان کے عیسائی بادشاہ کا خط پہنچایا جس میں اس نے لکھا تھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے آقا اور اس کے ساتھی تم پر زیادتی کر رہے ہیں تم خط ملتے ہی میرے پاس آ جاؤ، یہاں تمہیں نوازا جائے گا اور تمہیں عزت دی جائے گی۔ خط پڑھ کر میری زبان سے بے اختیار اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نکلا اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال۔ یا اللہ کیا میں اب ایسا گرا پڑا

ہو گیا ہوں کہ کافر میرے ایمان کا سودا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے وہ خط لے کر جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور قاصد سے کہا یہ ہے تیرے بادشاہ کے خط کا جواب:

میرے ایمان کا سودا کرتے ہو؟ اور ستانی درباری عزت کا لالچ دیتے ہو؟ تم کافر کیا جانو کہ ہم مسلمانوں کی نظر میں مدنی آقا کی غلامی کے مقابلے میں دنیا کے بادشاہوں اور ان کا وقت مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ کہاں غسان، کہاں مدینہ کا شاہ۔ کہاں عیسائی سرکار، کہاں مدنی آقا کا دربار، کہاں کفر کی ملاقات، کہاں ایمان کی حلاوت، کہاں شیطان کی عبادت کہاں رحمٰن کی اطاعت

مسلمانوں کے بائیکاٹ کو چالیس دن گزر گئے تو نیا حکم یہ آیا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاؤ۔

میرے بزرگو اور دوستو! صحابہ حقیقت میں علم کے مستند تھے۔ عجیب انسان تھے وہ۔ ان کے رگ و ریشہ میں ایمان ایسا رچا بسا تھا کہ وہ بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔

جب بیویوں سے علیحدہ ہونے کا حکم آیا تو حضرت کعبؓ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے سوال کیا کہ بیوی کو طلاق دے دوں؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں یہ مقصد نہیں۔ بس علیحدہ ہو جاؤ۔

کیسا سخت امتحان تھا جس سے وہ دوچار ہو گئے تھے لیکن یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ اس سخت امتحان میں بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ اب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ غم دل و جان کو کھائے

جارہا تھا کہ اگر اسی حالت میں میرا انتقال ہو جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میری نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اور اگر خدانخواستہ آقا کا انتقال ہو گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا اور قیامت تک کوئی مسلمان بھی مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کرے گا۔

آزمائش اور آسائش جب پچاس دن گزر گئے آزمائش کے دن ختم ہو گئے اور آسائش کا دور شروع ہو گیا۔ یہ تینوں صحابہ جس طرح امتحان کے دنوں میں مرکزِ اسلام سے وابستہ رہے تھے اس وابستگی نے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا وقار بڑھا دیا اور ایسا بڑھا دیا کہ ان کی توبہ کا اعلان خود رب العالمین نے کیا اور ایسے اعلان نہیں کیا کہ صرف اپنے نبی کے دل میں الہام کر دیا ہو بلکہ باقاعدہ آیات نازل ہوئیں تاکہ قیامت تک مسلمان ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں اور نصیحت حاصل کرتے رہیں کہ جو مخلصین آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں انہیں یوں نوازا جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ہمارے جیسے جو ماڈرن عاشق اور دیوانے ہوتے ہیں وہ جب تک کھانے پینے کو ملتا رہے چمٹے رہتے ہیں اور جب ذرا تکلیف پہنچتی ہے تو راستہ بدل لیتے ہیں ؎

اک ذرا سی بات میں برسوں کے یارانے گئے
مگر اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں پچاسویں دن

فجر کی نماز پڑھ کر غمگین سا ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا کہ پکارنے والے نے کوہ سلع کی چوٹی پر چڑھ کر زور سے پکارا اے کعبؓ بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی میں یہ آواز سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برسنے لگی، جس شخص نے سب سے پہلے آکر مجھے خوشخبری سنائی میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے ہدیہ کر دیئے اور بعد ابوقتادہ سے کپڑے مانگ کر اپنے آقا اور محبوب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا:

"جب سے تم نے جنم لیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک تمہاری زندگی میں آج سے بہتر دن نہیں گزرا"

حضرت کعبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟

حضور نے فرمایا یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔

حضرت کعبؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول توبہ قبول ہونے کی خوشی میں میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا نہیں سارا نہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لو۔

حضرت کعبؓ نے عرض کیا مجھے اللہ تعالےٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس پریشانی سے نجات دی ہے، میرا عہد ہے کہ میں ساری زندگی سچ کے سوا کچھ اور نہیں بولوں گا۔

خطا کاروں کی دلجوئی میرے دوستو! اگر ایک طرف ان تین مخلص مومنوں کی استقامت بے مثالی تھی تو دوسری طرف

ربّ العالمین کی دلجوئی اور قبولِ توبہ کا انداز بھی دیکھئے

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں خوش نصیبوں کی قبولِ توبہ کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے نبی کی توبہ اور مہاجرین وانصار کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کیا، فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (التوبہ: ۱۱۷)

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے

اور ان حضرات کے بعد پھر ان تینوں حضرات کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کیا، فرمایا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں، بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

بعض حضرات نے اس ترتیب میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر صرف ان تینوں کی توبہ کا ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ احساسِ کمتری اور تنہائی کا شکار ہو جاتے۔ اس لیے کریم و رحیم ربّ نے دوسرے ایمان والوں کو

بھی ثابت کر لیا پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ان حضرات کی معافی کا اعلان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرما دیا
إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

رہے یہ مت سمجھو کہ اللہ نے صرف ان تینوں ہی کو معافی دی، بلکہ جو خطا کار بھی اس کے سامنے ندامت کے آنسو بہاتا اور سچے دل سے گڑگڑاتا ہے تو وہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے اس لیے کہ وہ جس طرح کے ساتھ تواب بھی ہے اور رحیم بھی۔ یعنی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان۔

آؤ میرے دوستو۔ ہم بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اپنے انفرادی گناہوں پر بھی روئیں اور اجتماعی گناہوں پر بھی آہ و زاری کریں۔ یہ جو ہم نے جہاد کا عمل چھوڑ رکھا ہے اور مشرق سے مغرب تک مسلمان مادیت کے سیلاب میں ڈوبے ہوئے اور غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں تو یہ بھی جرم ہے۔

ہم سے پہلوں نے جہاد سے پہلو تہی کی تو وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور ہمیں بھی وراثت میں یہی زنجیریں دے گئے اگر ہم نے بھی اس جرم پر اصرار کا سلسلہ جاری رکھا تو ہمارا اور آنے والی نسل کا مقدر بھی یہی غلامی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی غزوہ تبوک کے مجاہدین جیسا جذبۂ جہاد، ان جیسی محبت و طاعت اور ان جیسی استقامت وعزیمت نصیب فرمائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو جیسے کل کی سپر پاور نے گھٹنے ٹیکے تھے آج کی سپر پاور بھی گھٹنے ٹیکے گی۔

محترم حاضرین! غزوۂ تبوک وہ آخری غزوہ ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی۔ اس غزوہ کے بعد آپؐ نے حج فرمایا اور پھر سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرمادی اسلیے انشاء اللہ اگلے جمعہ حجۃ الوداع اور اس کے بعد آپؐ کے سفرِ آخرت کا بیان ہوگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حجۃ الوداع

میں شش جہت کی فضا کو جلووں سے تیرے لبریز دیکھتا ہوں
تیرے محبت بھرے فسانے کو زندگی خیز دیکھتا ہوں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے اقوال خود بخود منہ سے بولتے ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احوال خود دلوں کو ٹٹولتے ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ جہاں کے ویرانے تیرے قدموں سے گلستاں ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دیوانے علم و حکمت کے پاسباں ہیں
میں ان مناظر کو دیکھتا ہوں، دمک رہی ہیں مری نگاہیں
دمک رہی ہیں، چمک رہی ہیں، مہک رہی ہیں مری نگاہیں

علامہ تاجور نجیب آبادی

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی شریعت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور اس عمارت کے کسی معمار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس دعویٰ کی سعادت حاصل ہوئی، عرب و عجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کروا دیا کہ لوگو میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اب تمہارے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آنے کا۔ جو پیغام دوسرے انبیاء لے کر آئے وہ ان کے زمانہ کے لیے تھا خاص قوم کے لیے تھا۔ خاص وقت کے لیے تھا

یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں۔ میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجمیوں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔"

حجۃ الوداع

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (آل عمران)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔ اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حج اسلام کا چوتھا رکن ہے وہ ہر صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے۔ یہ کوئی ایسی اختیاری عبادت نہیں ہے کہ جو چاہے کرلے اور جو چاہے نہ کرے۔ بلکہ جو شخص سفر اور رہائش وغیرہ کے اخراجات برداشت کرسکتا ہو اس پر حج کرنا لازم ہے۔

حج کے بارے میں ہمارے ہاں عجیب تصورات پائے جاتے ہیں بعض لوگ اسے محض عقیدت و محبت کا سفر سمجھتے ہیں جیسے کئی لوگ مزارات وغیرہ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو حج کو بھی اسی قسم کا

ایک سفر کہتے ہیں جہالت کی انتہا ہے کہ ایک صاحب نے بتایا کہ ان
کے سامنے ایک جاہل کہنے لگا کہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
روضہ ہے اور مکہ میں (معاذ اللہ) اللہ کا روضہ ہے مگر آج میرا موضوع
نہیں ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر حج کی اہمیت و فضیلت کے بارے
میں تفصیلی بات ہوگی۔ آج تو اصل میں سیرت کے حوالے سے جو گفتگو
کئی ہفتوں سے مسلسل چل رہی ہے اسی گفتگو کو بڑھاتے ہوئے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور
جیسا کہ یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ کتابی انداز میں ساری
جزئیات بیان کرنا میرا مقصد نہیں ہے بلکہ صرف سیرت کی نمایاں جھلکیاں
دکھانا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے خزاں زدہ دلوں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کی بہار آئے اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بھی پیدا ہو۔
محترم حاضرین! حج تو ۹ھ میں فرض ہو گیا تھا لیکن فرضیت
کے فوراً بعد آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ اس وقت آپ نے حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حجاج کا امیر بنا کر بھیج دیا اور ان کے بعد
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ جا کر سورۃ برأت سنادیں اور
یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو بیت اللہ میں داخل
ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی شخص ننگا ہو کر
بیت اللہ کا طواف کر سکے گا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو حج کی اجازت عطا فرمائی تو ۱۰ھ میں آپ نے حج کا
ارادہ فرمایا۔
اس حج کو حجۃ البلاغ کہتے ہیں کیونکہ آپ نے امت تک دین

پہنچا دیا تھا اور امت نے اس کے پہنچانے کی شہادت بھی دے دی۔

اس حج کو حجۃ الاکمال بھی کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کی آیت نازل فرمائی۔

اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے، کیونکہ آپ نے اس حج میں اپنی امت کو الوداع کہا اور صاف صاف فرما دیا کہ مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید میں اگلے سال حج نہ کر سکوں۔

بے شمار لوگ

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو آپ کے ارادے کی اطلاع دور دور تک پہنچ گئی اور بے شمار لوگ حج میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حج کے لشکر میں اتنے لوگ شامل ہو گئے جن کا شمار کرنا مشکل تھا۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے لوگ ہی لوگ تھے۔ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چوالیس ہزار افراد آپ کے ساتھ تھے۔

آپ ذوالقعدہ کی پچیس تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے تلبیہ کی آوازوں نے ایک سماں باندھ دیا

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ. لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

یہ تلبیہ بھی عجیب ترانہ ہے۔ اس میں محبت کا اظہار بھی ہے، وفاداری کا اقرار بھی ہے۔ جب حجاج کرام آواز ملا کر تلبیہ پڑھتے ہیں تو ایمانی جذبات بیدار ہوتے ہیں اور مُردہ دلوں پر بہار آ جاتی ہے۔

آٹھ دنوں کا سفر کر کے دین کے پروانوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کا یہ قافلہ مکۃ المکرمہ میں داخل ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں چار روز قیام فرمانے کے بعد آپ منیٰ تشریف لے گئے اور منیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے بعد آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

تاریخی خطبہ

عرفہ میں آپ نے زوال آفتاب کے بعد ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی۔ یاایھا الناس انی لا ادری و انا کم نجتمع فی ھذا المجلس ابدا لوگو! میرا خیال ہے کہ میں اور تم اس مجلس میں دوبارہ کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے

یہ ایسی اطلاع تھی جس کے ذریعے آپ اپنے سچے عاشقوں کو اپنی جدائی اور وفات کے عظیم صدمے کو برداشت کرنے کے لیے تیار فرما رہے تھے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور ان کے دلوں پر قیامت گزر گئی

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی:

ان دماءکم و اموالکم	لوگو، جیسے عرفہ کا دن حرمت والا
واعراضکم حرام علیکم	ہے جیسے مکہ کا شہر حرمت والا ہے
کحرمۃ یومکم ھذا	جیسے ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والا ہے
فی بلدکم ھذا	اسی طرح تمہارے خون، تمہارے
فی شھرکم ھذا	مال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت
	والی ہیں۔

لوگو: عنقریب تمہیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہوگا وہ اللہ

تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔

آج امت اس حکم کو فراموش کر چکی۔ مسلمان امت واحدہ نہیں رہے بلکہ فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکے۔ مذہبی، لسانی اور جماعتی اختلافات نے امت کو تقسیم سے دوچار کر دیا ہے

روشنی یا تاریکی

الا کل شئ من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع لوگو! میں جاہلیت کی ہر بات کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ ہاں ظلمت کا دور گزر چکا اب تو روشنی کا دور ہے۔

جاہلیت کا دور گزر چکا اب تو علم کا دور ہے
تنزل کا دور بند ہو گیا اور ترقی کا دروازہ کھل گیا ہے۔
ضلالت کے دن بیت چکے اور ہدایت کے شب و روز شروع ہو چکے۔

دنیا میں میرے آقا کے آنے سے روشنی اور ترقی کا دور شروع ہوا لیکن کم عقل انسانوں کی حماقت و سفاہت کو دیکھیے کہ یہ کم ظرف، کم فہم اور کم نظر لوگ میرے آقا کے دور کو تاریکی کا دور کہتے ہیں۔

اللہ کا کوئی بندہ ان ظلمت پرستوں سے پوچھے تو سہی کہ ظالمو! کیا تم شہوت پرستی کو روشنی کہتے ہو؟ نسوانیت کی تذلیل کو روشنی کہتے ہو؟ شراب نوشی اور بدکاری کو روشنی کہتے ہو؟ بے گناہ انسانوں پر بم گرانے کو روشنی کہتے ہو؟ قوموں

دور ملکوں کو سر راہی زنجیروں میں جکڑنے کو روشنی کہتے ہو؟
بے نسب بچوں کی ولادت کو روشنی کہتے ہو؟ سود، جوا، سٹہ
اور حرام خوری کو روشنی کہتے ہو؟ بہن، بیٹی اور ماں کے ناچنے
اور تھرکنے کو روشنی کہتے ہو؟
یہ روشنی ہے یا تاریکی ہے؟
روشنی کا دور تو میرے آقا کا دور تھا، میرے آقا کے غلاموں
اور غلاموں کے غلاموں کا دور تھا۔
جس دور میں انسان کی گردن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں
جھکتی تھی
جس دور میں عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے عزت
ملی، محبت ملی، شفقت ملی۔
جس دور میں کوئی انسان بھوکا نہیں سوتا تھا، کوئی مظلوم
دادرسی سے محروم نہیں رہتا تھا، کسی قوم کو رنگ یا زبان کی وجہ
سے نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، کوئی ڈاکو اور بد معاش
سر اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ جسے تم روشنی کہتے ہو، یہ روشنی
تو زمانہ جاہلیت میں بھی تھی لیکن اسے روشنی صرف وہ لوگ سمجھتے
تھے جو دن کے اجالے میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ روشنی
چمگادڑوں کی روشنی تھی جو صرف اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں۔
ارے احمقو! یہ ضلالت و بغاوت کل روشنی تھی نہ آج
روشنی ہے۔ یہ تو ظلمات کل بھی ظلمت تھی اور آج بھی ظلمت ہے اور اسی
ظلمت کو مٹانے کے لئے آقا نے اپنی تیئیس سال کی جان گسل محنت سے تم

کر دیا اور ہر شہر، ہر محلے اور ہر بستی میں ہدایت کے چراغ روشن
کر دیئے۔

میرے آقا نے جاہلیت کی ہر رسم کو اور ہر نشانی کو ختم کر دیا
اور یہ حق صرف آپ ہی کو پہنچتا تھا کہ آپ یہ دعویٰ فرمائیں کہ :
کل شیئ من امر الجاھلیۃ — جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے
تحت قدمی موضوع — قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔
میں جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں، اب انتقام
در انتقام کا سلسلہ نہیں چلے گا
میں جاہلیت کے سارے سود ختم کرتا ہوں، اب سود در سود
کے معاملات نہیں ہوں گے اور ان دونوں باتوں کا آغاز میں
اپنے خاندان سے کرتا ہوں۔
میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں، اس کا انتقام
نہیں لیا جائے گا۔ اور عباس بن عبد المطلب کا سود معاف کرتا
ہوں۔
یہ بھی میرے آقا کی زندگی کہ جو کچھ کہا اس پر سب سے پہلے خود عمل
کر کے دکھایا۔
چوتھی بات جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ
فاتقوا اللہ فی النساء فانکم — لوگو! خواتین کے بارے میں اللہ
اخذتموھن بامان اللہ۔ — سے ڈرتے رہو، تم نے اللہ کے نام
کی ذمہ داری سے ان کو بیوی بنایا ہے
تمہارا بھی عورتوں پر حق ہے۔ اور عورتوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے

حقوق کے نام پر عورتوں کو بے وقوف بنانے والے لوگ

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں ، ورنہ عورتوں کے بارے میں آپ کی تعلیمات کو دیکھیں پھر وہ جان سکتے ہیں کہ عورت کیا ہے اور عورت کے حقوق کیا ہیں ورنہ آج کی عورت کے ذہن میں تو بس یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا حق بے پردگی ، عریانیت اور مردوں سے آزادانہ میل جول ہے ۔

یہ جو مغرب پرست کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام عورتوں کے حقوق غصب اور سلب کرتا ہے تو یہ بات وہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسلام عورت کو شمع محفل نہیں شمع خانہ بننے کی تلقین کرتا ہے ۔ جب تک عورت شمع خانہ تھی گھروں میں روشنی تھی ، سکون تھا ، محبت تھی ، گھر ایک مدرسہ تھا جس میں تعلیم تھی ، تربیت تھی اصلاح تھی اور جب سے عورت شمع محفل بنی ہے ، ممکن ہے چند عیاش طبع لوگوں کی سوچ کے مطابق محفلوں میں روشنی پھیل گئی ہو مگر بے شمار گھر تاریک ہو گئے ہیں نہ وہاں روشنی ہے ، نہ سکون ہے ، نہ محبت ہے ، نہ مدرسہ ہے ، نہ تعلیم ہے ، نہ اصلاح و تربیت ہے ۔

اللہ کے نبی کو خواتین کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ ہر اہم موقع پر آپ نے اپنے صحابہ کو اس طرف متوجہ فرمایا حجۃ الوداع میں بھی متوجہ فرمایا اور جب آپ سفر آخرت پر روانہ ہونے والے تھے تو اس وقت بھی متوجہ فرمایا ۔

کتاب اللہ پانچویں بات جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ :

وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تم کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ چیز ہے کتاب اللہ!

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کتاب اللہ کو تھامے رکھا وہ ہر طرح کی ضلالت اور ذلت سے بچے رہے لیکن جب مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا تو ضلالتوں اور ذلتوں نے ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا آج جب کہ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں تو سن لیجیے کہ ان فتنوں سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ مسلمان کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لیں

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا لوگو! سنو عنقریب عظیم فتنہ ہونے والا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت فتنہ سے نجات کا ذریعہ کیا ہوگا آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب، اس میں پہلے لوگوں کے احوال بھی ہیں اور آئندہ ہونے والے امور کی بھی خبریں ہیں، یہ کتاب حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ حق ہے، جو متکبر اس کتاب کو چھوڑے گا اللہ اسے ہلاک کر دے گا۔ اور جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالے اسے گمراہ کر دے گا

میرے دوستو! اس عظیم کتاب میں ہدایت ہے۔ نور ہے،

ایمان ہے، رحمت ہے، برکت ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے، اس کتاب میں قوت و طاقت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان ہے۔ اس کتاب کو سینے سے لگانے سے عزت وعظمت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب سے قطع تعلق کرنے سے ذلت و رسوائی نصیب ہوتی ہے۔ آج ہم اس کتاب سے بہت دور ہو چکے ہیں، اکثر تو اسے پڑھتے ہی نہیں، جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عمل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ کتنے کم ہیں جو اس کے تینوں حقوق ادا کرتے ہیں یعنی پڑھتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔

چھٹی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی:

ایها الناس انه لا نبی بعدی و لا امۃ بعدکم۔	لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے اور نہ ہی تمہارے بعد کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔

خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو، اللہ کے گھر کا حج کرو، اپنے والیوں کی اطاعت کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حق ادا کر دیا

ساتویں بات آپ نے یہ فرمائی کہ لوگو! تم سے قیامت کے دن میرے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم تک اللہ کا دین پہنچا دیا یا کہ نہیں، تو بتاؤ کہ تم کیا جواب دو گے؟ آپ نے جب سوال کیا اور مجمع کے کانوں سے ٹکرایا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار کا مجمع

پکار اٹھا:

قد بلغت وادیت ونصحت — آپ نے اللہ کا دین ہم تک پہنچا دیا آپ نے نبوت کا حق ادا کر دیا اور آپ نے کھرے کھوٹے کے بارے میں اچھی طرح بتا دیا۔

اللہ تعالٰے نے سورۃ المائدہ میں اپنے نبی سے کہا تھا۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ — اے ہمارے پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے وہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

اور پھر اللہ کے نبی نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ بہار دیکھی نہ خزاں دیکھی، نہ گرمی دیکھی نہ سردی دیکھی، نہ صحت دیکھی نہ بیماری دیکھی، نہ محبت دیکھی نہ عداوت دیکھی، نہ کالا دیکھا نہ گورا دیکھا، نہ غریب دیکھا نہ امیر دیکھا، نہ غلام دیکھا نہ آقا دیکھا، نہ مکہ دیکھا نہ طائف دیکھی —— ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی فکر، ایک ہی درد، ایک ہی تڑپ اور ایک ہی کوشش کہ کسی طرح اللہ کے بندے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں یہ کفر و شرک کی غلاظت سے نکل کر ایمان کے نور اور ایمان کی طہارت میں داخل ہو جائیں۔ یہ درد آپ پر ایسا چھایا کہ تبلیغ و دعوت کا حکم دینے والے اللہ کو بھی ترس آ گیا اور اس نے اپنے حبیب کی تڑپ دیکھ کر کہا:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ — شاید کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر جان دیدیں گے۔

آپ جب توحید کی دعوت لیکر اٹھے تھے تو اکیلے تھے اور آج صرف عرفات میں سوا لاکھ سے زیادہ فرزندانِ توحید اور کبریائی کا بانگ دہل اعلان کر رہے تھے۔ ایمان غالب آ چکا تھا اور کفر مغلوب ہو چکا تھا

فریضۂ دعوت کے اسی منظر میں جب آپ نے موحدین اور مومنین کے مجمع سے سوال کیا کہ کل قیامت کے روز اگر تم سے میرے بارے میں سوال کیا گیا تو کیا جواب دو گے تو پورا مجمع بے ساختہ پکار اٹھا

قد بلغت وادیت ونصحت

جب پورے مجمع نے گواہی دے دی تو آپ نے انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر مجمع کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا: اللھم اشھد۔ اللھم اشھد، اللھم اشھد

اے اللہ! تو سن لے اور گواہ رہنا کہ تیرے سچے اور مخلص بندے کیا گواہی دے رہے ہیں مجمع سے اقرار کروانے اور پھر مجمع کے اقرار پر اللہ کو گواہ بنانے کے بعد آپ نے لوگوں کو حکم دیا:

الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل بعض من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض من سمعہ

لوگو! سنو جو موجود ہیں وہ ان لوگوں کو تبلیغ کرتے رہیں جو موجود نہیں ہیں ممکن ہے کہ جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے وہ سننے والوں سے زیادہ اس کلام کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

حق تبلیغ میرے دوستو! جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ وہ فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے وطن کا تعلق، کاروباری مصلحتیں اور بیوی بچوں کی محبت کوئی چیز بھی ان کے قدموں کو نہ روک سکی اور افریقہ، چین اور ایشیا کے دور دراز خطوں تک انہوں نے اللہ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچا دیا۔

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مکہ اور مدینہ میں صحابہؓ کی قبریں کم ہیں اور عرب کے دوسرے علاقوں میں ان کی قبریں زیادہ ہیں۔ بلاشبہ صحابہؓ کو بھی مکہ اور مدینہ سے محبت تھی لیکن ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف آپؐ کا حکم تھا۔ انہوں نے حکم کو محبت پر غالب رکھا اور اس حکم کی تعمیل میں ایسے صحراؤں تک جا پہنچے جہاں ان سے پہلے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع کا نام آپ نے سنا ہوگا وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ شمالی افریقہ کے کسی کونے میں ایسی جگہ جا پہنچے جہاں بڑا خطرناک جنگل تھا وہاں انہوں نے مسلمانوں کے لیے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا حضرت یہ جنگل تو اژدھوں، شیروں، چیتوں اور دوسرے مختلف درندوں سے معمور ہے۔ یہاں کیسے شہر آباد کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت عقبہ اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے لشکر میں جتنے صحابہؓ تھے انھیں اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی۔ یہ کل اٹھارہ صحابہؓ تھے۔ ان کے ساتھ

مل کر چلے تو حضرت عقبہؓ نے اللہ تعالےٰ سے خوب گڑگڑا کر دعا کی

اس کے بعد یہ آواز لگائی :

ایتھا السباع والحشرات نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارحلوا عنا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ ۔

اے جنگل کے درندو اور کیڑے مکوڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، ہم یہاں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس اعلان کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے

اللہ اکبر! لوگوں نے عجیب منظر دیکھا، وہ درندے جو عام حالات میں انسان کی زبان نہیں سمجھتے آج اللہ نے انھیں اپنے نبی کے غلاموں کی زبان سمجھا دی اور صرف زبان ہی نہیں سمجھائی بلکہ ان کے دلوں میں مجاہدین کا رعب اور خوف بھی ڈال دیا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جنگل سے نکلے جا رہے تھے یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر بہت سے افریقی مسلمان ہو گئے

یہی حضرت عقبہ بن نافعؓ تھے جو جہاد کرتے کرتے افریقہ کے آخری ساحل پر پہنچ گئے جہاں سے بحر ظلمات نظر آ رہا تھا۔

یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا :

اللّٰھم اشھد انی قد بلغت المجھود ولولا ھذا البحر لمضیت فی البلاد

اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرے دین کی سربلندی اور دعوت میں کوشش کی انتہا کر دی ہے اور

اقاتل من كفر بك حتى لا يعبد احد دونك

اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو میں تیری توحید کا انکار کرنے والوں کے ساتھ قتال کرتا ہوا اور آگے جاتا یہاں تک کہ روئے زمین پر آپ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاتی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں بحرِ ظلمات کی موجوں میں ڈال دیئے اور اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ انہوں نے ہاتھ اٹھا دیئے تو حضرت عقبہؓ نے یہ دعا فرمائی :

اللّٰهم انی لم اخرج بطرًا و لا اشرًا و انك تعلم انما نطلب السبب الذی طلبه عبدك ذو القرنین وهو ان تُعبد ولا یُشرك بك شئ، اللّٰهم انا مدافعون عن دین الاسلام فكن لنا ولا تكن علینا یا ذا الجلال والاكرام

اے اللہ، میں فخر و غرور کی نیت سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم بھی اس مقصد کی تلاش میں ہیں جس مقصد کی تلاش تیرے بندے ذوالقرنین کو تھی وہ یہ کہ صرف تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اے اللہ، ہم دینِ اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں پس تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو یا ذوالجلال والاکرام

یہ تھا وہ مختصر سا خطبہ جو میرے آقا نے اپنے پہلے اور آخری حج میں عرفات کے مقام پر اپنے سوا لاکھ سے زیادہ سچے چاہنے والوں کے سامنے ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کا متن اگر لکھا جائے تو یقیناً ایک صفحہ میں سما جائے گا سکیں۔ شعور نے اسے ہی کو جو "جوامع الکلم" کی خصوصیت عطا فرمائی تھی تو یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک صفحہ کا خطبہ گفتگو

لمبی تقریر پہ بھاری ہے۔

اس خطبہ میں شرک وجہالت کی بنیادوں کا انہدام ہے۔ سارے مذاہب کی متفقہ حرام چیزوں کا بیان ہے، عورتوں کے حقوق کا اعلان ہے، کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید ہے۔ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر امت کی جانب سے اقرار ہے اور پھر تبلیغ ودعوت کا فریضہ امت کے سپرد کیے جانے کی وضاحت ہے

تکمیل دین کی نعمت

آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو وہیں عرفات میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا	آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے

بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس آیت کو سنکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ کمال کے بعد زوال ہوتا ہے کہیں اس کمال کے حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں میں زوال نہ شروع ہو جائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اے یار غار، یہ تو خوشی کا موقع ہے آپ کی آنکھیں آنسو کیوں برسا رہی ہیں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ میرے آقا کی جدائی کا وقت قریب آگیا ہے اس لیے کہ آپ اس مقصد کیلئے

دنیا میں تشریف لائے تھے اللہ نے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ" کہہ کر بتا دیا ہے کہ وہ مقصد پورا ہو گیا

اللہ تعالیٰ نے تقریباً چھ سو سال بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں سے وحی کا جو رابطہ قائم کیا تھا وہ رابطہ اب منقطع ہونے والا ہے

ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ آیت تورات میں اترتی تو ہم اس دن عید کا جشن مناتے آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے سورہ مائدہ کی یہی آیت دہرائی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ آیت جس دن، جس وقت، جس مقام اور جس موقع پر نازل ہوئی میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، یہ آیت جمعہ کے دن، دوپہر کے بعد، عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تم ایک عید منانے کی بات کر رہے ہو جب کہ ہم اس دن دو عیدیں مناتے ہیں، جمعہ بھی عید ہے اور وقوف عرفات بھی عید ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پہلی عید یعنی عید الفطر، نزول قرآن کا سالانہ جشن ہے، اور دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ تکمیل دین کے شکرانے کا سالانہ جشن ہے۔

الیوم | اس آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا گیا "الیوم" میں نے آج کامل کر دیا ہے تو "الیوم" سے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کی طرف اشارہ نہیں کہ تیئیس سال پہلے

جس نعمت کا آغاز ہوا تھا وہ نعمت آج اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے
بلکہ اس کا اشارہ ہزاروں سال کی جانب ہے

طبقات الارض کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ جو موجودہ عالم ہے
یہ ابتدا ہی سے موجودہ صورت میں نہ تھا بلکہ ہزاروں سال میں اس
پر ہزاروں تغیرات آئے ہیں تب جاکر اسے موجودہ خوبصورت شکل
میسر ہوئی ہے۔ گویا اس کا موجودہ حسن و جمال ہزاروں سال
کی تربیت اور کانٹ چھانٹ کا نتیجہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہم پورے
یقین سے دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب کا تصور تو بہت پرانا ہے جب
پہلا انسان دنیا میں آیا تھا تو اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ مذہب بھی اس
کے ساتھ آیا تھا۔ یوں کہہ لیجئے کہ اس دنیا میں انسان نے اپنی زندگی
کا آغاز جہالت اور لا مذہبیت کی تاریکی میں نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے
سفر کی ابتدا علم اور مذہب کی روشنی میں کی تھی۔ اس مذہب میں کچھ
چیزیں ایسی تھیں جو بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور کچھ چیزیں ایسی تھیں جو
دیواروں اور چھت وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں ایمانیات اور عقائد
بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اور عبادات اور معاملات وغیرہ کی حیثیت
دیواروں اور چھت وغیرہ کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے
اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے
اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ اور اس عمارت کے کسی معمار
نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی
اس دعویٰ کی سعادت حاصل ہوئی عرب و عجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اعلان کروادیا کہ لوگو۔ آج جبکہ ہجرت کا دسواں سال ہے، ذوالحجہ کا مہینہ ہے عرفات کا میدان ہے، وقوف عرفہ کا دن ہے۔ اَلْیَوْمَ۔ آج میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسانوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آئے گا، جو پیغام دوسرے انبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھے، خاص قوم کے لیے تھے، خاص وقت کے لیے تھے ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کر سکیں، یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجمیوں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔

یہ دعویٰ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں کہ میری سیرت میں تاجروں اور مزدوروں، معلموں اور خطیبوں، شوہروں اور باپوں، جوانوں اور بوڑھوں، حاکموں اور محکوموں، عابدوں اور مجاہدوں سب کے لیے نمونہ ہے

انتظار بزرگو اور دوستو! آپ توراۃ پڑھیں، آپ زبور پڑھیں، آپ انجیل پڑھیں اگر آپ غیر جانبدار ہیں، اگر آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ہر نبی کسی آخری آنے والے کا منتظر ہے اور وہ اپنی امت کو

بھی اسی آنے والے کے انتظار کی تلقین کر رہا ہے

تورات والے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :

• خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو "

انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

• " میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا "

پادری ڈبلیو ہو پر صاحب نے تفسیر کاشفات لکھی ہے اور اسے کرسچن نالج سوسائٹی پنجاب نے ۱۸۶۶ء میں چھپوایا تھا اس کتاب کے صفحہ ۳۴۱ پر لکھا ہے کہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جس کا نام فرنسسکی ہے یہ فرقہ خود انجیل کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ یہ انجیل جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ منسوخ ہو جائے گی اور اس انجیل سے بہتر ایک انجیل نکلے گی جس کا نام ابدی انجیل ہوگا ، یہ لوگ ابدی کے لفظ پر زیادہ زور دیتے تھے ۔

اے کاش کوئی اللہ کا بندہ ان عیسائیوں کو جا کر بتا دے کہ اللہ کے بندو ! وہ ابدی انجیل جس کا تمہیں انتظار تھا وہ ابدی انجیل پندرہ سو سال پہلے آچکی لیکن اس کا نام انجیل نہیں بلکہ اس کا نام قرآن ہے

اٹھو کے جدو ، ضد اور تعصب چھوڑو اور ایمان لے آؤ انجیل کے مکمل ترین ایڈیشن پر جسے قرآن بھی کہا جاتا ہے ، جسے فرقان بھی کہا جاتا ہے جسے نور بھی کہا جاتا ہے اور جسے رحمت و ہدایت بھی

کہا جاتا ہے۔

وہ دن واقعی انسانی تاریخ کا حسین ترین دن تھا جس دن تورات، زبور، انجیل اور دسیوں صحیفوں کے نازل کرنے والے اللہ نے اعلان کیا کہ آج موسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا، آج عیسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا۔ آج داؤد علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا۔ وہ سب جس دین کے منتظر تھے اور انتظار کرتے کرتے دنیا سے تشریف لے گئے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" آج میں نے انسانوں کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا ہے

لوگو۔ اب میں عبادت و ریاضت کے کسی ایسے طریقے سے راضی نہیں ہوں گا جو اسلام کے مطابق نہ ہو۔ میری رضا کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ باقی سارے راستے میں نے بند کر دیے ہیں۔

محترم حاضرین۔ یوں تو حجۃ الوداع کی مزید تفصیل بھی ہے اور کچھ دوسرے خطبے بھی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ وغیرہ میں ارشاد فرمائے لیکن میری ناقص سوچ کے مطابق حجۃ الوداع کا سب سے بڑا پیغام اور سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند فرمایا ہے وہ مکمل ترین دین ہے۔ اس میں اب کسی ترمیم اور کسی پیوندکاری کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تمام نہاد مسلمان جو دین اسلام

میں بدعات کا پیوند لگاتے ہیں، سوشلزم کا پیوند لگاتے ہیں، کمیونزم کا پیوند لگاتے ہیں، جمہوریت کا پیوند لگاتے ہیں، خواہشات کا پیوند لگاتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں اور وہ اپنے لیے اور پوری امت کے لیے ضلالت کا گڑھا کھود رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حجۃ الوداع کے سبق پر عمل کرنے اور ایسے نام نہاد لیڈروں اور دانشوروں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ

آنحضرت ﷺ کا سفرِ آخرت

اغبرّ آفاق السماء وكوّرت ... شمس النهار وأظلم الأزمان

والأرض من بعد النبي كئيبة ... أسفاً عليه كثيرة الأحزان

فليبكه شرق البلاد وغربها ... يا فخر من طلعت له النيران

يا خاتم الرسل المبارك صنوه

صلى عليك منزل القرآن

سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

« یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑا نازک تھا ہر طرف خون

و ظلم کے بادل چھائے، آنسوؤں کی حقیقت تھی بہہ سکتے جو بہہ رہے ۔

ہر طرف دہشت، قتل، غارت وہ حالات تھے

انفرادی بھی تو ایک ایسا لگتی ہوئی عوام اجتماعی بھی نہ

صورت دو میں تھی۔ ہر کس جا نا ممکن ہے یہ بڑی تاریخی ہے

تھے فسادات و فتنہ کے بگڑتے ہوئے تو مسلمان

حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا ہر مسلمان پر اثر تھا کہ قدیم طرز

غریبوں کا حال کیا ہوا، مزدوروں کو وہاں چل ... [illegible]

رخصت ہو، مسلمانوں کا تو وجود ہی ہو، عوام میں ناممکن ہو

دے جا مگر ایسی حالت جو بس... کا بیٹھا ہی سمجھا

گیا ہے عجیب منظر تھی ... وہ دیکھتے تھے اور پھر

کہ ماتم ... سے ... و ... صفحات کا

جب گیا ... کے لوگ ... کے سر ... کے ... ہیں »

آقا کا سفرِ آخرت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ۚ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہیں ہو چکے ان سے پہلے بہت رسول۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہوگئے یا شہید ہوگئے تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

محترم حاضرین و سامعین۔ مسلسل کئی جمعوں سے سیرت طیبہ کے حوالے سے بات چل رہی ہے۔ آج کی نشست میں آقائے دو جہاں کے سفرِ آخرت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میرے آقا کی ولادت میں عبرتیں ہیں، آقا کی جوانی میں نصیحتیں ہیں، آقا کے غزوات میں درس ہیں اسی طرح آقا کے سفرِ آخرت میں بھی ہمارے لیے بہت سارے اسباق پوشیدہ ہیں اور سبق حاصل کرنے کی نیت سے ہی نبی کی سیرت سننی اور سنانی چاہیے اگر محض قصہ گوئی اور دفع الوقتی پیشِ نظر ہوگی تو سننا اور سنانا وبالِ جان بن سکتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے آئے تھے ا ور یہ پیغام آپ نے پہنچا دیا۔ نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں ان کا آپ نے حق ادا کر دیا اور ایک بہت بڑی ایسی جماعت تیار کر دی جو کارِ نبوت کو سمجھتی بھی تھی اور اس کا درد بھی رکھتی تھی جب یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع کر دی آپ نے کئی ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ آپ صحابہ کو اپنی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار فرماتے ہیں۔ ویسے غزوۂ احد میں جب آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی جس نے صحابہ کو حواس باختہ کر دیا تھا اور پھر ان کی تسلی کے لیے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ جو نازل ہوئی تھی وہ آیت بھی اس ذہنی تیاری کا ایک حصہ تھی کیونکہ اس آیت کریمہ میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ ایک دن اللہ کے نبی نے بھی دنیا سے جانا ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے فرمایا تھا کہ لوگو! ہو سکتا ہے میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکیں۔ تو آپ کے اس ارشاد سے بھی صحابہ یہ سمجھ گئے تھے کہ اللہ کے نبی دنیا سے تشریف لیجانے والے ہیں۔

یونہی جب سورۂ نصر نازل ہوئی جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ	جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تو لوگوں
وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ	کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھے
دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	تو تُو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ اوراس سے مغفرت کی دعا مانگ۔ بیشک وہ
كَانَ تَوَّابًا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اس سورت
میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے

تسبیح واستغفار کی کثرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
تو پہلے ہی بہت زیادہ عبادت اور بہت زیادہ ذکر و استغفار کیا
کرتے تھے لیکن جب آپؐ کے سفر آخرت کا وقت قریب آگیا تو اب
آپ کا اکثر وقت تسبیح و استغفار ہی میں گذرتا تھا

آپؐ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کرتے تھے لیکن
زندگی کے آخری رمضان میں آپؐ نے دو اعتکاف فرمائے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں آکر آپؐ کے ساتھ
قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال ایک کے بجائے دو
بار جبرئیل آئے۔

میرے دوستو! اللہ کے نبی مغفور و مرحوم تھے معصوم و مزکی
تھے، بخشے بخشائے تھے لیکن اس کے باوجود وفات سے قبل آپؐ نے
ذکر و عبادت میں اضافہ فرما دیا۔ ہم جو سر تا پا گناہوں میں ڈوبے ہوئے
ہیں، ساری زندگی اللہ کے حکموں کو توڑنے اور شیطان کو خوش کرنے
میں رہتے ہیں، ہمارے بال سفید ہو جاتے ہیں کمر جھک جاتی ہے، صحت
ساتھ چھوڑ جاتی ہے، بینائی، گویائی اور شنوائی ہر چیز میں فتور آ جاتا ہے
لیکن پھر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہیں ہوتی

کتنے ہی بدقسمت ہیں جو اپنا بڑھاپا لغویات اور فضولیات

میں گزار دیتے ہیں، آج کا مسلمان صرف ضروریات پورا کرنے کیلئے دنیا نہیں کماتا بلکہ اس لیے دنیا کما رہا ہے کہ دنیا کمانا اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ وہ اپنے پڑوسیوں سے، اپنے محلے والوں سے اور اپنے جیسے کے دوسرے افراد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے

وہ ایسا مکان بنانا چاہتا ہے جو سب سے اعلیٰ ہو، وہ ایسی گاڑی خریدنا چاہتا ہے جو سب سے اچھی ہو وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرانا چاہتا ہے جن کی فیس سب سے زیادہ ہو، وہ شادی بیاہ پر اتنا خرچ کرنا چاہتا ہے کہ لوگوں کی نظریں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں، وہ ایسے محلے میں رہنا چاہتا ہے جہاں کوئی غریب نہ رہتا ہو۔

اسی تنافس اور دوڑ نے ہمیں بے سکون اور بے قرار کر رکھا ہے اور اللہ کے نبی نے اس فتنے کی اور ہمارے قلبی روگ کی نشاندہی پہلے ہی فرما دی تھی

شہدائے احد سے ملاقات کے بعد ایک رات آپ جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں مدفون مسلمانوں کے لیے خوب دعائیں فرما کر انہیں بھی خوشخبری سنائی "انا بکم للاحقون" بے شک عنقریب ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔

جنت البقیع سے واپسی پر ہی آپ کی بیماری کا آغاز ہو گیا اور جب بیماری بڑھ گئی تو آپ نے تمام ازواج مطہرات کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع فرما کر ان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بیماری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر

گذارنا چاہتا ہوں، تمام ازواج نے خوشی سے اجازت دے دی آپ کل تیرہ یا چودہ دن بیمار رہے ان میں سے گیارہ دن تک مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خوش قسمتی | یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش قسمتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا آخری ہفتہ ان کے گھر میں پورا فرمایا۔

اللہ کا یہ انتخاب بلاوجہ نہیں تھا۔ آپؐ جانتے تھے کہ عائشہ میرے مزاج کو جتنا سمجھتی ہے کوئی دوسری زوجہ اتنا نہیں سمجھتی

صدیقہ جتنی خدمت کرسکتی ہے اتنی خدمت کوئی دوسری نہیں کرسکتی

صدیقہ میری زندگی کے آخری لمحات و واقعات اور ارشادات کو امت کے لیے جیسے محفوظ رکھ سکتی ہے کوئی دوسری بیوی نہیں رکھ سکتی۔

پھر یہ بات تواتر سے طے ہوچکی تھی کہ صدیقہؓ کا حجرہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اور آخری آرام گاہ بنے گا اس لیے یہ ناممکن تھا کہ آپؐ آخرت کا سفر کسی دوسری جگہ سے شروع فرماتے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بیمار ہوا کرتے تھے یہ دعا پڑھ کر اپنے ہاتھ جسم پر پھیرا کرتے تھے۔

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاس   اے انسانوں کو پالنے والے! تکلیف

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

کو دور فرما اور صحت عطا کر شفا دینے والا تو ہی ہے اور شفا صرف اسی کا نام ہے جو تو عنایت کرتا ہے ایسی شفا عطا کر جو کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے

بیماری کے دنوں میں میں نے یہ دعا پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے میں نے چاہا کہ ہاتھوں کو جسم اطہر پر پھیر دوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا

اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَالْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی

ایک دن آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عائشہ! میں اس کھانے کی تکلیف اب تک محسوس کرتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اس زہر سے اس وقت میری رگ کٹ رہی ہے

آخری لشکر بیماری کے باوجود سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لشکر کی بڑی فکر تھی جسے آپ نے شام پہنچنے کا حکم دیا تھا اور لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا تھا۔ آپ نے محسوس فرمایا کہ لوگ اس لشکر کے معاملے میں سستی سے کام لے رہے ہیں اور بعض لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں ایک نوعمر لڑکے کو امیر بنانے میں پتہ نہیں کیا حکمت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ خطبہ پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کردو

اگر آج تمھیں ان کی امارت پر اعتراض ہے تو کل میں ان کے والد کی امامت پر بھی اعتراض تھا لیکن ان کے والد بھی امارت کے مستحق تھے اور یہ بھی امارت کے مستحق ہیں، ان کے والد بھی مجھے محبوب تھے اور یہ بھی مجھے محبوب ہیں۔

اسی بیماری میں آپ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی کہ تم اسی طرح لشکر کو روانہ کرنا جیسے میں روانہ کیا کرتا تھا اور سوا مشرکین کو یہاں سے نکال دو، جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ رہنے دینا۔ اندازہ کیجئے اللہ کی نبی کو کس قدر احساس تھا جہادی لشکروں کی تیاری کا۔

کس قدر فکر تھی جزیرۃ العرب کو مشرکوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کی۔

کیسا عزم تھا اللہ کے دشمنوں کی طاقت کو توڑنے کا۔

لیکن آج مسلمان کا کیا حال ہے، مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکالنا تو دور کی بات ہے الٹا انھیں بلایا جا رہا ہے اور کس لیے بلایا جا رہا ہے؟ معاذ اللہ حرمین شریفین سمیت پورے عرب کی حفاظت کے لیے بلایا جا رہا ہے!

اتنا بڑا لطیفہ بلکہ کثیفہ شاید ہی دنیا میں کبھی پیش آیا ہو کہ بھیڑوں کی حفاظت کے لیے بھیڑیا اور بچھڑوں کی حفاظت کے لیے بلی کو مقرر کر دیا جائے۔

واہ رے عربو! تمھیں کیا ہو گیا، اللہ کے بندو! تم نے تو دنیا کو عقل و دانش کا سبق دیا تھا۔

تمہاری حربی تدبیروں نے تو بڑوں بڑوں کو چکرا کے رکھ دیا تھا، تمہارے جذبۂ جہاد کے سامنے تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے ارے تم تو سارے عالم کے نگہبان تھے، آج تمہیں نگہبانی کی ضرورت پڑ گئی؟

آج تمہاری عقلیں ایسی ماؤف ہو گئیں کہ سامراجی شاطروں اور قزاقوں کی تدبیریں نہیں سمجھ پاتے ہو۔

میں مانتا ہوں کہ آج بھی تم نمازیں پڑھتے ہو، حج پر حج اور عمرے پر عمرے کرتے ہو لیکن اللہ کے بندو صرف نمازیں اور حج اور عمرے ہی کی تعلیم نہیں بلکہ جہاد بھی نبی کی تعلیم ہے۔ جیسے بیماری کے ایام میں آپ نے نماز نہیں چھوڑی اسی طرح جہاد اور جہاد کی فکر بھی نہیں چھوڑی۔

نماز کا اہتمام نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تو نماز جماعت بھی نہیں چھوڑی اور آپ اس حالت میں بھی مسجد تشریف لائے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے، جب بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ پر غشی طاری ہو گئی تو جب تھوڑا سا افاقہ ہو تو آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا نماز ہو چکی؟ خدام نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ! سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے غسل فرمایا اور نماز کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی جب آپ کو ہوش آیا تو پھر نماز ہی کے بارے میں سوال کیا اور صحابہ کی طرف سے پھر یہی جواب دیا گیا کہ اے اللہ کے نبی! کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے سب آپ کے انتظار میں ہیں۔

آپؐ کے ہوتے ہوئے کس کی جرأت تھی کہ مصلے پر کھڑا ہوتا اور کس کا دل چاہتا تھا کہ نماز پڑھوائے لیکن جب بار بار ارادہ کرنے کے باوجود ہمت نہ ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میرے دل میں یہ بات آئی کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالی مصلے پر کھڑا ہوگا لوگ اسے منحوس سمجھیں گے اور اس سے محبت نہیں کریں گے اور میں نہیں چاہتی کہ لوگ میرے ابا کو منحوس سمجھیں مگر دل کی یہ بات زبان پر لاتے ہوئے ڈرتی تھی اس لیے میں نے یہ بات تو نہ کہی البتہ یوں درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے ابا بڑے نرم دل ہیں ان پر گریہ طاری ہو جائے گا اور وہ آپؐ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے اس لیے آپ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے انکار فرما دیا اور وضع کر دیا کہ اللہ اور ایمان والے سوئے ابوبکرؓ کے کسی کی امامت پر راضی نہیں ہوں گے۔

امامت و خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعلان گویا ان کی خدمت کا اعلان تھا اس لیے کہ خلافت بھی تو امامت ہے۔

علماءؒ نے امامت کی دو قسمیں لکھی ہیں امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ۔ نماز کی امامت، امامتِ صغریٰ ہے اور حکومت و سلطنت کی امامت امامتِ کبریٰ ہے۔

آج تو مسجد اور محلے میں بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا، مسجد والے محلے
والوں سے دور ہیں اور محلے والے مسجد والوں سے بہت دور ہیں۔
امام صاحب کا محلے کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور محلے والوں
کو مسجد کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں لیکن وہ مبارک زمانہ جب
دین زندگی کے ہر شعبے میں زندہ تھا اس زمانے میں محلے اور مسجد میں
بُعد نہیں قرب تھا بلکہ مسجد ہی تو محور ہوتی تھی۔ وقت کا خلیفہ داد
رسی کے لیے مسجد ہی میں بیٹھتا تھا اور کفر و شرک کی گردن توڑنے کے لیے
یہاں سے لشکر روانہ کیے جاتے تھے۔ جسے امامت سپرد کی جاتی تھی
وہی امامت صغریٰ کا حقدار ہوتا تھا۔ جمعہ، عید تو حکمران وقت کی
موجودگی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تو جب میرے آقا نے امامت
صغریٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تو گویا فیصلہ فرما دیا
کہ امامت کبریٰ کے حقدار بھی صرف ابوبکرؓ ہیں۔

حدیث قرطاس بدگمانوں نے حق کے اس واضح فیصلے کو
تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسی الجھنیں پیدا کیں کہ گویا یہ واقعہ پیش ہی
نہیں آیا تھا۔ لیکن حدیث قرطاس کا بہت بڑا پروپیگنڈہ کرتے
ہیں آئیے میں آپ کو حدیث قرطاس کی بھی حقیقت بتا دوں
بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کا وقت قریب آیا تو اس وقت گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں
جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ بیماری کی وجہ سے حضورؐ م

صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں اس حالت میں آپ کو مزید تکلیف دینا مناسب نہیں اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف ہو گیا کسی نے کہا لکھنے کا سامان پیش کرنا چاہیے، کسی نے کہا اس وقت پیش کرنا مناسب نہیں

مقصد یہ تھا کہ جب آپ کو افاقہ ہو جائے گا تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔ یہ تو خیال ہی نہیں تھا کہ اب اللہ کے نبی کو افاقہ نہیں ہو گا اور چند روز بعد جدائی کا سانحہ پیش آ جائے گا۔ لیکن اللہ ہدایت دے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو کہ انہیں کیچڑ اچھالنے کا موقع ہاتھ آ گیا وہ ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ تحریر کا سامان پیش نہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی کوئی ان سے پوچھے کہ جناب وہاں اکیلے حضرت عمر فاروق تو نہیں تھے بلکہ کئی دوسرے صحابہ بھی تھے، تو کیا آپ کے خیال میں معاذ اللہ وہ سب بھی نافرمان تھے یا آپ ان سب کو ایسے کمزور اور ڈرپوک ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اکیلے حضرت عمرؓ کے انکار کی وجہ سے ان سب نے چپ سادھ لی اور کسی ایک کو بھی اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

دشمنان صحابہ کے منہ میں خاک لیکن چلئے یہ ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما سمیت سارے صحابہ حضرت عمرؓ سے ڈر گئے تھے لیکن کیا اللہ کے نبی بھی محض اپنے ایک غلام عمرؓ کے خوف سے ایک لازمی تحریر

پر عمل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا؟

پھر یہ بھی تو سوچو کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن پیش آیا اور اس کے بعد بھی چار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے اور دنیا میں ایسا وقت بھی آیا کہ آپ نے افاقہ محسوس کیا۔ اگر تو وصیت نامہ لکھوانا کوئی لازمی چیز ہوتا تو آپ ان چار دنوں میں سے کسی نہ کسی دن ضرور لکھوا دیتے۔ جب آپ نے نہیں لکھوایا تو کیا آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ کے صاحب عزم پیغمبر نے ایک ایسی چیز سے امت کو محروم کر دیا جسے امت تک پہنچانا بہر حال ضروری تھا

اللہ کے بندو سوچو تو سہی کہ تم محض حضرت عمر فاروق کی دشمنی میں کس کس کو داغدار کر رہے ہو

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا اس کی حیثیت ایک مشورہ کی سی تھی اور وہ مشورہ بھی انہوں نے محض اپنے آقا کی شدید تکلیف کو دیکھ کر دیا تھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کتنے ہی ایسے مواقع پیش آئے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشوروں پر عمل کیا تو اگر آج بھی آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کر لیا تو ہم کون ہیں اس پر اعتراض کرنے والے؟

بہر حال یہیں بات تو یہ حضرت یہ کہتے ہیں کہ جناب حضرت عمر نے کتابت کا سامان پیش نہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی اور اس نافرمانی کی جو حقیقت ہے وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے

دوسری بات یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی خلافِ حقیقت ہے۔

اگر آپ کسی کی خلافت کی وصیت فرمانا چاہتے تھے تو وہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا:

ادعی لی ابابکر اباک واخاک	اپنے والد ابوبکرؓ اور اپنے بھائی
حتی اکتب کتابا فانی أخاف	(عبدالرحمٰن) کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ
ان یتمنی متمن و یقول قائل	دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے
انا اولی و یأبی اللہ والمؤمنون	والا کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ مستحق
الا ابابکر	ہوں جبکہ اللہ اور ایمان والے ابوبکرؓ
	کے سوا کسی پر راضی نہیں

غرض یہ کہ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار کی کوشش کے باوجود مسجد میں تشریف نہ لے جاسکے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، دوسرے دن جب آپ نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے نماز ظہر کے لیے باہر تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپ نے ان کو اشارہ سے سمجھایا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں

بیٹھ گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں

خطیب اعظم بیماری کے ایام میں بھی جب تھوڑا سا افاقہ ہوتا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم منبر پہ جلوہ افروز ہوتے اور قیمتی خطبات ارشاد فرماتے۔

ایک دن تشریف لائے اور فرمایا "لوگو! اگر میرے ذمہ کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے۔ اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ اگر میں نے کسی کی عزت و آبرو کے خلاف سخت الفاظ کہے ہوں تو وہ بھی بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ اپنا مال مجھ سے وصول کر لے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں پاک صاف ہو کر اپنے رب سے ملوں"

کتنی فکر تھی میرے آقا کو حقوق العباد کی۔ تاکہ روز قیامت بازپرس نہ ہو جائے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو بندوں کے بڑے بڑے حقوق ہڑپ کر لیتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں مارتے۔ اور پیر صاحب تو مریدوں کے مال کو اپنے لیے شیر مادر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو پیروں کا پیر تھا اسے بڑی فکر تھی کہ کہیں میرے ذمہ کسی بندے کا حق نہ رہ گیا ہو حالانکہ زندگی بھر کسی کی عزت و آبرو کو داغدار کیا نہ کسی کے مال میں ناجائز تصرف کیا اور نہ ہی کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھایا۔ بلکہ دوسروں نے تو آپ پر ہاتھ اٹھائے، پتھر بھی برسائے، گالیاں

دن، دل بھی دکھایا لیکن میرے آقا کی زبان سے ان کے لیے دعائیں ہی نکلتی رہیں۔ پتھر برسانے والوں کو پھول ہی ملتے رہے۔

ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا "ان یہود و نصاری پر اللہ لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ لوگو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ اے اللہ! میں تبلیغ کر چکا تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا۔"

میرے مسلمان بھائیو! دنیا میں سب سے زیادہ عظمت والا مزار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزار ہے جب اس مزار پر سجدہ کرنا جائز نہیں تو کسی دوسرے مزار پر سجدہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے سینکڑوں مزاروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ اس ماں کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اُس باپ کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں اُس پیر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں۔

انصار کی حضورؐ کے ساتھ اور حضور کی انصار کے ساتھ محبت کا منظر دیکھنا ہو تو غزوۂ حنین پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس غزوہ میں جتنا مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کسی دوسرے غزوہ میں حاصل نہیں ہوا تھا لیکن جب اس کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سرداروں اور مؤلفۃ القلوب کو تو زیادہ دیا مگر انصار کو بہت کم دیا جس کی وجہ سے انصار کے بعض نوجوانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک احاطہ میں جمع فرما کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو پورا تو میں آپ حضرات کو نہیں سنا سکتا ورنہ

بات نبی ہو جائے گی الغرض اس کا ایک ٹکڑا سناتا ہوں آپ نے
فرمایا :۔ اے انصار کی جماعت ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ
لوگ اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم اپنے خیموں میں اللہ کے
رسول کو لے جاؤ اس ذات کی قسم ! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے
تم جس چیز کو اپنے ساتھ لیجاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ
لے کر جائیں گے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا
اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو
میں انصار ہی کی وادی میں چلتا — اس کے بعد آپ کی نظریں
آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ! انصار پر رحم
فرما اے اللہ ! انصار کی اولاد پر رحم فرما اے اللہ ! انصار کی اولاد پر رحم فرما۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور دعا سن کر انصار کی
چیخیں نکل گئیں اور روتے روتے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر
ہو گئیں وہ کہنے لگے کہ ہم اس پر خوش ہیں کہ لوگ مال و متاع اور بھیڑ
بکریاں لیجائیں اور ہم اپنے ساتھ کونین کے سرتاج حضرت محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو لیجائیں ۔ یہ تھے انصار !

انصار کا حق | ایک دن حضرت ابو بکر اور حضرت عباس
رضی اللہ عنہما انصار کی ایک محفل سے گزرے ، دیکھا کہ وہ لوگ رو
رہے ہیں ، انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انصار نے کہا رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلسیں یاد آرہی ہیں ۔

یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں آقا کے چہرے کی زیارت کے بغیر سکون
ہی نہیں آتا تھا اور آقا کی صحبتوں اور ارشادات سے نہیں روحانی

غذا میسر آتی تھی اور اب وہ کئی دنوں سے اس غذا سے محروم تھے
انصار وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت آقا کو عزت دی تھی جب مکہ اور طائف کے سردار توہین پر تلے ہوئے تھے۔
اس وقت اسلام کو سینے سے لگایا تھا جب دنیا والوں نے سے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔
اس وقت مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا تھا جب ان کے خون کے رشتوں نے بھی ان سے منہ موڑ لیا تھا اور انہیں مکان، سامان اور تن بدن کے کپڑوں تک سے محروم کر دیا تھا۔
جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے رونے کی خبر پہنچی تو آپ تڑپ گئے ہائے میرے انصار، اسلام کے انصار، مسلمانوں کے انصار میری جدائی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ آپؐ تکلیف کے باوجود سر مبارک کو چادر سے لپیٹے ہوئے باہر تشریف لائے۔ وہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا "لوگو! میں تمہیں انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ انصار میرے جسم اور جان کی طرح ہیں وہ میرے رازدار ہیں، ان کے ذمے جو حقوق تھے وہ انہوں نے ادا کر دیئے ہیں لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کیے جا سکے۔
سنو! ان کے اچھے لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو درگذر کرنا۔

منبر خالی ہوگیا آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ان عبدا من عباد اللہ — اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا:

خیّرہ اللہ بین الدنیا و بین ما عندہ فاختار ما عندہ

جسے اللہ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا اور اللہ کے پاس جو چیز ہے ان میں سے جسے چاہو اختیار کرو تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لیا ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے معنی سمجھ گئے اور رونے لگے۔ نہیں ہماری جانیں، ہماری اولاد سب آپ پر قربان ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر صبر کرو جلدی نہ کرو (لوگو!) کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہو جتنا ابوبکرؓ نے کیا ہے اور اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست اور محبوب) بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن اسلام کا تعلق اور اسلام سے محبت سب سے افضل ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد کا ہر دریچہ جس سے میرا سامنا ہوتا ہے بند کر دو لیکن ابوبکر کا دریچہ باقی رہنے دو۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے۔ آپ جب جائیں گے تو دیکھیں گے کہ آج تک حضرت ابوبکرؓ کے دریچے کی جگہ پر اب بھی لکھا ہوا نظر آتا ہے "ھذہ خوخۃ سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ"

یہ آخری خطبہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آج منبر نبوی خالی ہو گیا، وہ منبر جس پر بیٹھ کر دس سال تک آپ علوم و معارف بیان فرماتے رہے وہ منبر آج خالی ہو گیا۔ یاد ہو گا کہ جب آپ پرانا منبر چھوڑ کر نئے منبر پر جلوہ افروز ہوئے تھے تو لکڑی

کا وہ خشک تنا جدائی کے غم میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑا تھا۔ جب لکڑی آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکی تھی تو صحابہ پر آپ کی جدائی سے کیا گذری ہوگی۔

صحابہؓ محراب کی طرف دیکھتے تھے تو آقا نظر نہیں آتے تھے اور منبر کی طرف نظریں اٹھاتے تھے تو چاند سے زیادہ حسین و جمیل چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔

آخری نگاہ

منبر و محراب خالی ہو چکے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بدستور نماز پڑھا رہے تھے، پیر کا دن تھا۔ لوگ نماز فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نجانے کیا خیال آیا کہ آپ نے اپنے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا اور اللہ کے ان بندوں کو اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھنے لگے جو آپ ہی کی محنت کے نتیجے میں ایمان اور عبادت کی لائن پر آئے تھے۔ آپ مطمئن تھے کہ کھوئے بھٹکے انسانوں کا اللہ سے جو رشتہ جڑا ہے یہ اب انشاء اللہ جڑا ہی رہے گا آپ تصور کریں اس عظیم انسان کا جو اپنی تئیس سالہ محنت کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جو لوگ اس کے سامنے رکوع و سجود میں مصروف تھے وہ اس نے بڑی محنت سے تیار کیے تھے اور انہیں رو رو کر اللہ سے مانگا تھا ان میں سے ایک ایک ہزاروں پر بھاری تھا۔ ان میں سے کوئی مفسر تھا کوئی فقیہ تھا، کوئی عراق و ایران کا فاتح تھا، کوئی مصر و افریقہ کے مستقبل کا حکمران تھا لیکن جو کوئی بھی تھا صاحب ایمان تھا حامل قرآن تھا اور مثالی انسان تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ

مبارک خوشی سے دیکھنے لگا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے قرآن کا ورق!

اللہ اکبر! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کیا عجب کی تشبیہ دی ہے گویا آقا کے چہرے میں کشش وہ تھی جو قرآن میں ہوتی ہے —— اور قرآن کی کشش تو صحابہ ہی جانتے تھے ہمارے جیسے دو ٹانگوں والے گدھے گھوڑے قرآن کی کشش سے کیا واقف ہوں گے

اور تقدس بھی وہی تھا جو قرآن کے ورق کو حاصل ہوتا ہے۔

اور چمک بھی وہی تھی جو قرآن کے الفاظ میں ہوتی ہے،

قرآن کے ورق پر گر طلائی کام ہوا ہو تو اس میں زردی بھی ہوتی ہے اور بیماری کی وجہ سے آقا کے چہرے پر زردی بھی تھی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکراتے اور دلکش چہرے کو دیکھ کر صحابہ کے جذبات میں تلاطم سا برپا ہو گیا، قریب تھا کہ صفیں درہم برہم ہو جائیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا —— اس کے بعد صحابہ کرام کو اپنے محبوب کے چہرہ کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

آخری لمحات بارہ ربیع الاول پیر کے دن صبح طبیعت میں کچھ افاقہ تھا لیکن دن چڑھا تو طبیعت بگڑ گئی، زندگی کے آخری دنوں میں سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ خدمت کی توفیق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئی۔ آخری لمحات میں سر مبارک بھی انہی کی گود میں تھا سیدہ کے بھائی حضرت عبدالرحمن

رضی اللہ عنہ اسی وقت تازہ مسواک لیکر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مسواک پر ٹک گئی، سیدہ مزاج شناس تھیں انہوں نے مسواک لیکر دانتوں سے چبائی اور نرم کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ نے اس سے اپنے معطر دہن کو مزید معطر فرمالیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرمایا کرتی تھیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں تو دہن مبارک میں میرا لعاب دہن تھا اس کے علاوہ حجرہ بھی میرا تھا، باری بھی میری تھی اور میرے کندھے اور گردن کے درمیان ہی آپ کا سر مبارک تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا آپ بار بار دونوں ہاتھ اس میں ڈبوتے اور چہرۂ اقدس پر مل لیتے۔ پیاری بیٹی حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اپنے بے مثال ابا کی تکلیف دیکھی تو تڑپ اٹھیں اور زبان سے نکل گیا "واکرب اباہ" ہائے میرے ابا کی تکلیف! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ پھر بیٹی کو قریب بلایا اور کان میں کچھ بات کہی وہ رو پڑیں، پھر کچھ دیکھا تو وہ مسکرا پڑیں۔ بعد میں سیدہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار فرمایا تھا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر جارہا ہوں اور دوسری بار فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گی

آخری وصیت آپ نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" دیکھو نماز کا اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے بھی میرے آقا کو حقوق اللہ میں سے نماز کا اور حقوق العباد میں سے غلاموں، ملازموں، عورتوں اور بچوں کا خیال تھا اور اسی کی آپ نے تاکید فرمائی اور ان الفاظ کو آپ اس وقت تک زبان سے دہراتے رہے جب تک کہ زبان ساتھ دیتی رہی اور جب زبان میں سکت نہ رہی تو سننے والوں نے یوں محسوس کیا کہ آپ اپنے سینہ مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

اس دن ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی، گیارہواں ہجری سال تھا، پیر کا دن اور زوال کا وقت تھا۔ عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اسی وقت آپ پر نزع کی حالت طاری ہوگئی۔ ایک گھڑی کے لیے غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو ہوش آگیا، نظر مبارک چھت کی طرف اٹھ گئی اور زبان پر آخری الفاظ جاری ہوگئے۔

اللھم الرفیق الاعلی سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس — اور پھر حسن ہستی ڈوب گئی۔

قیامت کی گھڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی گھڑی صحابہ کے لیے قیامت کی گھڑی تھی، وہ دن ان کے لیے تاریخ انسانی کا تاریک اور المناک دن تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی، اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن مدینے کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔

حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وفات پا چکے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چپ سی لگ گئی۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے آقا کے حضور پہنچ گئے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ روتے روتے ان کی بینائی ہی ختم ہو گئی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ بڑا پُر درد اور ایمان پرور تھا انہوں نے فرمایا:

ہائے میرا وہ آقا چل بسا جس نے غریبی کو امیری پر ترجیح دی، افسوس کہ وہ دین پرور نہ رہا جو گنہگار امت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا جس نے بڑی استقامت سے نفس کا مقابلہ کیا، جس نے منہیات کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، جس نے غریبوں اور مسکینوں پر اپنا دروازہ کبھی بند نہیں کیا۔ ہائے میرا وہ محبوب جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے اور جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

آج وہ دنیا سے رخصت ہو گیا

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اے انس! تم لوگوں نے دلوں سے کس طرح گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال دو اور انہیں اکیلے چھوڑ کر چلے آؤ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی تڑپا کے رکھ دیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ محسوس کر رہا تھا کہ میں یتیم ہو گیا غریبوں کا حامی نہ رہا، کمزوروں کا والی چل بسا، بیواؤں کا سرپرست رخصت ہوا، یتیموں کا آقا الوداع ہوا، غلاموں کا مولی داغ مفارقت دے گیا — ہاں ہاں باغ عالم کی بہار، نبیوں کا سردار امت کا غمخوار، فاتحین عرب و عجم کا سپہ سالار، لاکھوں دلوں کا قرار، مظلوموں کا دلدار، تریسٹھ سال کی گلستان نہیں بلکہ بے مثال زندگی گزار کر دار فانی سے دار بقا کی طرف منتقل ہو گیا

سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی مثالی استقامت

یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا نازک تھا، ہر طرف حزن و الم کے بادل تھے، آنسوؤں کی طغیانی تھی، شکستہ حوصلے تھے، پژمردہ ہمتیں تھیں، خزاں زدہ جذبات تھے۔

انفرادی یتیمی تو آپ نے بارہا دیکھی ہوگی، مدینہ میں اجتماعی یتیمی کی صورت درپیش تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے سر پہ ہاتھ رکھ جائے۔ مجھے تسلی دی جائے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا جائے مگر ایسا کون تھا جو سید الانبیاء کا بدل بن سکتا۔ پھر صحابہؓ نے عجب منظر دیکھا۔ سفر و حضر کا وہ ساتھی جسے ابوبکر صدیقؓ کہا جاتا تھا، جو دل کا نرم تھا وہ آگے بڑھا اور استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا بڑے لوگ ایسے ہی نازک مواقع پر آزمائے جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات کی خبر سن کر کاشانہ نبوی کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہنچے تو لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے کہ جو کہے گا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں گئے۔ جسم اطہر کو دیکھا، منہ سے منہ لگایا، پیشانی کو چوما اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا:

میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ دو موتیں آپ پر کبھی جمع نہیں کرے گا۔ بس ایک موت تھی جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔

پھر مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

فمن کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت، قال اللہ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۨىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

تم میں سے جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ تو انتقال فرما گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ بے شک اللہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ نے خود فرمایا ہے: محمدؐ تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر آپ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔

اس آیت کو سن کر ہر شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ صحابہؓ کہتے ہیں ہمیں یوں لگا کہ یہ آیت آج ہی اتری ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! بعض اوقات ایک کی استقامت ہزاروں کو استقامت دے جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی انسان تھے۔ انہوں نے امت کے شیرازے کو بکھرنے سے بچایا۔ حالت یہ تھی کہ چوبیس قبیلے مرتد ہو کر لڑائی پر آمادہ ہوگئے، یمن سے مدینہ طیبہ تک فسادی گروہ پھیل گئے، قیصر و کسریٰ کے خوابیدہ جذبات پھر سے بیدار ہونے لگے، کئی لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرانے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حالت کا نقشہ بڑے عجیب الفاظ میں کھینچا ہے، فرماتے ہیں:

"اس وقت مسلمان، بکریوں کے اس ریوڑ کے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بارش کی حالت میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔"

جزیرۃ العرب کا حکمران محترم حاضرین۔ میں نے اپنی ناقص معلومات کے مطابق سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا حال آپ کے سامنے بیان [illegible] میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ عظیم انسان جو اس وقت پورے جزیرۃ العرب کا حکمران تھا، اور جس سے بڑے بڑے سردار اور بادشاہ مرعوب تھے اس نے اپنے پیچھے کیا میراث چھوڑی؟

میرے دوستو اور بزرگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ آپ نے وفات سے پہلے صدقہ کر دیا تھا، جو

غلام تھے وہ سب آزاد کر دیئے آپ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو یہودی کو دے کر آپؐ اس سے اپنی زرہ چھڑا سکتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی کھا سکتا۔ البتہ تھوڑا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا میں اس میں سے کچھ دن کھاتی رہی اور اللہ اس میں برکت دیتا رہا۔ ایک دن میں نے اس کی ناپ تول کی تو وہ ختم ہوگیا۔

میرے آقا اور کائنات کے آقا نے سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، زمین، مکان، جانور اور سواریاں کچھ بھی میراث میں نہیں چھوڑا۔ البتہ ایک میراث ایسی چھوڑی ہے جو کہ صرف آپؐ کے خاندان کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان اس میں سے اپنا حصہ لے سکتا ہے اور وہ ہے ایمان کی میراث، قرآن کی میراث، دین کی میراث اسی میراث کو امت کی طرف منتقل کرنے کے لیے آپؐ ساری زندگی تڑپتے رہے اور اسی میراث کو منتقل کرنے کے لیے آپؐ زخم کھاتے رہے۔

آیئے ہم بھی اس میراث کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی کا عہد کریں — اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

میلاد النبیؐ یا سیرت النبیؐ

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(علامہ اقبالؒ)

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے مناؤ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میلاد مناتے تھے ، نہ چراغاں کرتے تھے ، نہ جھنڈیاں لگاتے تھے ، نہ سجاوٹ ، نہ بناوٹ ، نہ حلوے ، نہ مٹھائیاں بس یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے ۔ دوکانوں میں ، مکانوں میں ، خوشی میں ، غمی میں ، سفر میں ، حضر میں ، جنگ میں ، صلح میں ، غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے ۔ یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے ۔ ان کی تجارت ، ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی تھی

صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں ، ہم سب میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے ۔

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یا
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

محترم بزرگو اور عزیز ساتھیو۔ ہر سال ربیع الاول کی آمد کے موقع پر مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے جلسے ہوتے ہیں۔ بعض اشتہارات پورے شہر کی دیواروں پر لگائے جاتے ہیں۔ بعض اشتہاروں میں جلسہ سیرۃ النبی کا عنوان ہوتا ہے۔ عام لوگوں کو بڑا تجسس ہوتا ہے کہ سیرۃ النبی اور میلاد النبی میں کیا فرق ہے؟ خاص طور پر جب وہ عوامی خطیبوں کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دشمن ہیں وہ عید میلاد النبی نہیں مناتے اور جو حضور کے محب اور عاشق ہیں وہ عید میلاد النبی مناتے ہیں تو ان کی حیرت اور تجسس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

ان میں سے جو کم فہم اور کم علم لوگ ہوتے ہیں وہ واقعی اس چیز کو محب ہونے اور نہ ہونے کے لیے معیار بنا لیتے ہیں اور اللہ کے ایسے نیک بندوں کو معاذ اللہ گستاخ رسول سمجھنے لگتے ہیں جن کی صورت حضورؐ جیسی، جن کی سیرت حضورؐ جیسی، جن کا لباس حضورؐ جیسا، جن کا سونا جاگنا، پہننا، اتارنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا اور بیٹھنا اٹھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق۔

اللہ کے ایسے نیک بندے جنہوں نے محض دین کی خاطر، محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی خاطر دنیا کو لات ماردی، معاشرے کو چھوڑ دیا، رشتہ داروں کو ناراض کر لیا، ان پر گستاخ رسول اور منکر رسول ہونے کا فتویٰ اس لیے لگا دیا جاتا ہے کہ وہ ربیع الاول میں قمقمے نہیں جلاتے۔ جھنڈیاں نہیں لگاتے، جلوس نہیں نکالتے اور مفت خوروں کو حلوے اور مٹھائیاں نہیں کھلاتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تو عاشق رسول ہونے کا بڑا آسان معیار ہو گیا، بتیاں جلالو، جھنڈیاں لگالو، جلوس نکال لو اور تھوڑی سی مٹھائی بانٹ دو تو آپ کو عاشق رسول ہونے کی سند مل گئی۔

تین ربیع بے شک ربیع الاول میرے آقا کی ولادت کا مہینہ ہے اور یہ مہینہ بہار جاوداں کا مہینہ ہے۔ ربیع بہار کو کہتے ہیں اور اس ایک مہینہ میں ایک نہیں تین ربیع جمع ہو گئے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لهذا الشهر في الاسلام فضل ... ومنقبة تفوق على الشهور

ربيع في ربيع في ربيع ... ونور فوق نور فوق نور

یعنی تین ربیع جمع ہوگئے، ایک تو مہینے کا نام ربیع، دوسرے موسم ربیع اور بہار کا اور تیسرے خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی عالمگیر خزاں میں بہار بن کر تشریف لے آئے

آپ کی تشریف آوری سے ظلمت کدۂ عالم میں روشنی پھیلی۔ خزاں رخصت ہوگئی۔ بہار کی ہوائیں چلنے لگیں میں یہ سب، تسلیم کرتا ہوں اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اگر اسلام میں کسی کی ولادت کا دن منانے کی اجازت ہوتی تو واقعی مشرق سے مغرب تک بسنے والے مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن پورے جوش و خروش سے مناتے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسی بھی شرعی دلیل سے میلاد النبی کا منانا ثابت نہیں ہوتا جو لوگ اس کے قائل ہیں ان سے میرا سوال ہے کہ وہ قرآن کی کوئی آیت پیش کریں، اگر آیت نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے تو چلو فقہ کی کسی مستند کتاب کا حوالہ پیش کریں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن سے، حدیث سے اور فقہ کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ نبوت ملنے کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تیئیس سال زندہ رہے آپ نے کسی بھی موقع پر صحابہؓ کو میلاد منانے کا حکم نہیں دیا، پھر ایک سو دس برس تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور رہا ہے اور دو سو بیس برس تک تبع تابعین کا دور رہا ہے اگر میلاد النبی

کا منانا ثواب کا کام ہوتا یا عشق و محبت کی دلیل ہوتا تو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ضرور بالضرور میلاد النبی مناتے۔ اب یہی دو باتیں ہیں: یا تو یہ تسلیم کر لیں کہ محبِ رسول ہونے کے لیے میلاد النبی کا منانا ضروری نہیں اگر یہ محبِ رسول ہونے کی نشانی ہوتی تو یہ مقدس ہستیاں اس سنت سے ہرگز محروم نہ رہتیں۔

یا پھر ہم معاذ اللہ یہ دعویٰ کریں کہ یہ لوگ عاشقِ رسول نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اتنے بڑے عاشق نہیں تھے جتنے بڑے ہم ہیں اور تیسری بات کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ محبِ رسول بننے کے لیے میلاد منانا ضروری تھا مگر صحابہ کو، تابعین کو اس ضروری بات کا علم نہ ہو سکا۔

صحیح بات آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کونسی بات آپ زبان پر لانا گوارہ کر سکتے ہیں۔ ہے کوئی ایسا جو یہ کہے کہ میں تو عاشق ہوں مگر صحابہ عاشق نہیں تھے اور اگر وہ عاشق نہیں تھے تو پھر دنیا میں کوئی بھی عاشقِ رسول نہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحابہ کو اس کا علم نہیں ہو سکا تو اس سے بڑا جھوٹا بھی کوئی نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ پوری چھ صدیوں تک روئے زمین کا کوئی مسلمان اس رسم سے واقف نہیں تھا ساتویں صدی کے شروع میں موصل شہر میں مظفر الدین نام کا ایک بادشاہ تھا جو بڑا فضول خرچ اور لاپرواہ قسم کا انسان تھا۔ اس نے میلاد کا جشن منانا شروع کیا۔ اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جو دنیا کسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہیں اپنا نفس کو خوش کرنے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی بادشاہوں اور وزیروں کو

خوش کرنے کی فکر ہوتی ہے چنانچہ ایک دنیا پرست مولوی تھا جس کا نام عمر بن دحیہ تھا اس نے انعام کے لالچ میں ایک کتاب لکھ دی جس میں ثابت کر دیا کہ واقعی یہ جشن منانا بڑے اجر اور ثواب کا کام ہے۔ مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مولوی بڑا احمق اور متکبر تھا اور بڑی گندی زبان کا مالک تھا۔

بدعت تو بدعت ہی ہے

کسی بھی بدعت کی جو ابتدا ہوتی ہے بڑی خوشنما ہوتی ہے مثلاً میلاد ہی کو لے لیجئے۔ لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت ربیع الاول میں حاصل ہوئی لہٰذا ربیع الاول میں اس نعمت کی یاد منانے سے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو خطیب صاحب زیادہ منہ پھٹ ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ او وہابیو! او دیوبندیو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے کیوں جلتے ہو؟

میرے دوستو! وہ کون بدبخت ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے جلے گا لیکن ہم بھی مجبور ہیں بدعت کو کتنے ہی خوشنما لیبل لگا کر پیش کرو وہ بدعت ہی رہے گی وہ سنت نہیں ہو سکتی۔

سنت ھدایت ہے اور بدعت ضلالت ہے

سنت سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور بدعت سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

سنت جنت تک لے جاتی ہے اور بدعت جہنم میں پہنچاتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

شر الامور محدثاتها وکل — جو کام نئے گھڑے جائیں وہ برے
بدعة ضلالة — ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور نسائی کی روایت میں ہے

وکل ضلالة فی النار — اور ہر گمراہی دوزخ میں لیجانے والی

ایک دوسری حدیث میں کائنات کے آقاؐ نے فرمایا۔

من وقر صاحب بدعة — جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس
فقد اعان علی هدم — نے اسلام کی عمارت کو گرانے پر
الاسلام — اس کی مدد کی۔

میرے دوستو! کوئی حد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی! آپ فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو اگر تم نے بدعتی کی عزت کی تو یوں سمجھو کہ تم نے اسلام کی عمارت گرانے میں تعاون کیا ہے۔

اب بتائیے کہ ہم کہاں جائیں ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سخت وعیدیں ہیں، دوسری طرف یار لوگوں کے طعنے ہیں، من گھڑت وسیلے ہیں، خود ساختہ تاویلیں ہیں، مغلوب الغضب لوگوں کے فتوے ہیں۔

ارے بھائی لگاؤ فتوے، دے لو طعنے، ہمارے اندر اتنی ہمت نہیں کہ ہم تمھیں خوش کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرلیں جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دین نہیں تھا صحابہ کے زمانے میں دین نہیں تھا، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہے۔ بدعت، بدعت ہی رہیگی چاہے تم اس کے ہزار خوشنما بیان کرلو

آج یہ حال ہے

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو بدعت ہوتی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے فرض، واجب اور سنت کی تو ایک حد ہے نا، لیکن بدعت کی کوئی حد نہیں جب قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا تو ایسا ہی ہوگا جس کا دل چاہے گا گھٹا لے گا اور جس کا دل چاہے گا بڑھا لے گا۔

گیارہویں شریف پہلے ایک تھی۔ اب سنتا ہے دو ہوگئی ہیں ایک چھوٹی گیارہویں اور دوسری بڑی گیارہویں صلاۃ وسلام پہلے اذان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اب سنا ہے کہ بعض لوگ اقامت کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں محفل میلاد میں بھی پہلے یہ ہوتا ہوگا کہ ولادت نبوی کے دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی جاتی ہوگی نعتیں پڑھی جاتی ہوں گی۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے، پورے شہر میں جھنڈیاں نہیں بلکہ بڑے بڑے جھنڈے لہرائے جاتے ہیں، چراغاں کیا جاتا ہے، روضۂ رسول اور بیت اللہ کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، ان کا طواف کیا جاتا ہے، چوماچاٹی ہوتی ہے، جلوس نکلتے ہیں ان میں ڈھول ڈھمکا ہوتا ہے اور اس میں مقابلے ہوتے ہیں واہ بھئی واہ، نمازوں میں مقابلہ نہیں، صدقات میں مقابلہ نہیں، جہاد میں مقابلہ نہیں مقابلہ ہو رہا ہے تو کس چیز میں؟

دکھاوے میں، نمود و نمائش میں، جھنڈے لہرانے میں، ڈھول ڈھمکا کرنے میں

خدارا سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟

کیا یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے ؟

جس نبیؐ کے خلفاء کا حال یہ ہو کہ وہ صرف اس لیے پرانے کپڑے کا کفن لے لیتے ہوں تاکہ نیا کپڑا کسی غریب مسلمان کے کام آجائے کیا وہ نبی اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے امتی لاکھوں میٹر ریشمی کپڑا جھنڈے بنانے میں صرف کر دیں ؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سارے مسلمان بھائی غیر مسلموں سے مرعوب ہو گئے ہیں انہوں نے سوچا کہ جب عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کرسمس مناتے ہوئے کروڑوں روپے خرچ کر سکتے ہیں تو ہم مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر خرچ کیوں نہیں کر سکتے۔ گویا ہندوؤں اور عیسائیوں کی ریس میں دیکھ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدارا ان کا مقابلہ مت کرو ورنہ تم آگے نکل جاؤ گے اور دین پیچھے رہ جائے گا۔

وہ بدبخت تو اپنے بزرگوں کے ایام ولادت پر ناچ گانا، شراب، زنا سب کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کی تصویریں بھی بنا رہے ہیں

کیا ہم مسلمان ایسا کر سکتے ہیں ؟ یقیناً آپ کا جواب یہ ہو گا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

تو میرے دوستو! آپ یہ بھی تو سوچو کہ کرسمس کی ابتدا بھی تو بڑی معصوم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ ان کی منقبت بیان کی جاتی تھی، پھر جلسے جلوس ہوئے، پھر جھنڈے لہرائے۔ پھر قمقمے روشن ہوئے، پھر رونق بڑھانے کے لیے ناچ گانے کا انتظام

ہوا، جب ناچ گانا آیا تو شراب بھی آئی، جب شراب آئی تو زنا بھی آیا، جب زنا آگیا تو حیا چلی گئی۔ عشقِ نبی ختم ہو گیا عشقِ نسواں باقی رہ گیا۔

شرابِ محبت کے جام خالی ہو گئے اور شرابِ معصیت کے جام چھلکنے لگے۔

میکدۂ معرفت کی بتیاں گل ہو گئیں اور میکدۂ غلاظت کی روشنیاں نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔

ہر لحظہ میلاد میرے دوست! اگر قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر، صحابہ کرام اور تابعین کو چھوڑ کر میلاد مناؤ گے تو اس میں یقیناً خرافات آئیں گی۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے جیسے صحابہ کرام میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے نہ جھنڈیاں لگاتے تھے نہ سجاوٹ نہ بناوٹ، نہ حلوے نہ مٹھائیاں۔ بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دوکان میں مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں — غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے۔ ان کی تجارت ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

صحابہ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں، سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا

مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب دیکھا دیکھی یہ رسم چل پڑی ہے کہ ہر سرکاری ادارہ اور ہر کاروباری شعبہ میلاد منانا ضروری سمجھتا ہے چاہے وہ سودی کاروبار کرتا ہو لیکن میلاد منانا لازم سمجھتا ہے۔ جب محفل میلاد ہوتی ہے تو اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، ویڈیو فلم بنتی ہے، کیمرے چلتے ہیں اور بعض جگہ تو یوں ہوتا ہے کہ پہلے مولوی صاحب کی تقریر ہوتی ہے بعد میں کسی قوال کی قوالی ہوتی ہے یا پھر بھاری بھاری معاوضہ لینے والے داڑھی منڈے نعت خواں تشریف لاتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آخر میں ہر شریک مجلس کو مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ دے دیا جاتا ہے اور یہ ڈبے بھی سرکاری فنڈ سے خریدے جاتے ہیں، اگر مٹھائی اچھی ہو تو شرکاء کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی سستی اور بیکار سی مٹھائی ہو تو کہنے والے کہتے ہیں کہ اس محفل میں نورانیت اور روحانیت نہیں تھی خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کے جلوس اور پروگرام کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز چھوڑی جا سکتی ہے پروگرام نہیں چھوڑا جا سکتا۔

عشق رسول ہے مگر اتباع رسول نہیں۔
عشق رسول ہے مگر صورت رسول نہیں۔
عشق رسول ہے مگر سیرت رسول نہیں۔

آج کل کے عاشق : یہ ہے آج کل کے عاشقان رسول کا حال! یہ سینما اور تعیش کا کام کرنے کے لیے تیار ہیں مگر پُر مشقت کام کرنے

کے لیے تیار نہیں۔

جیسے وہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بوڑھی عورت کا شوہر انتقال کر گیا۔ اس کے رونے دھونے کی آواز سن کر لوگ جمع ہو گئے پوچھا اماں جی کیوں رو رہی ہو۔ کہنے لگی یہ سامنے لٹکی ہوئی بندوق دیکھ کر مجھے شوہر یاد آ رہا ہے۔ ہائے یہ بندوق بھی بے سہارا ہو گئی اسے استعمال کرنے والا نہیں رہا۔ ان میں سے ایک لالچی آدمی آگے بڑھا کہنے لگا آپ کا یہ غم میں دور کرتا ہوں۔ یہ بندوق مجھے دے دیجئے آپ یوں سمجھیں کہ اسے سہارا مل گیا۔ اماں نے کہا لے جاؤ بیٹا ورنہ اسے دیکھ دیکھ کر میرا غم تازہ ہوتا رہے گا۔

اگلے دن پھر رونے کی آواز آئی۔ یہ لالچی آواز سن کر بھاگا بھاگا گیا پوچھا اماں جی آج کونسی چیز آپ کے غم کو تازہ کر رہی ہے اماں نے کہا بیٹا میرے شوہر گھوڑے سے بہت پیار کرتے تھے۔ اب وہ نہیں ہیں تو یہ ان کی جدائی کے غم میں اداس کھڑا ہے اس کی اداسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ لالچی صاحب نے فوراً کہا۔ اماں ہمارے جیسے جان نثار بیٹوں کی موجودگی میں آپ کو اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھوڑا مجھے عنایت کر دیجئے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ نہ گھوڑا ہوگا۔ نہ آپ کو مرحوم شوہر کی یاد ستائے گی۔ گھوڑا بھی لے گیا۔ اب جب بھی رونے کی آواز آتی تو وہ فوراً ہمدرد بیٹا بن کر حاضر ہو جاتا اور اماں جان کا غم دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی لے جاتا۔ مرحوم کے کپڑے۔ اس کا بستر۔ اس کے جوتے، اور استعمال کی دوسری اشیاء، وہ ایک ایک کر کے لے گیا۔ اور اس نے پورے گھر کا صفایا کر دیا۔ لیکن اماں کا غم پھر بھی دور نہ ہوا۔

تب دن پھر رونے کی آواز آنے لگی۔ وہ لالچی جانتا تھا کہ اب گھر میں کوئی چیز باقی نہیں رہی اس لیے اس نے آنے میں دیر کر دی اور اس کے آنے سے پہلے ہی کئی لوگ آ چکے تھے امّاں سے پوچھا آج کیوں رو رہی ہے امّاں نے کہا بیٹا مجھے معلوم نہیں تھا لیکن کل ہی پتہ چلا ہے کہ میرے شوہر کے ذمہ تو دس ہزار روپے قرضہ بھی تھا۔ مجھے غم یہ ہے کہ یہ قرضہ کیسے ادا ہوگا تو وہ لالچی بیٹا جو گھر کا صفایا کر گیا تھا اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے بھائی آخر تم بھی تو کچھ بولو میں تو اتنے دن سے اماں کے غم دور کر رہا ہوں۔

تو جناب یہی حال ان عاشقانِ رسول کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جی ہم نے جھنڈیاں لگائیں۔ قمقمے جلائے۔ جلوس نکالے۔ نعرے لگائے، مٹھائیوں کے ڈبے بھی وصول کیے۔ جب ہم نے اتنے کام کر لیے تو اب کوئی اطاعت کرنے والا بھی تو ہونا چاہیے۔ یہ کیا ہوا کہ سارے کام ہم ہی کرتے جائیں

کام کے عاشق

میرے بزرگو اور دوستو! افسوس کا مقام ہے کہ اب کام کے عاشق رہ گئے کام کے عاشق جیسے

میلاد النبی رہ گئی۔ سیرت النبی نہیں رہی
نعت خوانی تو ہے۔ رجز خوانی نہیں رہی۔
فساد تو ہے جہاد نہیں رہا۔
مجاور تو ہیں مجاہد نہیں رہے۔
حلوائی تو بہت ہیں شیدائی نہیں۔

جلوس تو ہے قیام باقی نہیں رہا
مسلمان کی ذات تو ہے مسلمان کی صفات باقی نہیں رہیں۔
اب تو مسلمان پہچانا ہی نہیں جاتا، بتانا پڑتا ہے کہ یہ صاحب مسلمان ہیں ورنہ صورت اور سیرت سے مسلمان کی پہچان نہیں ہوتی بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ مسلمان کے جو اوصاف تھے وہ غیر مسلموں نے اپنا لیے ہیں۔ وہ معاملات کی صفائی، وہ قومی ہمدردی وہ امانت و دیانت۔ وہ راست بازی جو کبھی مسلمان کی پہچان ہوتی تھی وہ کافروں کی پہچان بن گئی ہے اور معاملات میں گڑبڑ، قوم دشمنی، فراڈ اور خیانت، جھوٹ اور وعدہ خلافی مسلمان کی پہچان بن گئی ہے
ہماری درسی کتابوں میں ایک مزاحیہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک احمق اور مسخرہ تھا جس کا نام ہبنق تھا۔ وہ ہر وقت اپنے گلے میں اپنے نام کی تختی لٹکائے رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر میں نے یہ تختی گلے سے اتار دی تو میں کھو جاؤں گا، میری پہچان ختم ہو جائے گی۔ ایک دن جبکہ وہ سو رہا تھا اس کے کسی دوست نے شرارت کی اور وہ تختی اس کے گلے سے اتار کر اپنے گلے میں ڈال لی۔ ہبنق اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ تختی غائب ہے۔ ادھر ادھر دیکھا تو اسے وہی تختی اپنے دوست کے گلے میں دکھائی دی۔ ہبنق حیران ہو کر کبھی اپنا گلا دیکھتا ہے، کبھی اپنے دوست کا گلا دیکھتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ رات یہ کیا انقلاب برپا ہو چکا ہے، پھر اس نے ایک عجیب جملہ کہا جس میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ ہبنق کہنے لگا: "ارے میں تو تو ہو گیا میں کہاں گیا؟ جب میری نشانی تیرے گلے میں آ گئی تو تم میں ہو گئے اور میں کھو گیا۔

یونہی مسلمان کے جو امتیازی اوصاف تھے وہ جب غیروں نے اپنا لیے تو اب حیرانگی سے سوال کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان کہاں گیا، اس کے گلے میں وہ نشانی نہیں جو اس کے مسلمان ہونے کو ظاہر کرتی تھی۔ اس کے پاس وہ اوصاف نہیں جو اس کی پہچان تھے اب جب وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوکر اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے تو خود بڑبڑانے لگتا ہے "لوگو! میں وہ تو نہیں جو کبھی تھا تو پھر دیکھو تو سہی کہ میں کہاں چلا گیا ہوں"

پہچان ختم ہونے کی وجہ

آپ نے کہا کہ مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی وجہ کیا ہے؟

مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان نے سیرت النبی کا دامن چھوڑ دیا ہے۔

نبی کی سیرت، نبی کی صورت، نبی کی اطاعت اور نبی کی غلامی۔ یہ تو مسلمان کی اصل پہچان تھی، وہ ہزاروں اور لاکھوں میں پہچان لیا جاتا تھا، وہ کافروں اور مشرکوں کے مجمع میں اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں سب سے جدا، سب سے ممتاز نظر آتا تھا، کسی کے طنز اور کسی کی باتوں کے خوف سے وہ اپنے آقا کی اتباع چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، ان کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ازار نہ لٹکایا جائے۔

متکبرین کا شیوہ یہ تھا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتے تھے بلکہ جتنا بڑا چودھری اور سردار ہوتا تھا اتنا ہی زیادہ ازار لٹکائے رکھتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے مشورہ دیا کہ بھائی اپنا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے کر لو ورنہ ہمارے سرداروں کی نظر میں آپ کی کوئی وقعت اور عزت نہیں ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچازاد بھائی کی باتیں سنیں تو لمبی چوڑی بحث کے بجائے مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ:

لا! ھکذا ازار صاحبنا نہیں بھائی مجھے معاف رکھو اس صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹی شان و شوکت سے میں اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے نہیں کر سکتا کیونکہ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار پنڈلیوں تک ہوتا ہے۔ لوگ مجھے چھوٹا سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، مذاق اڑاتے ہیں اڑاتے رہیں میں ان کی نظر میں بڑا بننے کے لیے اور ان کی ہنسی سے بچنے کے لیے اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

صحابہ کرام سرداروں، رشتہ داروں اور بادشاہوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ کرتے تھے اور ہم ــ ہم نہاد عاشقانِ رسول ــ سارے زمانے کی پرواہ کرتے ہیں مگر اللہ اور رسول کی پرواہ نہیں کرتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ شکل و صورت اور زبان و بیان میں ایسے بن جائیں کہ یہود و نصاریٰ ہمیں حقیر سمجھ کر ہمارا مذاق نہ اڑائیں لیکن وہ پھر بھی

ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور صحابہ کا کوئی بھی مذاق نہیں اڑاتا تھا۔

کیا خوب کہہ گئے ہیں اسد ملتانی مرحوم ؎

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
جنے جلنے سے جب تک منہ موڑو گے زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

میرے مسلمان بھائیو! میلاد النبی منانے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کریں اور جس دین کی خاطر اللہ کے نبی نے طعنے سنے تھے، زخم سہے تھے، دانت شہید کروائے تھے ہم اس دین کے علمبردار بن کر پوری دنیا میں اس کی روشنی پھیلا دیں اور مشرق و مغرب میں اس کا ڈنکا بجا دیں

تین ولادتیں یہاں میں یہ بات بھی بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہیں بلکہ تین ولادتیں تھیں۔

ایک تو وہ عرفی ولادت جب آپ رحم مادر سے اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے۔ اللہ تو اس بات پر بھی قادر تھا کہ آپ کو براہ راست آسمان سے نازل فرما دیتا لیکن اس صورت میں ممکن تھا کہ بعض لوگ آپ کو خدا بنا لیتے اس لیے آپ کی عرفی ولادت اسی طریقے سے ہوئی جیسے عام بچوں کی ولادت ہوتی ہے۔

آپ کی دوسری ولادت، عرفی ولادت کے چالیس سال بعد غار حرا میں ہوئی جب جبرئیل امین وحی لے کر آئے اور محمد بن عبداللہ کو محمد رسول اللہ بنا دیا گیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں

آن نیست احمد درجہان
صدقے سب جو بندہ او عیسیٰ

یہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ولادت تھی اور ان ولادتوں میں سو ممیاستیں نمایاں تھیں

محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے آپ کا تعارف مکہ تک محدود تھا اور جب آپ محمد رسول اللہ تھے تو آپ کا تعارف مکہ سے مدینہ تک، مدینہ سے پورے عرب میں اور عرب سے عجم تک اور پھر پوری دنیا میں عام ہوگیا

آپ کی پہلی ولادت ہوئی تو آپ کا مخالف کوئی نہ تھا۔ آپ کی دوسری ولادت ہوئی تو چند سعادت مندوں کے سوا سبھی آپ کے دشمن ہوگئے

آپ کی عرفی ولادت ہوئی تو جشن منانے میں ابولہب پیش پیش تھا اور آپ کی حقیقی ولادت ہوئی تو ایذا دہی و مذاق اڑانے میں ابولہب آگے آگے تھا اور آپ کی تیسری ولادت اس وقت ہوئی جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس لیے کہ آپ کے پردہ فرمانے سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ امت کے سپرد ہوگئیں۔ سلسلہ نبوت ختم ہوگیا مگر کارِ نبوت باقی ہے اور اسی کارِ نبوت۔ امت کو آگے بڑھانا ہے۔

اور یہی ہیں جو خوش قسمت اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی جانیں دے کر کارِ نبوت کو آگے بڑھا رہے ہیں وہ ہر جگہ، ہر مقام پر دل اور ہر گھڑی سب سے اچھی سارے ہیں لیکن جنہوں نے مقصدِ نبوت

اور کار ہجرت کو فراموش کر دیا ہے وہ لاکھ جھنڈیاں لہرائیں پھر بھی یہ سچ ہے کہ ان بیچاروں کو میلاد النبی منانے کا طریقہ ہی نہیں آیا۔
آخری بات کہہ کر میں اپنا بیان ختم کر رہا ہوں۔

جشن منانے والے دوستو! ہمیں آپ سے کوئی ضد نہیں کوئی عداوت نہیں، کوئی نفرت نہیں۔ بس یہ سوچ لو کہ بارہ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی یا نہیں اس بارے میں تو علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بارہ ربیع الاول ہی کو ہوئی تھی اس لیے ہمارے عوامی محاورے میں بارہ وفات کا جملہ مشہور ہے۔ اگر بالفرض ولادت کی وجہ سے بارہ ربیع الاول جشن منانے کا دن ہے تو کیا وفات کی وجہ سے سوگ منانے کا دن نہیں ہے؟

سیرت کی ساری کتابیں اٹھا کر دیکھیں کہ بارہ ربیع الاول کو مدینے والوں کا کیا حال تھا؟ کیا جلوس نکل رہے تھے؟ کیا قمقمے جلائے جا رہے تھیں؟ کیا جھنڈیاں لگائی جا رہی تھیں؟ کیا مٹھائیاں بٹ رہی تھیں؟

ارے نہیں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ہر طرف غم کے بادل تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، جگر کٹے ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن نظر آتی تھی اور جس دن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا مدینے کی ہر چیز تاریک دکھائی دیتی تھی۔ البتہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ کس دن عید منانی چاہیے یا سوگ منانا چاہیے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ نہ عید نہ سوگ۔ عید تو اس لیے نہیں کہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحی، تیسری کوئی عید ہمارے دین میں نہیں ہے اسی لیے صحابہؓ نے بھی دو عیدوں کے سوا تیسری عید کبھی نہیں منائی اور سوگ بھی ہم نہیں مناتے کیونکہ سوگ منانے کا بھی کوئی ثبوت ہمیں حدیث سے نہیں ملتا۔ صرف پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہؓ غمزدہ ہوئے ہیں لیکن انہوں نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا کہ ہر سال یوم وفات مناتے ہوں۔ یہ طریقے تو غیر مسلموں کے ہیں کہ وہ یوم ولادت بھی مناتے ہیں اور یوم وفات بھی مناتے ہیں۔ اسلام نے نہ تو یوم ولادت منانے کی تلقین کی ہے اور نہ ہی یوم وفات منانے کا سبق دیا ہے۔

تو آئیے ہم آج سے عزم کریں کہ ہم انشاء اللہ زندگی کے ہر شعبے میں سیرت نبی کو اپنائیں گے اور یوں ہم گویا ہر دن اور ہر جگہ میلاد النبی کی یاد تازہ کریں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) فتاویٰ [illegible] ص ۳ ج ۲

(۲) [illegible] الطالبین ص ۲۹۲

(۳) صحیح مسلم ص ۲۸۰ ج ۱

(۴) نسائی ص ۱۶۹ ج ۱

(۵) مشکوٰۃ ص ۲۱ ج ۱

بے مثال انسان

رُوحِي الفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ
بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ

عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا
عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

"میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو بے مثال ہے، اسی لیے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ میں آپ کو کون سے پہلو کے اعتبار سے بے مثال کہوں

آپ کے بچپن کو بے مثال کہوں؟ آپ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو سپہ سالار اعظم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو مزاج شناس معلم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو فضائل انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ یا آپ کو حسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو درپیش تھا

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است"

بے مثال انسان

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (نور - ۵۵)

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دیگا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دیگا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان

میرے بزرگو اور دوستو! میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کسی انسان کی زندگی میں اتنا تنوع اور اتنی رنگا رنگی ہو جتنی رنگا رنگی آمنہ کے لعل کی زندگی میں پائی جاتی ہے اور آپ کی زندگی کا ہر پہلو اتنا دلکش اور اتنا خوشنما ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ پہلو بے مثال ہے اور انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون سے پہلو کے اعتبار سے آپ کو بے مثال کہوں

آپ کے بچپن کو بے مثال کہوں ؟
آپ کی جوانی کو بے مثال کہوں ؟
آپ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو سادگی پسند فرمانروا ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو سپہ سالار اعظم اور رحمدل فاتح ہونے کے اعتبار سے بےمثال کہوں ؟
آپ کو صاحب درد مبلغ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو مزاج شناس معلم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو شب زندہ دار عابد و زاہد ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو نفسیات انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو بیواؤں، یتیموں اور سارے کمزور انسانوں کا غمخوار ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو ایک مخلص دوست اور خوش مزاج شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
یا آپ کو حسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں ؟
بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو درپیش تھا ؎
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

آپ نے کئی بچوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کا بچپن مثالی تو کیا بہت بُرا ہوتا ہے لیکن ان کی جوانی قابلِ رشک ہوتی ہے۔ بعض نوجوان جوانی میں صراطِ مستقیم سے ہٹے رہتے ہیں لیکن بڑھاپے میں لائن پہ آجاتے ہیں۔ کئی لوگ شوہر ہونے کے اعتبار سے بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن بچوں کا باپ ہونے کے اعتبار سے مثالی نہیں ہوتے۔ ایک شخص تبلیغ و دعوت میں کامیاب ہوتا ہے مگر تجارت کے میدان میں ناکام رہتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو زہد و عبادت میں بہت آگے ہوتے ہیں لیکن میدانِ جہاد کی پہلی صف میں بھی وہ دکھائی نہیں دیتے۔ بہت سے خطباء میدانِ خطابت کے شہسوار ہوتے ہیں لیکن تعلیم و تربیت میں صفر ہوتے ہیں۔ ایسے مدرسین کی کمی نہیں جو درس گاہ میں فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیرتے ہیں لیکن جوں ہی اسٹیج پر ان کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگتی ہیں اور زبان غوطے کھانے لگتی ہیں۔

اعترافِ عجز لیکن کائنات کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ آپ جس رُخ سے بھی کریں گے اسے بے مثال پائیں گے۔ جی چاہتا ہے کہ آقا کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کروں لیکن میرے اندر اتنی صلاحیت کہاں؟ میں تو عجز در عجز، جہل در جہل اور نقص در نقص کا مجموعہ ہوں، جو واقعی علم بکمال و فصاحت و بلاغت رکھتے تھے وہ بھی جب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے بھی یہ کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جیسا حق ہے ویسی تعریف تو حضور کی ہو نہیں سکتی بس مختصر سی بات یہ ہے کہ پہلے خدا ہے پھر مصطفیٰ ہے۔ مخلوق میں سے سب سے افضل ہیں اور خالق کے بعد ہیں۔ آپ کو عام انسانوں جیسا کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے اور آپ کو خالق کے ساتھ ملا دینا شرک ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے

ولو أننی أوتیت کل بلاغۃ   وأفنیت بحر النطق فی النظم والنثر
لما کنت بعد القول إلا مقصرا   ومعترفا بالعجز عن واجب الشکر

شاعر کہتا ہے کہ اگر مجھے بلاغت کا کمال عطا کر دیا جائے اور میں اپنی نطق گویائی اور فصاحت و بلاغت کا سمندر بھی صرف کر دوں تو بھی میں شکر ادا نہیں کر سکتا اور بالآخر مجھے اپنے عجز ہی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

یہی حال میرے آقا کے اوصاف و کمالات کا ہے کہ اگر فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے اور لکھ لکھ کر اوراق کے اوراق سیاہ کر دیئے جائیں تو بھی آپ کے توصیف اور تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

درمیان سچی بات تو یہ ہے کہ ہم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں تو اس تعریف کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہماری زبان، ہمارے قلم، ہماری تقریر اور ہماری تحریر کا مرتبہ اونچا ہو جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ خوب فرما گئے ہیں

ما إن مدحت محمدا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

فرماتے ہیں کہ میں اپنے کلام کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے کلام کا مرتبہ بلند کرتا ہوں۔

ارے بھائی! بڑی بات ہے اگر ہمارے جیسے ناقصوں، جاہلوں اور خطاکاروں کا نام کائنات کے آقا کے ثناخوانوں میں آجائے ورنہ جہاں تعریف کرنے والے شیخ سعدیؒ جیسے ہوں۔
جہاں تعریف کرنے والے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے ہوں
جہاں تعریف کرنے والے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ہو۔
جہاں تعریف کرنے والے جبرئیل امین اور ملائکہ مقربین ہوں۔
اور جہاں تعریف کرنے والا خود رب العالمین ہو، وہاں ہمارے جیسے بدعملوں اور کج بیانوں کی تعریف و توصیف کیا اہمیت رکھتی ہے

جوتے کا تسمہ

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ بڑے معتبر اور متبحر عالم گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کا ملکہ بھی عطا کیا تھا، وہ بولتے تھے تو مجمع پر سحر طاری کر دیتے تھے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ ہمارے بزرگ وڈیروں، بادشاہوں، وزیروں اور سرداروں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے

ایک دفعہ نواب آف حیدرآباد دکن میر علی عثمان بیٹھے ہوئے تھے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔ دوران تقریر مولانا نے بڑے شوق کے ساتھ

فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تنا بڑا ہے کہ اگر آپ کے جوتے کا تسمہ نظامِ حیدرآباد دکن کے تاج میں لگ جائے تو تاج کا مرتبہ بڑھ جائے۔ نظامِ دکن میر عثمان علی یہ سن کر وارفتہ ہو گیا اور وہ چیخ مار کر کہنے لگے مولانا آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔ واقعی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ میرے تاج میں لگ جائے تو میں بادشاہ ہو جاؤں [1]

ہر پہلو سے بے مثال

بات دور نکلتی جا رہی ہے اصل بات جو کہنا تھا وہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو بے مثال تھی اور یہی بات سمجھانے کے لیے میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے

معصوم بچپن

آئیے ہم بچپن سے بات شروع کرتے ہیں۔ بچپن کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ عام بات ہے کہ بہت سے لوگوں کے بچپن اور بچپن میں کوئی فرق نہیں ہوتا کھیل کود سے وہی دلچسپی، کھانے پینے کی وہی چسکے، گپ شپ کے وہی مشغلے، چھیڑ چھاڑ اور نوک جھونک کی وہی عادتیں جو بچپن کا خاصہ تھیں بڑے میاں سے بچپن میں نہیں چھوٹتیں۔

پھر جب ایک تو بچپنا ہو اور دوسری طرف کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو تو بچے بگڑ جایا کرتے ہیں لیکن میرے آقا کا بچپن ایسا معصوم اور بے داغ ہے کہ علیمہ سعدیہ حیران ہے۔ عبد المطلب حیران

ہے۔ ابوطالب حیران ہے یہ کیسا بچہ ہے نہ چلبلاہٹ ہے، نہ شرارت ہے، نہ لڑائی جھگڑا ہے، نہ کہیں سے اس کی شکایت آتی ہے۔ حالانکہ والد کا انتقال آپؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہو چکا، اور چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، آٹھ سال کے ہوئے تو شفیق دادا بھی چل بسے

اللہ اکبر! وہ جو ساری دنیا کے لیے سہارا بن کر آیا تھا خود اسے ایک ایک سہارے سے محروم کیا جا رہا تھا۔

وہ جو یتیموں اور ضعیفوں کے سر پہ ہاتھ رکھنے کے لیے آیا تھا خود اس کا یہ حال تھا کہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ابوطالب آپ کی سرپرستی اور کفالت کر رہے تھے لیکن آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں، تاریخ کہتی ہے کہ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت نہیں کر رہا تھا بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی کفالت کر رہے تھے۔ یتیم بھتیجہ اونٹ اور بکریاں چراتا تھا اور مہینہ بھر کی محنت مشقت سے جو چند سکّے ملتے تھے انہی کو پر چچا اور بھتیجہ گذر کرتے تھے۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے میرے آقا کا بچپن مثالی تھا

پاکیزہ جوانی

بچپن سے آگے بڑھیں میرے آقا کی جوانی دیکھیں، لوگ کہتے ہیں جوانی دیوانی ہوتی ہے اور جوانی بھی جب اُس ماحول میں آئے جس ماحول میں شراب نوشی عام ہو، زنا کاری معیوب نہ ہو، ہر طرف جنگ و جدال کا چرچا ہو، لڑائیوں پر فخر کیا جاتا ہو تو ایسی جوانی کے جذبات کا حال جو

ہو سکتا ہے وہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے لیکن اس پراگندہ ماحول میں بھ
رب کریم نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت اور نگرانی
زمانہ کا آپ ہمیشہ جاہلیت کی بُری عادتوں سے دور رہے۔ آپ
سوں کا خیال کرتے تھے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری فرماتے
مانوں کا اکرام فرماتے تھے نیکی کے کاموں میں دوسروں کی
تے تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق ہی کو دیکھ کر آپ کی قوم نے
امین کا لقب دے دیا تھا۔ جب حجر اسود کے نصب کرنے
میں اختلاف ہوا اور قریب تھا کہ یہ اختلاف خوفناک جنگ
صورت اختیار کر جاتا تو وہ پاکیزہ نوجوان آپ ہی تھے جن کی
حسن تدبیر سے خونریزی کا خطرہ ٹل گیا۔

اور یہ بھی سیرت آقا کی پاکیزہ جوانی اور اچھی شہرت کا نتیجہ تھا
کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
آپ کو خود شادی کی پیشکش کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش
کے بڑے سرداروں کی درخواست رد کر چکی تھیں

بیویوں کا شوہر ہونے کے ... سے حضور
بادوں شوہر کے ... اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں
تو آپ بے مثال دکھائی دیتے ہیں
آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں
... آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں اور نو آخر تک

آپ کی ازواج مطہرات مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں ...

ظاہر ہے ان کے مزاج اور طبیعتیں بھی مختلف تھیں۔ ان میں سے کوئی امیر گھرانے کی تھی، کوئی غریب خاندان کی تھی، کوئی مکہ کی تھی اور کوئی مدینہ اور مدینہ سے باہر کی تھی، کوئی رشتہ دار تھی، کوئی غیر رشتہ دار تھی، کوئی نوجوان تھی، کوئی بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی، کوئی عربوں کی بیٹی تھی کوئی یہودیوں کی بیٹی تھی لیکن کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں کہ آپ نے زندگی بھر ان سب کو جوڑے رکھا، چھوٹی موٹی شکایتیں تو ہوتی ہی ہیں لیکن کوئی ایسا بڑا معاملہ پیش نہیں آیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی یہ ظاہر کرتی کہ میں ان حالات میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض اوقات مال و دولت بہت سی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور سونے چاندی کی چمک دمک اور خوش حالی دیکھ کر بہت ساری زبانیں بند ہو جاتی ہیں لیکن میرے آقا کے گھر میں نہ دولت کے انبار تھے، نہ سونے چاندی کی تھیلیاں تھیں، وہاں تو فقر و فاقہ نے مستقل ڈیرہ جما رکھا تھا اس فقر و فاقہ کے باوجود ازواج مطہرات نے زندگی نباہی ہے تو کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں؟

تیسری بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ میرے آقا کی ذمہ داریاں بہت بھاری تھیں۔ آپ صرف بیویوں کے شوہر ہی نہ تھے بلکہ معلم اور مربی بھی تھے مجاہد اور کمانڈر بھی تھے، امام اور خطیب بھی تھے، راتوں کو جاگنے والے عابد بھی تھے، یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست بھی تھے، اسلامی مملکت کے فرمانروا اور حکمران بھی تھے، قاضی اور جج بھی تھے، اور ان سارے کاموں میں آپ کو کچھ نہ کچھ وقت دینا ہی پڑتا تھا اب آپ خود ہی فیصلہ

کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے
کیسے وقت نکالتے ہوں گے؟ مگر ظاہر ہے کہ آپ وقت بھی نکالتے تھے
اور ان کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔

سوچیے اور بار بار سوچیے کہ یہ سارے پہلو آپ کو ایک بے مثال
شوہر ثابت نہیں کرتے؟

اور یہ گواہی باہر کی نہیں گھر کی ہے۔ کسی اور کی نہیں خود زوجہ مطہرہ
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں "میرے
سرتاج تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے
اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے"۔

ہم میں سے اگر کوئی تدریس کرتا ہے یا ملازمت اور مزدوری کرتا
ہے تو وہ گھر کے کام کاج کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ اور ہمارے لیڈر لوگ
تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کسی گھر کا کوئی کام کریں گے، اس
کے لیے داسیاں ہیں، نوکر ہیں، ملازم ہیں اور کچھ نہیں تو بیویاں
ہیں مگر وہ جو سب لیڈروں کا لیڈر اور سرداروں کا سردار تھا۔ وہ جو
ابو بکر و عمر کا استاد اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کا مرشد تھا اس کا
حال خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ "آپ
اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ
لیتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے اور
اسی طرح کے دوسرے کام کر لیتے تھے"۔

جائیے اور دنیا بھر کے استادوں، پیروں، لیڈروں، سرداروں،
وزیروں، بادشاہوں، خلیفوں اور اماموں کے حالات پڑھ جائیے اور

دکھیئے ہے کوئی ایسا جو والی مدینہ کی طرح گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا ہو، حالانکہ اس کی نو بیویاں ہوں اور ہر بیوی خدمت کو سعادت سمجھتی ہو۔ خیر یہ بھی ہو کہ زوج کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے اس کی زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ متاثر نہ ہوا ہو۔ دعوت متاثر ہوئی، نہ تعلیم و تربیت متاثر ہوئی۔ نہ جہاد اور نہ ہی جنگ متاثر ہوا، نہ فلاحی خدمات کا دائرہ متاثر ہوا۔ نہ عدالتی نظام متاثر ہوا۔ خدا کی قسم! میں سچ کہتا ہوں۔ نہیں ہے کوئی میرے آقا جیسا۔ جو کوئی کہتا ہے کہ ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ایک شادی کر کے نکمے ہو جاتے ہیں وہ پیغمبر کتنا عظیم تھا جس نے نو بیویوں کے حقوق ادا کیے اور اپنی دوسری دینی دنیاوی، سیاسی فوجی، عدالتی، تعلیمی، دعوتی اور فلاحی ذمہ داریوں کو بھی پوری طرح ادا کیا۔

جب سب سو رہے ہوتے تھے وہ جاگ رہا ہوتا تھا، جب سب تھک جاتے تھے وہ مستعد ہوتا تھا، جب سب بھاگ جاتے تھے وہ ثابت قدم رہتا تھا، جب سب پہ مایوسی طاری ہوتی تھی وہ پُر امید ہوتا تھا، جب سب سیر ہوتے تھے وہ بھوکا ہوتا تھا، جب سب ہنس رہے ہوتے تھے وہ رو رہا ہوتا تھا ــــــ واقعی میرے دوستو حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کا شوہر بے مثال تھا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کی زدواجی زندگی سے دوسرا کوئی شعبہ متاثر نہیں ہوا۔ نہ جہاد متاثر ہوا نہ تبلیغ و دعوت متاثر ہوئی۔

صاحبِ دردِ مُبلّغ آپ جانتے ہیں کہ اصل میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ اور داعی بن کر آئے تھے۔ تبلیغ و دعوت آپ کا فرضِ منصبی تھا اور آپ نے اس فرضِ منصبی کی ادائیگی میں اپنا جسم و جان کو لگا دیا۔ نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ کلفت سے ڈرے نہ حرب و ضرب کی وجہ سے پیچھے ہٹے جن کے لیے آپ کو مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا وہ گالیاں دیتے۔ آپ قرآن سناتے، وہ پیچھے ہٹتے آپ قریب ہو جاتے، وہ کاہن اور ساحر کہتے آپ یٰقَوْمِ کہہ کر خطاب فرماتے۔ وہ سرد مہری سے کام لیتے آپ جوش کا مظاہرہ فرماتے وہ مجمع میں بات نہ سننا چاہتے تو آپ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے۔ مکہ والے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تو آپ آبادی سے باہر تشریف لے جاتے اور راستے میں آنے جانے والوں کو قرآن سناتے۔ مکہ والوں نے انکار کیا تو آپ طائف تشریف لے گئے کہ یہ نہیں سنتے شاید وہ سن لیں، یہ نہیں مانتے شاید وہ مان لیں لیکن طائف والوں نے جو سلوک کیا اس نے اہلِ مکہ کے مظالم کو مات دے دی۔

تبلیغ و دعوت کے لیے آپ صرف طائف ہی تشریف نہیں لے گئے بلکہ عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں۔ عکاظ کا بازار، طائف کی گلیاں اور مکہ کا ذرہ ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا گواہ ہے۔ بس آرزو اور چاہت یہ تھی کہ کاش یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○	بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان کے ایمان لانے کی بڑی چاہت ہے

جانبت کی انتہا یہ ہے کہ طائف میں جبکہ آپ زخموں سے چور تھے، کپڑے معصوم خون سے لال ہو گئے تھے، جوتیاں خون کے گوند سے تلووں کے ساتھ چپک گئی تھیں اور کمزوری کی وجہ سے چلا بھی نہیں جاتا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو خدمت کے لیے ساتھ تھے وہ کسی طرح شہر سے باہر آپ کو لے آئے۔ ایک باغ کے مالک کی نظر پڑی تو ترس آیا اور اس نے انگور کے چند خوشے اپنے عیسائی غلام کے ذریعے خدمتِ اقدس میں بھیجے تو اس حالت میں بھی اسلام کی دعوت دینے سے باز نہ آئے اور اس دعوت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس عیسائی غلام کا سینہ قبولِ اسلام کے لیے کھول دیا۔

دعوت کے درد اور جوشِ تبلیغ کی انتہا دیکھنی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کی بیماری نازک صورت اختیار کر چکی ہے، بار بار غشی طاری ہو رہی ہے، بخار اتنا شدید ہے کہ سر پر رکھا ہوا کپڑا تپ گرم ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کبھی منبر پر تشریف لے جاتے ہیں اور وعظ و نصیحت فرماتے ہیں اور کبھی بستر پر لیٹے لیٹے ہی اہم باتوں کی تلقین فرما رہے ہیں۔

میرے دوستو! سچا داعی وہ نہیں ہوتا جو تقریر بہت اچھی کرتا ہو، سچا داعی وہ ہوتا ہے جسے اپنی دعوت کی سچائی کا کامل یقین ہوتا ہے اور جو اپنی دعوت کے مخاطبین کے لیے ایسے تڑپتا ہے جیسے کوئی اپنی اولاد کے لیے تڑپتا ہے۔ آپ اس معیار کو سامنے رکھ کر صحابہ کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

آپ کو اپنی دعوت کی صداقت پر اتنا یقین تھا کہ جب سب جھگڑ رہے

یہاں تک کہ جب رد چچا ابو طالب بھی ساتھ دینے میں متذبذب ہو گئے تو آپ نے فرمایا تھا۔ "چچا! اللہ کی قسم اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں (تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا اب تو دو ہی صورتیں ہیں) یا تو اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں۔"

اور امت کے لیے آپ کے درد کو دیکھنا ہو تو آپ کے ان آنسوؤں کو شمار کیجئے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سرزمین میں رات کی تاریکی میں جذب ہوتے، ورنہ کس کی طاقت ہے کہ ان آنسوؤں کو شمار کر سکے۔

عابد و زاہد میرے آقا صرف تبلیغ و دعوت میں بے مثال نہ تھے بلکہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا باب بھی آپ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ذکر و عبادت کا لمحہ تھا

کیا کتاب و حکمت کی تعلیم عبادت نہ تھی؟

کیا بے کسوں، ضعیفوں اور ناداروں کی چارہ گری عبادت نہ تھی؟

کیا نظام عدل کا قیام اور لشکر ان اسلام کا اہتمام عبادت نہ تھی؟

یقیناً یہ بھی عبادت تھی اور آج بھی یہ عبادت ہے لیکن اس عبادت کی وجہ سے آپ نے اصطلاحی عبادت سے کبھی استغنا نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے گئے تھے پھر بھی آپ صوم و قیام میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔

نماز کو آپ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ آپ کو نماز سے تسکین نہیں ہوتی تھی کہ بالخصوص اگر کوئی

پریشانی کا معاملہ پیش آجاتا تو آپ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے شدید تیز ہوا چلتی یا سورج گرہن ہوتا یا چاند گرہن ہوتا تو آپ مسجد کا رخ فرماتے اور نماز ادا فرماتے۔ اور نماز بھی ہماری جیسی نہیں کہ نہ قیام کی خبر، نہ رکوع کی خبر، نہ خشوع خضوع کا اتہ پتہ بلکہ ایسی نماز ہوتی تھی کہ بعض اوقات طویل قیام کی وجہ سے قدم مبارک سوج گئے۔ دیکھنے والوں نے عرض کیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

"کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"

جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے اور خشوع خضوع کی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی بعض اوقات رونے کی وجہ سے سینہ مبارک سے ایسی آواز نکلتی جیسے دیگچی اُبلنے سے آواز نکلتی ہے۔ نماز کے علاوہ آپ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے، جہاں تک ذکر و استغفار کا تعلق ہے تو اس سے آپ کی مبارک زبان ہر وقت معطر رہتی تھی۔ ایک اہم بات یاد رکھیں وہ یہ کہ اللہ کے ہاں اصل اعتبار کمیت کا نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ہے۔ آسان زبان میں یوں کہہ لیں کہ صرف مقدار اور تعداد کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کوالٹی کو دیکھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دوسرے شخص نے میرے آقا سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں، زیادہ روزے رکھے ہوں، زیادہ حج کیے ہوں لیکن میرے آقا کی ایک نماز، ایک روزہ اور ایک حج دوسروں کی ہزاروں نمازوں، ہزاروں روزوں اور ہزاروں حجوں سے افضل ہے۔ اس لیے کہ عبادت کی جو کوالٹی اور معیار میرے آقا کا تھا وہ کسی دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا۔

سادگی پسند فرمانروا میرے دوستو! بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے کہ غربت کے زمانے میں اللہ کو بہت یاد رکھتے اور بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن جونہی دولت آئی وہ خدا کو بھی بھول گئے اور خدا کے بندوں کو بھی بھول گئے۔ ان کا رہن سہن، عادات اور اخلاق بدل جاتے ہیں۔ لباس تو کیا گفتگو کے انداز بدل جاتے ہیں کئی لوگ تو نام بھی بدل لیتے ہیں۔ کل غریب تھا تو نام اللہ دتہ تھا آج امیر ہو گیا تو نام اے ڈی خان ہو گیا۔ کل کنگلا تھا تو نام خوشحال خان تھا پیسہ آیا تو نام ایچ کے ہو گیا۔ کل لیبر اسکوائر کے فلیٹوں میں تھا آج ڈیفنس میں بنگلہ ہو رہا ہے۔ کل بسوں میں دھکے کھاتا تھا آج ٹویوٹا کرولا میں سیر سپاٹے کر رہا ہے۔ کل حکیمی اور اتائی سے علاج کرتا تھا آج آغا خان میں ایکسرے کرواتا ہے۔ کل لالو کھیت سے خریداری کرتا تھا آج شاپنگ کے لیے وہ بیوی بچوں سمیت دبئی جاتا ہے۔ کل کے ایم سی کا پانی پیتا تھا آج وہ منرل واٹر پیتا ہے بلکہ معیار ذرا اونچا ہو جائے تو اسے پاکستان کا پانی اچھا ہی نہیں لگتا۔ اس کے لیے پانی بھی فرانس اور سوئٹزرلینڈ سے آتا ہے۔

کتنے ہی حکمران ہیں جو اقتدار ملنے سے پہلے عوام کے دکھ درد میں خون کے آنسو رویا کرتے تھے وہ ان کے ساتھ پیوند زدہ کپڑے پہن کر آیا کرتے تھے لیکن اقتدار ملنے کے بعد ان کے انداز و اطوار بدل جاتے ہیں لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے اور اقتدار ملنے کے بعد کی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے آپ کو دونوں زندگیوں میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آئے گا، جو سادگی

مکہ میں بھی وہ مدینہ میں بھی برقرار رہی اور سادگی بھی کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سادگی۔ لباس میں سادگی، طعام میں سادگی، گھر میں سادگی، بزم میں سادگی، معاملات میں سادگی، گفتگو میں سادگی، نشست و برخاست میں سادگی۔

آپ اپنے دور کے ان حکمرانوں کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے جو عوام کو سادگی کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات تو چھوڑیئے ان کی بیگمات جو بچشم بد دور خاتون اول کہلاتی ہیں ان کے پاس کپڑوں اور جوتوں کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں جوڑے ہوتے ہیں اور خود ان کے شوہر بھی ملبوسات کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ لیکن کائنات کے سردار اور دس لاکھ مربع میل کے فرمانروا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے جسم اطہر پر ایک پیوند زدہ چادر اور ایک گاڑھے کا کرتہ تھا۔ عام طور پر آپ ان ہی کو دھو دھو کر اور پیوند پہ پیوند لگا لگا کر پہنے رہا کرتے تھے

میرے دوستو! ہم میں سے غریبوں کے دسترخوان پر بھی دو دو قسم کے سالن ہوتے ہیں اور ایک وقت کا سالن دوسرے وقت سامنے آجائے تو ہمارا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ سرمایہ داروں اور حکومتی عہدہ داروں کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ دعوتوں کے موقع پر ان کے ٹیبل پر جتنے سالن ہوتے ہیں ہم تو ان کے نام بھی یاد نہیں رکھ سکتے۔ آپ تو اخباروں کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ جناب ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں پچاس پچاس سالن بھی ہوتے ہیں لیکن دالی مدینہ کا حال یہ تھا کہ اکثر تو

کھجوروں اور پانی پر ہی گزارہ ہوتا تھا، دو دو ماہ تک چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی، چپاتی عمر بھر نصیب نہیں ہوئی۔ جو کچھ سامنے آجاتا بے تکلف تناول فرما لیتے۔ کدو آپ کو بہت مرغوب تھا، گھر میں اگر سرکہ بھی ہوتا تو آپ خوش ہو جاتے کہ سالن موجود ہے

میرے دوستو! آپ نے بہت سارے گھروں میں بستر دبا کے ڈھیر دیکھے ہوں گے جو سارا سال پیٹیوں ہی میں بند رہتے ہیں، وہاں ان کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی۔ آج کل ایسے ایسے بیڈ استعمال کیے جارہے ہیں جن کی قیمت لاکھ روپے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن شاہ عرب و عجم کی خدمت میں جب آپ کے غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جسم مبارک پر ایک تہہ بند ہے۔ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ سرہانے رکھا ہوا ہے، ایک کھری چارپائی ہے جس کے نشان جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جو پڑے ہیں۔ چمڑے کا مشکیزہ کھونٹی پر لٹکا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ آپؐ نے مسکرا کر پوچھا

"عمر! کیا بات ہے رونے کیوں ہو؟"

عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر و کسریٰ تو عیش اڑائیں اور اللہ کے پیغمبر کی یہ حالت ہو؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے ابن خطاب کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ وہ دنیا بنا لیں اور ہم آخرت بنا لیں؟"

پھر فرمایا: گھر میں صرف تین بستر کافی ہیں دو میاں بیوی کے لیے

اور تیسرا کسی مہمان کے لیے۔ اگر ان کے علاوہ چوتھا بستر موجود ہو تو اس پر شیطان قبضہ جما لیتا ہے۔

میں اپنے آقا کی سادگی کے کس کس پہلو کا تذکرہ کروں آپ کی تو ساری زندگی ہی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ والیٔ مدینہ بے مثال تھے آپ نے کوئی ایسا بادشاہ دیکھا یا سنا ہے جو خود ہی گھر میں جھاڑو دے لیا کرتا ہو؟

جو پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹے ہوئے جوتے خود سی لیا کرتا ہو
جو مریضوں، یتیموں، معذوروں اور کوڑھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا کرتا ہو
جسے راہ چلتے ہوئے غلام اور لونڈیاں روک لیا کرتے ہوں اور اپنا کام کرائے بغیر نہ چھوڑتے ہوں؟
جس کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوں؟
جو مفلسوں پر لاکھوں خرچ کرتا ہو اور خود اس کے گھر میں دو دو ماہ چولہا نہ جلتا ہو؟
جو سب مستحقین میں غلام اور لونڈیاں تقسیم کرے لیکن خود اس کی بیٹی کے ہاتھوں پر چکی چلا چلا کر نشان پڑ گئے ہوں؟
جو گدھے اور خچر پر بڑی خوشی سے سوار ہو جاتا ہو؟
جو رعایا کے سامنے اپنا جسم پیش کرتا ہو کہ اگر میں نے کسی پر زیادتی کی ہے تو آؤ یہ چھڑی حاضر ہے مجھ سے انتقام لے لو؟
جس نے میراث میں ایک درہم اور ایک دینار بھی نہ چھوڑا ہو؟
آپ خود مطالعہ کیجئے مطالعہ دوسروں سے معلومات حاصل کیجئے۔
مجھے یقین ہے اور سو فیصد یقین ہے کہ آپ آج نہیں تو کل یہ تسلیم کرنے پر

مجبور ہو جائیں گے کہ تاریخ انسانی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فرمانروا نہیں گذرا اور ایک فرمانروا ہونے پر ہی کیا موقوف ہے میں پوری بصیرت، پوری تحقیق، پوری سنجیدگی اور پورے اعتماد سے دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے آقا کی زندگی کا ہر رخ بے مثال تھا۔

آپ کا بچپن بھی بے مثال تھا آپ کی جوانی بھی بے مثال تھی، آپ شوہر بھی بے مثال تھے، آپ تاجر بھی بے مثال تھے آپ مبلغ بھی بے مثال تھے، آپ کمانڈر بھی بے مثال تھے، آپ فاتح بھی بے مثال تھے۔ آپ مرشد بھی بے مثال تھے، آپ عابد و زاہد بھی بے مثال تھے آپ غمخوار اور ہمدرد بھی بے مثال تھے۔

اے لوگو! محبت کرنی ہے تو آؤ دین مدینے سے کرو، عشق کرنا ہے تو بحرین کے تاجر سے کرو، پیار کرنا ہے تو مکہ کے فاتح سے کرو، تعلق رکھنا ہے تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے شوہر سے رکھو، اطاعت کرنی ہے تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مرشد کی کرو، غلام بننا ہے تو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے نانا کے غلام بنو اللہ ہمیں اور آپ کو کائنات کے آقا کا سچا غلام بننے کی توفیق عطا فرمائے

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) خطبات مستقام ص ۱۴۴ - ۱۴۳ ج ۱

(۲) النبی الخاتم ص ۳۲

(۳) صحیح بخاری ص ۳ ج ۱

(۴) نبی رحمت ص ۵۵

(۵) صحیح بخاری

(۶) ابن ہشام ص ۳۳۱ - ۵ ۳۴۹

(۷) نسائی ص ۹۲

(۸) ابوداؤد ص ۹

(۹) صحیح بخاری ص ۷۴۲

(۱۰) شمائل ترمذی

سپہ سالارِ اعظم ﷺ

محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زرتارِ گردوں
وہ اُمّی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی
وہ شاہِ بوریا مسند سکھایا جس نے دنیا کو
یہ اندازِ جہانگیری یہ آئینِ جہانبانی
وہ کشتیِ نوعِ بشر جس نے کھولا رازِ خدا شناسی
علومِ اوّلین و آخریں کا گنجِ پنہانی

(اقبال سہیل)

"آج سے چودہ سو برس پہلے جزیرۃ العرب میں جس طرح انسانیت کی فلاح کی خاطر کوشش ایک معزز انسان کا خون بہنے پہ تڑپ تڑپ کے آنسو بہانے والے درد مندو! تمہیں دنیا بھر میں بکھرے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں نہیں سنائی دیتیں جو پہلے ہی غلط منصوبوں اور باطل پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں اگر تم سب تعصبات پر قابو پا کر یک آواز ہو سکو تو خدا کی قسم تم بھی یہ دیکھنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا امریکہ، چین اور روس، برطانیہ اور فرانس سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف سپہ سالار اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے جس دن آپ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہوا تو اسی دن کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائیگا عراق، افغانستان کے مظلوم عوام سکون کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ"

سپہ سالارِ اعظم ﷺ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ○ (النساء)

سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کر دے لڑائی کافروں کی اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دیتے میں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ دنیا جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے آج تک جنگ و جدل کا سلسلہ جاری ہے۔ اس دنیا کی پہلی جنگ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان ہو گئی تھی اور وہ جنگ ایک غلط اور باطل مقصد کی خاطر ہوئی تھی۔ قابیل نے ہابیل کو اس کی کسی غلطی کی بنا پر نہیں بلکہ محض حسد کی بنا پر قتل کیا تھا۔ دنیا میں جو اکثر جنگیں ہوتی رہی ہیں وہ باطل مقاصد کی خاطر ہوئی ہیں۔ کوئی جنگ کرتا تھا لوٹ مار اور غارت گری کے لیے۔ عربوں کے حالات کا مطالعہ کیجیے ان میں سے کئی کا ذریعہ معاش ہی لوٹ مار

تھا، ایک طاقتور قبیلہ تھا اور کمزور قبیلے پر حملہ کرکے اس کے مال مویشی چھین لیا جاتا۔

کوئی لڑتا تھا شہرت اور ناموس کے لیے تاکہ اس کی بہادری کا چرچا ہو جائے

کوئی جان لڑاتا تھا حصول اقتدار کے لیے۔ اور بعض اقتدار کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اس کی توسیع کے لیے، ایک علاقے کے بعد دوسرے علاقے اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر پر قبضہ جماتے جاتے لیکن ان کی ہوس ملک گیری کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔

کوئی جنگ کرتا تھا انتقام کے لیے اور پھر سالہا سال تک انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

بربریت عرب جنگوں میں کوئی اصول اور قاعدہ نہیں تھا حملہ آور کو اختیار تھا کہ جو سلوک چاہے اپنے دشمن سے کرے۔ چنانچہ ان کے ہاتھوں انسانیت پر ایسی بربریت کا مظاہرہ ہوتا تھا کہ درندے پناہ مانگتے تھے، چھوٹے بچوں، کمزور عورتوں اور ناتوان بوڑھوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

عرب کا ایک بادشاہ تھا عمرو بن ہند، بنو تمیم نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس نے منت مانی کہ میں ایک کے بدلے سو تمیمیوں کو قتل کروں گا۔ اس نے حملہ کیا تو بنو تمیم بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک بڑھیا پیچھے رہ گئی جس کا نام حمراء تھا۔ اس کو گرفتار کرکے زندہ آگ میں ڈلوا دیا۔ اسی وقت ایک بنو تمیم کا پیاسا مسافر عمار نام کا گذرا وہ دھواں دیکھ کر قریب آ گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ

تم کیوں آگئے ہو؟ اس نے جواب دیا ۔ میں کئی روز سے بھوکا ہوں ،
سنا کہ یہاں کھانا پک رہا ہے بھوک سے بے تاب ہو کر چلا آیا ہوں
کہ شاید مجھے بھی دو لقمے مل جائیں ۔

عمرو بن ہند نے اس بے گناہ مسافر کو بھی آگ میں ڈلوا دیا
یہ مت سمجھئے کہ زمانۂ جاہلیت ہی میں ایسے ظالم اور وحشی ہوتے تھے
آج کے روشنی اور علم کے دور میں بھی ایسے درندوں کی کمی نہیں ۔
یہ روس کا گورباچوف ، امریکہ کا کلنٹن ، بھارت کا واجپائی اور اسرائیل
کا شیرون غرضیکہ یہ سب عمرو بن ہند کے پیروکار ہیں

جہاد و قتال بہرحال یہ وہ حالت تھی جس میں سے پہلے آپ کے
آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن کر تشریف لائے
اور آپؐ نے سارے انسانوں کو ایمان لانے کی دعوت دی اور اس
دعوت کا سلسلہ ایک دو سال نہیں بلکہ پورے تیرہ سال تک چلتا
رہا۔ جو خوش نصیب تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور جو بدنصیب
تھے انہوں نے نہ صرف اس نعمت کو ٹھکرا دیا بلکہ اللہ کے نبی اور آپ کے
اصحاب پر اللہ کی زمین کو تنگ کر دیا، جو حد جا سکی حد کر دی یہاں تک
کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اور
پھر اللہ نے دوسری قوموں کے ستمگروں کی طرح عرب کے ظالموں کو
بھی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ جس انداز
سے چاہے ستمگروں کو سزا دے۔ چاہے تو کسی کو غرق کر دے، چاہے
تو زمین میں دھنسا دے، چاہے تو آسمان سے پتھر برسا دے، چاہے
تو زلزلہ برپا کر دے، چاہے تو تیز و تند ہوا مسلط کر دے، چاہے تو
بندر اور خنزیر بنا دے اور چاہے تو اپنے بندوں کے ہاتھوں ہی ظالموں

کو سزا دے۔ سورۂ توبہ میں ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ — ان کافروں سے جہاد و قتال کرو تاکہ اللہ انھیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر خود بھی جہاد کرتے رہے اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے، ہم کسی مستشرق کو اور کسی مستغرب کو خوش کرنے کے لیے جہاد کی آیات اور احادیث میں کسی قسم کی تاویل کرنے کے لیے تیار نہیں

وہ جہاد جس کے ذریعے قیصر و کسریٰ کی گردنیں توڑی گئیں۔

وہ جہاد جس کے ذریعے ہزاروں متکبروں اور انسانیت دشمنوں کے دماغ سیدھے کیے گئے۔

وہ جہاد جس کے ذریعے مظلوموں کو انصاف اور ظالموں کی سرکوبی ہوئی۔

وہ جہاد جس کے لیے صحابہ نے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیاں وقف کر دیں ہم اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور من مانی تاویلوں سے اس کا حلیہ کیسے بگاڑ سکتے ہیں

سپہ سالارِ اعظم ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اپنی فتوحات کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے۔

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اپنی جنگی تدبیروں اور حربی مہارت کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اور حربی اصلاحات کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالار اعظم تھے۔
میں عرض کر چکا ہوں کہ بے شک جنگ اور قتل و قتال فی نفسہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے گھر اجڑتے ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، سہاگنیں بیوہ ہوتی ہیں، والدین اپنے جگر گوشوں سے محروم ہوتے ہیں، تجارت اور معیشت تباہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود جب سے انسان دنیا میں آیا ہے جنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر دور میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں کسی نہ کسی انداز میں جنگ رہی ہے اور آج بھی جاری ہے۔ لیکن قربان جائیے اس عظیم انسان کی بصیرت پر، ذہانت پر اور انسانیت دوستی پر جس نے جنگ جیسے حیوانہ کھیل کو قواعد و ضوابط کا پابند بنا کر ایک مہذب عمل بنا دیا۔

قواعد و ضوابط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو بھیجتے تو یہ نصیحت فرماتے تھے "اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ سے کفر کرتے ہیں مگر یاد رکھو جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرنا، کسی بچے کو، کسی بوڑھے اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا"

آپ نے دشمن کو آگ میں جلانے سے منع فرما دیا۔
آپ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا
آپ نے لاشوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا
آپ نے قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔
آپ نے ان سب لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو جنگ میں حصہ نہ لے رہے ہوں۔

آپؐ نے سفیروں اور مجاہدوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا

آپؐ کی تعلیم یہ تھی کہ غفلت میں کسی پر حملہ نہ کیا جائے

یہ قواعد و ضوابط آپؐ نے اس وقت وضع فرمائے جب دنیا پر خسرو پرویز اور ہرقل جیسے ڈاکوؤں اور درندوں کی فرمانروائی کا سکہ چلتا تھا۔

یہ تعلیم آپؐ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب روم، ایران، چین اور ایشیا، یورپ اور افریقہ کوئی بھی قوانین جنگ سے آشنا نہیں تھا۔

یورپ میں سترھویں صدی تک قوانین جنگ کا کوئی تصور نہیں تھا، جنگ میں کسی قانون کی پابندی جاہلوں کے لئے ایک مضحکہ خیز بات تھی کہا جاتا تھا اور آج بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے لیکن کے ۔۔۔ نے دنیا بھر کے پڑھے لکھے جاہلوں کو سمجھایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو جنگ میں بھی جائز نہیں۔

جنگ کے مقاصد قواعد و ضوابط کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر جنگ کے مقاصد متعین فرمائے آپ سن چکے ہیں کہ دنیا میں جو جنگیں ہوتی تھیں تو کوئی لوٹ مار کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی انتقام لینے کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی حصول اقتدار کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی اپنی طاقت کے اظہار اور شہرت کے لیے جنگ کرتا تھا لیکن سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ ان مذموم مقاصد کے لیے جنگ کرنا بہیمیت ہے، شیطنت ہے، خباثت ہے، درندگی ہے۔ انسان کا خون اتنا سستا

نہیں کہ ان گھٹیا مقاصد کے لیے بہایا جائے۔ اگر اعلیٰ مقاصد کیلئے جنگ کی جائے تو جہاد ہے اور اگر گھٹیا مقاصد کے لیے جنگ کی جائے تو فساد ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں اور ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی تفہیم اور بیان کے وقت انہی اصطلاحات کو استعمال کریں۔

اہل عرب جنگ کو حرب کہتے تھے جس کا معنی ہے غصہ آجانا اور لوٹ مار کو بھی حرب کہہ دیتے ہیں۔

وہ جنگ کو روع بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے خوف۔

وہ لڑائی کے دن کو "یوم کریہہ" بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے مصیبت کا دن۔

وہ لڑائی کو "ہیاج" اور "مغضبہ" بھی کہتے تھے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر جہاد کا لفظ منتخب فرمایا جس کا لغوی معنی ہے کسی مقصد کے لیے کوشش کرنا اور جہاد کا سب سے بڑا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اگر یہ مقصد پیش نظر نہ ہو اور نیت میں کچھ کھوٹ ہو تو وہ جنگ حرب اور روع اور ہیاج تو ہو سکتی ہے مگر جہاد نہیں ہو سکتی۔

قرآن کا بیان قرآن کہتا ہے کہ جہاد اس وقت جائز ہے جب تمہارے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے تو تم اپنی بقا اور حفاظت کی خاطر جنگ کر سکتے ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ — جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم ان سے لڑو

دوسرا سبب جس کی بنا پر قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے یہ ہے کہ جب فتنہ و فساد عام ہو جائے اور مسلمانوں سے ان کے جائز حقوق ہی سب کے جا رہے ہوں تو تلوار اٹھانے کی اجازت ہوگی۔

فرمایا گیا: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا — جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انھیں جنگ کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔

سورہ بقرہ میں ہے:

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ — ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم انھیں نکال باہر کرو اور فتنہ قتل سے بڑی چیز ہے۔

تیسرا مقصد جس کے لیے جنگ کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کافر اور منافق اسی کے درپے ہو جائیں اور فہمائش کے باوجود اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو پھر ان کا قلع قمع کرنا ہی بہتر ہے فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ — اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

یہ وہ چند مقاصد ہیں جن کے حصول کے لیے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

آداب جہاد اور شاید آپ کو سن کر تعجب ہو کہ مقاصد اور قواعد و ضوابط کے علاوہ اسلام نے جہاد کے کچھ آداب بھی سکھائے ہیں۔

آپ نے آداب مسجد، آداب تلاوت، آداب نماز، آداب حرمین آداب اساتذہ، آداب والدین تو سُنے ہوں گے لیکن شاید کبھی اس طرف توجہ نہ دی ہو کہ جنگ کے بھی کچھ آداب ہیں اور ان آداب کی میں گہرائی میں نہیں جانا چاہتا صرف ایک آیت کریمہ آپ کو سناتا ہوں اسی سے آپ ان آداب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سورۃ الانفال میں ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۞ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۞	اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

(الانفال۔ آیت ۴۵ تا ۴۷)

اس آیت کریمہ سے جو آداب جہاد سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ (۱) ثابت قدم رہو (۲) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو (۳) ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (۴) آپس میں جھگڑا نہ کرو (۵) صبر کرو (۶) اپنی قوت و کثرت پر گھمنڈ مت کرو (۷) دکھاوا نمائش مقصد نہ ہو۔

خانقاہ اور درسگاہ | میدانِ جہاد نہ ہوا خانقاہ ہوگئی۔

اللہ کا ذکر ہے، دعائیں ہیں، اطاعت ہے، محبت ہے، ایثار ہے صبر ہے، تواضع ہے، اخلاق ہے ـــــــ یہی سب چیزیں تو درسگاہ اور خانقاہ میں سکھائی جاتی ہیں اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو یہ میدان ان کے لیے درسگاہ بھی ثابت ہوتا تھا اور خانقاہ بھی ثابت ہوتا تھا ذکر و دعا کی صداؤں سے فضا معمور ہو جاتی تھی اور خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسرے کو سیر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

ساری تہذیبوں اور قوموں کے حالات پڑھیں، میدانِ جنگ میں کیا ہوتا تھا، بڑے بڑے مہذب اور نیک شہرت رکھنے والے سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی حرکتوں سے میدانِ جنگ میں چشم پوشی کر لیتے تھے وہ جانتے تھے کہ زیادہ روک ٹوک کرنے سے یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ شرابیں پی جاتی تھیں، عزتیں برباد کی جاتی تھیں، راستے میں پڑنے والی بستیوں میں لوٹ مار کی جاتی تھی لیکن میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں بدر سے لیکر تبوک تک ایک ایک غزوہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے اور بتائیے کہ ان غزوات میں کسی ایک مجاہد نے بھی شراب پی؟ کوئی ایک ناموس بھی برباد ہوئی؟

بلکہ آپ کو نقشہ یہ نظر آئے گا کہ ایک مجاہد یہاں سجدے میں پڑا رو رہا ہے، دوسرا دونوں ہاتھ اللہ کے آگے التجا میں پھیلا رہا ہے، تیسرا ادھر ذکر و دعا میں مصروف ہے، چوتھا ادھر تسبیح و استغفار کا

عمل ہوا کر رہا ہے، میدانِ جنگ میں خون ہی نہیں گر رہا اسلامی مجاہدوں کی آنکھوں سے آنسو بھی گر رہے ہیں، فرشتے حیران ہیں یا رب یہ ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟ یہاں تو عزتیں لٹتی تھیں جام چڑھائے جاتے تھے، کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے۔ زندہ انسان جلائے جاتے تھے، معصوم بچے تڑپائے جاتے تھے۔ مامتا سسکتی تھی، انسانیت سسکتی کی گود میں پلتی تھی یہ عزتوں کی حفاظت کرنے والے، یہ کمزوروں پر شفقت کرنے والے یہ بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا لحاظ کرنے والے، یہ تلواروں کے سائے میں سجدے کرنے والے، یہ تیروں کی بارش میں دعا کرنے والے لوگ کہاں سے آ گئے؟ اے اللہ! معاف کر دینا ہم نے غلط سمجھا تھا کہ صرف ہم ہی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں ہمارا یہ دعویٰ صحیح نہیں تھا وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اصل تسبیح و تقدیس کرنے والے تو یہ لوگ ہیں جو وہاں بھی سجدے نہیں بھولے جہاں ہر کوئی بھول جایا کرتا ہے۔ اقبال نے یوں ہی تو نہیں کہا تھا

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

مسجد کی پرامن فضا میں تو فاسق و فاجر شخص بھی سربسجود ہو جایا کرتا ہے، کمال تو اس شخص کا ہے جو جنگ کے پرخطر میدان میں بھی رکوع و سجود کو نہیں بھولتا، یقیناً اس کا گھوڑے کی پیٹھ پر کیا ہوا سجدہ محراب میں کئے ہوئے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے

اسی لیے تو کہا گیا ہے ؎

ملا کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور

یہ بھی یاد رکھیں کہ میدانِ جنگ میں سجدہ کرنے والے، یہ عورتوں کی حفاظت کرنے والے وہی ہیں جو کل غیروں کی نہیں اپنی سگی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے

وہی ہیں جن کا ذریعۂ معاش ہی لوٹ مار تھا۔

وہی ہیں جنہیں گھٹی میں شراب پلائی جاتی تھی۔

یہ کس کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آج ان کے تقدس پر فرشتے رشک کرنے لگے۔

میں جانتا ہوں یہ سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا کرشمہ تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو رشکِ ملائکہ بنا دیا۔

جس عظیم انسان کی تربیت نے حیوانوں کو انسان اور وحشیوں کو مہذب شہری بنا دیا، وہ عظیم انسان اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے سپہ سالارِ اعظم کا لقب دیا جائے؟

ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے ہوئے تھے۔ تنگدستی اور بھوک کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ راستے میں اتفاق سے بکریوں کا ایک ریوڑ نظر آیا تو لوگ بے تاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ موقع پہ تشریف لائے۔ اس وقت تک لوگ گوشت ہانڈیوں میں چڑھا

چکے تھے۔

اللہ اکبر! عجیب مرحلہ سامنے تھا بھوکے مجاہد، بکریاں کٹ چکیں، گوشت پک رہا، حالات کا تقاضا ہے کہ فی الوقت چشم پوشی کرلی جائے لیکن وہ سپہ سالار اعظم جو تربیت کے لیے آیا تھا اور جس کے سینے میں جذبۂ کارزار دونوں برابر تھے وہ اگر خاموشی اختیار کرلیتا تو یہ ایک واقعہ مثال اور دلیل بن جاتا اور لوگ اسے مخالفین کے مال کی لوٹ مار کے لیے حجت بنا لیتے اس لیے آپ نے اپنے جانثاروں کی ضرورت اور تنگدستی کے باوجود ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت خاک میں ملا دیا اور فرمایا "لوٹ کے گوشت اور مردار کے گوشت میں کوئی فرق نہیں ہے"۔

یہ وہ تربیت تھی جس نے مجاہدین اسلام کو اعلیٰ اخلاقی صفات سے متصف کر دیا تھا۔ آج جب لوگ صحابہ کی فتوحات سے بحث کرتے ہیں تو کوئی ان کی افرادی قوت پر نظر ڈالتا ہے، کوئی ان کے نظم وضبط کو دیکھتا ہے۔ کوئی ان کے اسلحے کی تفصیل بیان کرتا ہے لیکن یہ بات اکثر مستشرقین بھول جاتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اصل ہتھیار اور سرِ کامیابی وہ شان اخلاق تھے جو آج تک کسی فوج، و کسی لشکر کو میسر نہیں آسکے۔

صحابہ کرام کے پاس ذکر ودعا کی چھتری تھی، ایمان ویقین کا لباس تھا، توکل علی اللہ کی ڈھال تھی۔ دیانت وصداقت کی تلوار تھی، غیرت وحیا کی زرہ تھی، شجاعت وحمیت کے تیر تھے۔ اور یہ ہتھیار جس قوم کے پاس ہوں اسے کوئی ایٹم بم اور کوئی ہائیڈروجن بم

شکست نہیں دے سکتا ایٹم بم اور غوری میزائل بنانے والے حکمرانو
میں تمہیں ان جدید ہتھیاروں کی تیاری پر مبارک باد پیش کرتا ہوں لیکن
یاد رکھو جب تک تمہاری افواج کے پاس وہ اخلاقی اور ایمانی ہتھیار نہیں
ہوں گے جو صحابہ کرامؓ کے پاس تھے اس وقت تک یہ اسلحہ تمہیں کچھ بھی فائدہ
نہیں دے سکتا

حربی مہارت میرا اصل موضوع جس پر میں بحث کر رہا تھا کہ
میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار اعظم تھے،
آپ کا بے اصولی کی دنیا میں جنگ کے قواعد وضوابط وضع کرنا، جنگ
کے مقاصد متعین کرنا، جنگ کے آداب بتانا، اور مجاہدین کی ایمانی اور خلقی
تربیت کرنا آپ کے سپہ سالار اعظم ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حربی مہارت تھی وہ بھی
آپ کے سپہ سالار اعظم ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

ہمارے عہد کے کئی مسلم اور غیر مسلم ماہرین جنگ نے جنگ کے موضوع پر
بڑی تحقیقی اور معیاری کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے وہ اصول
بھی بیان کیے ہیں جن پر عمل کر کے فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔

ان کتابوں میں اچھے سپہ سالار کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔

ان کتابوں میں اچھے سپاہی کے اوصاف بھی بتائے گئے ہیں۔

میں نے بھی ان میں سے بعض کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے
اس مطالعہ کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ صحابہ کرام کسی بھی ملک کی فوج
سے سب سے بہترین فوج تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے
سب سے عظیم اور سب سے کامیاب سپہ سالار تھے۔

بہترین سپاہی | بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اطاعتِ امیر کے جذبہ سے سرشار ہو اور جسے اپنے امیر پر مکمل اعتماد ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو نظم و ضبط کا پابند ہو اور اسے اپنے نصب العین کی عظمت کا بھی احساس ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ اخلاق سے متصف ہو اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایثار اور محبت کے جذبات رکھتا ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو جسمانی طور پر صحت مند ہو، اور اس کے اندر حربی صلاحیت بھی پائی جاتی ہو۔ ان میں سے ایک ایک وصف کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کریں آپ انہیں اعلیٰ ترین مقام پر فائز پائیں گے۔

امیر کی عظمت، محبت اور اطاعت دیکھنی ہو تو صرف عروہ بن مسعود ثقفی کی گواہی سن لیجئے۔ عروہ بن مسعود گھر کا نہیں باہر کا آدمی تھا، دوست نہیں دشمن تھا، موحد نہیں مشرک تھا، اپنا نہیں غیر تھا، حدیبیہ میں قریش کا سفیر بن کر آیا تھا، اسے بہت تھوڑا وقت مسلمانوں کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا لیکن اس تھوڑے سے وقت میں اس نے صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعظیم و تکریم اور محبت و اطاعت کرتے ہوئے دیکھا اس کی بناء پر واپس جا کر اپنی قوم سے کہا لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا اور قیصر اور نجاشی کا دربار بھی دیکھا مگر اصحاب محمد جو تعظیم محمد کی کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔"

اطاعت کی انتہا دیکھنی ہو تو غزوۂ اُحد کا مطالعہ کرو ستر مسلمان

شہید ہو چکے ہیں، کئی ایک زخموں سے چور ہیں، طاقت ور دشمن نے بڑے گہرے زخم لگائے ہیں وہ بظاہر شکست دے کر واپس پلٹ گیا ہے لیکن جب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سپاہیوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیتے ہیں تو یہ عجیب و غریب سپاہی سب کچھ بھول کر تعاقب کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کو اپنے نصب العین کی عظمت کا گہرا احساس تھا، انہیں اسلام کی صداقت اور حقانیت کا یقین تھا، انہیں اس نصب العین سے ہٹانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ دیکھئے کوئلوں پر ننگی پیٹھوں لٹایا گیا، جلتی ریت پر گھسیٹا گیا، جانوروں کی طرح رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا، کوڑے مار مار کر جھوٹ بولنے کے لیے تڑپایا گیا، چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے کڑوا دھواں پہنچایا گیا لیکن وہ اپنے نصب العین سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

صحابہ کرامؓ اپنے ساتھیوں کے لیے ایثار کے جو جذبات رکھتے تھے ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو جنگ اُحد کے ان تین پیاسوں کو دیکھیے جن میں سے ہر ایک نے جان دینا پسند کر لیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ دوسرا ساتھی العطش العطش پکارتا رہا ہو اور وہ اس کی پکار کو نظر انداز کر کے پانی نوش کرتے رہیں۔

صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاق، یہ اوصاف، یہ محبت، یہ ایثار، یہ اطاعت، یہ نظم و ضبط، یہ یقین، یہ ایمان کیسے پیدا ہوا۔ کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ان کے اندر یہ اوصاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم و تربیت کے نتیجے ہی میں پیدا ہوئے!۔

اچھا سپہ سالار اچھے سپاہیوں میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں وہ یقیناً صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ خود سپہ سالار کی ذات میں جو اوصاف ہونے چاہئیں کیا وہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پائے جاتے تھے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں کی تعلیمات اور نظریات تو بہت اچھے ہوتے ہیں اور ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ان کے پیروکاروں میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں لیکن خود ان کی اپنی عملی زندگی میں ان تعلیمات کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ اس اعتبار سے بھی منفرد نظر آئیں گے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، پہلے اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ آپ محض نظریات پیش کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ ان نظریات پر عمل کر کے دکھانے اور سکھانے والے انسان تھے۔

حربی امور کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں وہ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ہم کسی لشکر کے امیر کو اچھا سپہ سالار کہہ سکتے ہیں۔ یہ خصوصیات ہر ماہر جنگ نے اپنے اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں مختلف بیان کی ہیں۔ مثلاً عہد قدیم کا چینی جنرل سنتزو لکھتا ہے کہ اچھے سپہ سالار میں پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر بڑے اور کمتر درجہ کی فوجوں کو لڑانے کے ہنر سے واقف ہوتا ہے، دوسری یہ کہ اسے دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، تیسری یہ کہ تمام خدشات اور خطرات پر اس کی نظر ہوتی ہے، چوتھی یہ کہ وہ شہرت کی خواہش

سے بالاتر ہوتا ہے۔ پانچواں یہ کہ سپاہیوں کی ذات سے اپنی اولاد
کی طرح محبت ہوتی ہے۔ چھٹی یہ کہ نازک مواقع پر وہ شجاعت کے
اعلیٰ ترین جوہر کا مظاہرہ کرتا ہے(۱۰)

فی الحال آپ دوسرے ماہرین کی بیان کردہ خصوصیات کو چھوڑ دیں اور صرف ان چھ خصوصیات کو سامنے رکھ کر میرے آقا کے غزوات پر نظر ڈالیں واللہ آپ کا دل گواہی دے گا کہ عبداللہ کا بیٹا اور آمنہ کا لعل صرف بے مثال خطیب ہی نہیں تھا، صرف پُرجوش مصلح ہی نہیں تھا، صرف بلند پایہ مرشد ہی نہیں تھا، صرف فقید المثال معلم ہی نہیں تھا، صرف مایہ ناز منتظم ہی نہیں تھا، صرف کامیاب تاجر ہی نہیں تھا بلکہ ایک کامیاب کمانڈر اور سپہ سالارِ اعظم بھی تھا۔ آپ نے مختلف مواقع پر بڑی کامیابی سے اپنی چھوٹی سی فوج کو طاقتور فوج سے لڑایا اور اسے شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا جاسوسی کا نظام بڑا مضبوط تھا جس کی وجہ سے آپ کو دشمن کی صحیح طاقت کا اندازہ رہتا تھا۔

بدر کی لڑائی میں شرکت کے لیے قریش کا جو لشکر مکہ سے روانہ ہوا تھا آپ کو بدر میں پہنچنے سے قبل ہی اس کی افرادی تعداد اور طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا

غزوہ احزاب میں شرکت کے لیے یہود، قریش اور دوسرے قبائل نے جو گٹھ جوڑ کیا اور بہت بڑا لشکر تیار کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے تو آپ اس کی پل پل کی تیاری سے باخبر تھے۔ آپ کبھی معاذ اللہ خود فریبی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ پوری حقیقت پسندی کے ساتھ مشکلات پر نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوہ احزاب میں کھلے میدان میں مقابلہ

کرنے کے بجائے آپ نے خندق کھود کر دفاع کرنے کو ترجیح دی۔
غزوۂ احد میں دیکھئے آپ نے کیسے پہاڑی درّے پر پچاس افراد کا دستہ مقرر کیا تاکہ کوئی پشت سے حملہ نہ کرسکے اور جب اس دستے نے آپ کی ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ درّہ چھوڑ دیا تو میرے آقا کا مفروضہ حقیقت ثابت ہوا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے۔
میرے آقا شہرت کی ہر خواہش سے بالاتر تھے، کسی بھی کامیابی کے موقع پر آپ نے اپنی لیاقت اور شجاعت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا بلکہ ایسے موقع پر آپ اللہ ہی کی کبریائی کی قوت و نصرت کا اعتراف فرمایا کرتے تھے۔ فتح کی صورت میں معاذ اللہ تکبر تو کیا ہوتا آپ کا سر مبارک تواضع کی وجہ سے مزید جھک جاتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر سر اتنا جھک گیا تھا کہ سواری کے پالان سے لگ رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ (٤٦)

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

میرے آقا صرف اپنے سپاہیوں سے نہیں بلکہ امت کے ہر فرد سے اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی (٤٧)۔
فرمایا کرتے تھے میرے سامنے کسی کی غیبت مت کرو، میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل

صاف ہو[۹۹]

بعض اوقات نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور طویل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر فرما دیتے تاکہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔[۱۰۰]

آپ کی محبت مرد، عورت، بچے اور جوان، امیر اور غریب، آزاد اور غلام، اپنے اور پرائے سب کے لیے عام تھی۔

خطرات کے موقع پر میرے آقا کا عمل دیکھنا ہو تو صرف غزوۂ حنین کا مطالعہ کر لیجیے جب قبیلہ ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے مسلمانوں کو وقتی طور پر میدانِ جنگ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مسلمان ایسے گھبرا گئے تھے کہ کوئی پیچھے مڑ کر کسی کو نہیں دیکھتا تھا کہ وہ کہاں ہے لیکن سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس پرخطر موقع پر بھی میدان میں ڈٹ۔ یعنی ڈٹے ہوئے تھے اور آپ کی مبارک زبان پر یہ رجزیہ کلمات تھے

انا النبی لا کذب	انا ابن عبد المطلب
میں سچا نبی ہوں	میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں[۱۰۱]

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ | مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو دنیا کا کوئی فاتح میرے آقا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہندو مذہب کے ماننے والوں کا حال یہ تھا کہ وہ دشمن پر قابو پانے کے بعد زندہ آدمی کی کھال کھینچ لیتے تھے۔ اسے آگ میں جلا دیتے تھے یا درندوں سے اس کی تکہ بوٹی کروا دیتے تھے۔ رومی اپنے وقت کے مہذب لوگ کہلاتے تھے لیکن سکندر رومی کا حال یہ تھا کہ اس نے شام کے قدیم تجارتی شہر صور کو فتح کیا تو آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو

قتل کردیا اور تیس ہزار کو غلام بنالیا۔

سنہ ۷۰ء طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا اور ایک لاکھ تیس ہزار شہریوں کو ہلاک کر دیا۔

نوشیروان کا نام آپ نے سنا ہوگا، اس کے عدل و انصاف اور ہمدردی کے واقعات بھی آپ نے سنے ہوں گے اسی نوشیروان نے جب سنہ ۵۴۰ء میں انطاکیہ کو فتح کیا تو لوٹ مار کرنے کے بعد اسے آگ لگادی۔

خسرو پرویز نے سنہ ۶۳۵ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو نوے ہزار انسانوں کو قتل کیا اور عبادت گاہوں کو آگ لگادی۔

قیصر نے جب افریقہ کے ونڈالوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ کی پوری قوم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹادیا اور سرسبز و شاداب ملک کو ویرانے میں تبدیل کر دیا" (۹)

یہ صرف چھٹی صدی کی باتیں نہیں ہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں صدی میں بھی وحشت اور بربریت کا وہی کھیل جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں کیا ہوا؟ ہزاروں تیاروں سے بے شمار شہر تباہ کیے لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے۔ فوجی اور غیر فوجی آبادیوں میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا، امریکی آبدوز کشتیوں نے سو چالیس جاپانی تجارتی جہاز غرق کر دیئے اور ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگاساکی کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ مغربی اقوام کی سفاکی اور وحشت و بربریت کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آج ان کا

سب سے بڑا فتنہ مسلمان ہیں۔ عراق میں کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے؟ زہریلی گیسیں اور ممنوعہ اسلحہ استعمال کر کے اللہ کی زمین پر قیامت برپا کر دی گئی، معصوم بچوں تک کو دودھ اور دواؤں سے محروم کر دیا گیا۔ افغانستان میں کیا ہوا۔ بیس لاکھ سے زیادہ افراد شہید کر دیئے گئے اور ان سے کہیں زیادہ لوگوں کو اعضاء سے محروم اور زخموں سے چور کر دیا گیا۔ قدم قدم پر سرنگیں مدفون ہیں جو آج بھی پھٹتی ہیں اور قیامت ڈھاتی ہیں۔

موازنہ اس پس منظر میں سب سے بڑا عظم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کردار دیکھیے اور موازنہ کیجیئے آپ نے تن تنہا مکہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ جن افراد نے اس دعوت کو قبول کیا انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کیا، ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی۔ مخالفین نے ستم کے پہاڑ ڈھائے انہیں کی حرکتوں کی وجہ سے مختلف جنگیں ہوئیں اور سرکار آقا نے اپنی تیار کردہ جماعت کے ساتھ ان جنگوں میں حصہ لیا لیکن سرکار آقا نے جنگ کے کچھ مقاصد متعین فرمائے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط اور آداب وضع فرمائے۔ پھر ساری جنگیں انہی کی روشنی میں لڑیں اس جہاد کی برکت سے روزانہ دو سو چوہتر مربع میل علاقہ فتح ہوا صرف علاقے ہی فتح نہیں ہوئے دل بھی فتح ہو گئے۔

جب آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو ایک مربع فٹ جگہ بھی ایسی نہ تھی جہاں آزادی سے زمین و آسمان کے مالک کی عبادت کی جا سکتی لیکن جب آپ دنیا سے تشریف لیجا رہے تھے تو

دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ مسلمانوں کے زیرنگیں آچکا تھا جہاں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوتی تھی۔

اس دس سال عرصہ میں کم و بیش ستائیس غزوات میں آپؐ نے شرکت فرمائی لیکن کسی بھی غزوہ میں نہ تو کسی ماں بہن کی عزت تاراج ہوئی۔ نہ شہروں کو آگ لگائی گئی۔ نہ لاشوں کا مثلہ کیا گیا، نہ زندہ انسانوں کو جلایا گیا، نہ قیدیوں کو تڑپایا گیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قابو پانے کے بعد مفتوح قوم سے باعزت سلوک کیا گیا۔ انہیں معاف کیا گیا اور اس انداز سے معاف کیا گیا کہ ان کی خودی مجروح نہ ہو۔

فتح مکہ کا منظر کون بھول سکتا ہے جب وہ اقراری مجرم آپؐ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ جنہوں نے تیرہ سال تک مسلسل آپؐ کو اور کمزور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھا۔
وہ بھی تھے جنہوں نے حالت نماز میں جسم اطہر پر غلاظت پھینکی
وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کو شہید کرنے کی تدبیریں کیں۔
وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے چچا حمزہؓ کو شہید کیا اور ان کا کلیجہ چبایا۔

آپ خود سوچیے اگر آج اس مقام پر سکندر اعظم ہوتا تو کیا ہوتا
طیطس رومی ہوتا تو کیا ہوتا،
نوشیروان ہوتا تو کیا ہوتا،
قیصر ہوتا تو کیا ہوتا
ہلاکو ہوتا تو کیا ہوتا

یقیناً مکہ کی گلیاں خون میں نہا جاتیں،
یقیناً شہر کو آگ لگا دی جاتی،
یقیناً عزتیں تاراج ہوتیں۔
یہ مکہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہ فاتح نہ سکندرِ اعظم تھا نہ نوشیروان تھا، یہ تو میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ نے فیصلے کے منتظر انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ	آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ
اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (۱)	تم سب آزاد ہو۔

تعصب کی انتہا غیر جانبداری اور آزادیٔ فکر کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یورپی مصنفین کے تعصب اور جانبداری کی انتہا یہ ہے کہ وہ اسلامی غزوات کو بڑے بھونڈے انداز میں نئی نسل کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے ایک عام غیر مسلم نوجوان یہ سمجھتا ہے کہ معاذ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر طرف خون ہی بہتا ہوگا لونڈیوں کی قطاریں لگی ہوں گی، غلاموں کے ریوڑ لگتے ہوں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگیں لڑی گئیں ان میں دونوں فریقوں کے کل ایک ہزار اٹھارہ افراد قتل ہوئے

یہ ہے وہ خونِ انسانی کی ارزانی جس کا تعصب کے مارے ہوئے مغربی مفکرین ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔
حیرت ہے کہ دورِ جدید کے ان ماڈرن وحشیوں کو، جو ہیروشیما

اور ناگاساکی کی بربادی کیوں نہیں دکھائی دیتی۔

انہیں پہلی جنگ عظیم کے چونسٹھ لاکھ اور دوسری جنگ عظیم کے پانچ کروڑ مقتول کیوں نظر نہیں آتے۔

انسانی خون سے رنگین ویٹ نام کے درو دیوار پر ان کی نظر کیوں نہیں جاتی۔

عراق اور افغانستان کے معصوم بریدہ نسان اور بھوک سے بلکتے بچوں کی آہیں کیوں نہیں سنائی دیتیں۔

کشمیر کی عصمت بہنوں اور بیٹیوں کی چیخیں ان کے خوابیدہ ضمیروں کو کیوں نہیں جھنجوڑتی

جزیرۃ العرب میں حق و انصاف کی خاطر کم و بیش ایک ہزار انسانوں کا خون بہنے پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے درندو! تمہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں نہیں سنائی دیتیں جو تمہارے ہی غلط منصوبوں اور باطل پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں تمہاری اقوام متحدہ بھی ان مظلوموں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے وہ تو تمہاری داشتہ اور لونڈی ہے تم رات کو دن کہہ دو تو وہ بھی دن کہہ دے گی۔ تم دن کو رات کہہ دو تو وہ بھی رات کہہ دے گی۔

اگر تم اپنے تعصبات پر قابو پا کر سچ بول سکو تو خدا کی قسم تم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا۔ امریکہ، چین اور روس، برطانیہ اور فرانس سب سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف

سپہ سالار اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے، جس دن آپ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہوا انشاءاللہ کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائے گا، عراق اور افغانستان کے مظلوم سکھ کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا انشاءاللہ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۱ مکتبہ شان اسلام اردو بازار لاہور

(۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب النبی عن النعی ص ۱۳ مکتبہ امدادیہ ملتان

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ص ۹۰ مولف سید سعید حسنی مکتبہ رضیہ اردو بازار لاہور

(۴) زاد المعاد ص ۳۲۳ ج ۱

(۵) ترمذی

(۶) الادب المفرد ص ۵۸ بحوالہ بخاری و مسلم

(۷) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من احب العمرۃ

(۸) بخاری باب غزوۃ حنین ص ۶۱۴ قدیمی کتب خانہ کراچی

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ص ۲۴۲ ۲۴۳

(۱۰) زاد المعاد ص ۳۲۳/۱

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بڑے احسانات

کفر کی ظلمت جس نے مٹا دی دین کی دولت جس نے لٹا دی
لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

بزم ملل تھی منظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اس نے کیے سب آکے منظم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

مہر رسالت، ماہ جلالت، عین عدالت، خضر دلالت
اے بکمالت ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

۔ چھٹی صدی کا تیسرا کی جو صورتحال تھی وہ نہیں تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی ۔ امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسان اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ وہ حالات سے، زندگی سے، انسانیت سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شرم سے بچنے کے لیے زندہ درگور کرنا چاہتا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسانوں کو اور پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا ——— پھر اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر رحم کیا اور اس نے اس عظیم انسان کو تو انسانوں کو نئی زندگی دینے کے لیے مبعوث کر دیا۔ جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا۔ جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیر خواہ تھا۔

آقا کے چھ بڑے احسانات

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو
إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔ پڑھتا
أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ	ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ	ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ	سے صریح گمراہی میں تھے۔
مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران پ ۴ آیت ۱۶۴)	

؎ مرحوم ومغفور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز
کتاب "نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم" کے آخر میں "وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعٰلَمِيْنَ" کے عنوان سے ان کی سیرت پر کی گئی ایک تقریر بھی دی گئی ہے۔ اس
ناچیز نے حضرت کی ادبی مجلسوں اور تحریک سے سمجھ اور مشکل الفاظ پر مشتمل اس
تقریر کو کئی دعوتی اجتماعات میں اپنے انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے
اور یہاں بھی اسی کو اپنے انداز میں پیش کی جا رہی ہے لیکن اس تقریر کو من وعن حضرت
کی تقریر نہ سمجھا جائے بلکہ بعض مقامات پر اس کا اپنے چند کاری کی گئی ہے
(م ۱ - ش)

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ۔

(آل عمران پ آیت ۳)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب التی تقع فی النار یقعن فیها وجعل یحجزهن ویغلبنه فیقتحمن فیها فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقتحمون فیها (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی جب اس کی روشنی گرد و پیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے اس آگ میں کودنے لگے اسی طرح سے تم آگ میں گرتا اور کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا ہوں اور منع کرتا ہوں

بزرگان محترم و برادران عزیز! چھٹی صدی عیسوی کا آخر تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ وہ وقت تھا۔

جب ایسے محسوس ہوتا تھا کہ پوری نوع انسانی نے خودکشی کی قسم اٹھائی ہے۔ آپ اخبارات میں پڑھتے ہوں گے کہ آج فلاں شہر میں فلاں شخص نے حالات سے دل برداشتہ اور مایوس ہو کر خودکشی کر لی۔ کوئی زہر پی لیتا ہے کوئی گلے میں پھندا ڈال کر پنکھے سے لٹک جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو زندہ جلا ڈالتے ہیں۔ حالانکہ خودکشی حرام ہے۔ بہت بڑا گناہ ہے۔ گھناؤنا جرم ہے لیکن بہرحال کچھ لوگ اس جرم اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں مگر یہ ایک فردی حرکت ہوتی ہے اور اس سے ایک فرد کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے۔ مگر چھٹی صدی عیسوی کی جو صورتحال تھی وہ ایسی تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ وہ حالات سے، زندگی سے، انسانیت سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔ ہمارے مورخین نے زمانہ جاہلیت کے بگاڑ کا نقشہ کھینچنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ بت پرستی اور مظاہر پرستی کا ذکر کیا ہے۔ شراب نوشی، زنا کاری اور قمار بازی کا حال بتایا ہے، اخلاقی برائیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ظلم و ستم اور جور و جفا کی داستانیں سنائی ہیں۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کے قصے لکھے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری تفصیلات قلمبند کرنے کے باوجود کسی مورخ کا قلم اس دور جاہلیت کی پوری تصویر آنے والی نسلوں کے سامنے نہیں کھینچ سکا۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شرم

سے بچنے کے لئے زندہ درگور کر دینا چاہتا تھا مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسان اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا۔

اس دور کی صحیح تصویر اگر کسی نے کھینچی ہے تو وہ اللہ کا قرآن ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اے انسانو! تم آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر چکے تھے اور قریب تھا کہ وہ سمندر تمہارے نام و نشان تک کو مٹا دیتا کہ ارحم الراحمین کو تم پر رحم آ گیا اور اس نے اس عظیم انسان کو تمہیں نئی زندگی دینے کے لئے مبعوث کر دیا جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا،

جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیر خواہ تھا،
جو آگ میں چھلانگ لگانے والوں کو کمرے پکڑ پکڑ کر کھینچتا تھا
جو ان کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتا تھا،
جو پتھر کھاتا تھا اور دعائیں دیتا تھا،
جو گالیاں سنتا تھا اور مسکراتا تھا،
جو کانٹوں کے جواب میں پھول پیش کرتا تھا۔
جو توڑنے والوں سے جوڑتا تھا،

اللہ کہتا ہے:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا. اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔

یہ کون تھا۔ جسے انسانیت کا نجات دہندہ بننے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی ہے؟

یہ سب کچھ اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

آپؐ نے خود فرمایا:

لوگو! مجھے اللہ نے جو دعوت اور ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اور تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک شخص آگ جلاتا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اس آگ میں جا گھس لگا جاتے ہیں اسی طرح تم آگ میں کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس آگ سے بچانا چاہتا ہوں

(مگر تم ہو کہ بچانے والے کو گالی دیتے ہو، اسے دکھ دیتے ہو، اس کا بائیکاٹ کرتے ہو، سے گھر سے بے گھر کرتے ہو)

ہمارے آقا اس وقت تشریف لائے جب انسانیت کا وجود خطرے میں تھا

جب انسان خود زبان حال سے اپنے وجود کے بے فائدہ ہونے کا اعلان کر چکا تھا

انسان، نوع انسان کا شکاری بن گیا تھا۔

اس کے سینے میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو گیا تھا

اسے دوسروں کے تڑپنے اور کراہنے میں وہ لطف آتا تھا جو دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے میں نہیں آتا۔

آپ عرب کو چھوڑیں وہ تو جاہل تھے، وحشی تھے،

جنگ ہی کی خصلت تھی،

انتقام ان کی فطرت تھی۔
قتل وغارت گری ان کی عادت تھی۔
ڈاکہ زنی ان کی معیشت تھی
آپ رومیوں کی تاریخ پڑھیں۔
جن کی تہذیب وتمدن کا بڑا شہرہ ہے
جن کی حق فن سازی کی آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔
جن کے نظم ونسق کے ڈنکے پوری دنیا میں بجتے رہے۔
آپ لیکی کی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" کا مطالعہ کریں
صرف لیکی ہی نہیں دوسرے یورپی مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ
اہل روما کو سب سے زیادہ مزہ ستیاتی کے کھیل میں آتا تھا۔
یہ ستیاتی کیا چیز تھی؟
یہ ایسا کھیل تھا جس میں انسان کو خونخوار جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔
اسٹیڈیم میں اسی اسی ہزار نشستیں جمع ہوتے، امراء ووزراء کی وی آئی پی نشستیں ہوتیں پھر دو انسانوں کے درمیان شمشیرزنی کا مقابلہ ہوتا یا پھر انسان کو کسی خونخوار درندے کے سامنے چھوڑ دیا جاتا اور تماشائیوں کے لئے اس کھیل کا سب سے دلچسپ مرحلہ وہ ہوتا جب ان میں سے کوئی ایک زخموں سے چور ہو کر تڑپنے لگتا اس وقت تماشائیوں کی تالیوں اور آوازوں سے اسٹیڈیم گویا پورا شہر گونج اٹھتا (۳)۔
ہاں تو انسانیت کی جان کنی کا یہی وہ وقت تھا جب

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نسخۂ شفا بن کر شریعت لائے، آپ کے مسلسل علاج سے جاں بلب نوعِ انسانی کو نئی زندگی ملی۔ نیا حوصلہ ملا، نئی طاقت ملی، نئی عزت ملی، نیا شعور ملا اور نئی منزل ملی۔

یوں تو نوعِ انسانی پر محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں مگر میں اس وقت آپ کے صرف چھ بڑے بڑے احسانات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کروں گا

سب سے بڑا احسان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت ملی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو قوت بخشتا ہے، غلاموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے، مستضعفین کو جابروں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی جرأت عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے،

اس عقیدہ کا حامل انسان اس ایک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا،

اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔

حیرت کی بات

حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ انسان جسے اپنی ذات

اور طاقت پر بڑا ناز ہے ،

جس نے شاعری میں ، فلسفہ میں یا ادب میں یا اور سیاست میں بڑا نام پیدا کیا ،

جس نے قوموں اور ملکوں کو بار بار اپنا غلام بنا لیا ،

جس نے پہاڑوں کے جگر کاٹ کر دریا بہائے ،

جس نے دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کیا ،

جس نے آگ پانی کو بھی اپنا تابع بنا لیا ،

جس نے کبھی کبھی خدائی دعوے بھی کیے ،

وہ انسان جب انسانیت کے مقام سے گر تو اپنے سے کہیں زیادہ مجبور اور کمزور بلکہ بے جان چیزوں کے سامنے جھکنے لگا ،

وہ ان سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا ،

وہ دریاؤں ، پہاڑوں اور چاند ستاروں ہی سے نہیں بلکہ کیڑوں مکوڑوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتا تھا ،

وہ جنوں اور شیطانوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا تھا ،

آپ کی تعلیم کائنات کے آقا اور بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھی راہ دکھائی ، اسے بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ،

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۴)

وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (۵)

نہ اس کی اولاد ہے ، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کا کوئی

مددگار ہے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ

زمین و آسمان کو اسی نے پیدا کیا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۷)

آسمان میں برج اور چاند ستارے بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا (۸)

زمین کو قرارگاہ، آسمان کو چھت اور صورتوں کو پرکشش اسی نے بنایا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (۹)

رات اور دن، سورج اور چاند ایک اللہ نے پیدا کیے ہیں لہٰذا سورج اور چاند کو نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۰)

دانے کو تیل، گٹھلی سے پودا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ صرف وہی پیدا کرتا ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۱۱)

وہی ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کے حالات جانتا ہے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

غیب کی باتیں بتانا بھی اسی کے بس میں ہے۔ وہ بحر و بر کی ساری مخلوق کو جانتا ہے، درخت سے جو پتا گرتا ہے اس کا اسے علم ہوتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور خشک اور تر چیز کا علم اسی اللہ کو ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۵۹)

ساری مخلوق کو رزق وہی دیتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۳)

عزت و ذلت صرف اسی کے قبضے میں ہے

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (۱۵)

ساری کائنات پر صرف اسی کی حکومت ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (۵۷)

مشرق و مغرب کا مالک صرف وہی ہے

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (۱۱۵)

وہ جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (۸۱)

ہنساتا بھی ہے، رلاتا بھی ہے، زندہ بھی کرتا ہے، مارتا بھی ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ وَأَنَّهُ أَمَاتَ وَأَحْيَا

وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور وہ جسے ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ مُّضِلٍّ ۔ (۳۹)

وہ اگر کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا ۔
اور اگر وہ کسی کو بھلائی پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا ۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۔ (۱۰)

اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے ۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝

انسان کیا سے کیا بن گیا یہ وہ عقیدہ تھا جو آپ نے شرک کے بارے کو اندر سے بدل کر رکھ دیا اور اسی عقیدے نے انسان کو بدل کر رکھ دیا ۔

وہ انسان جو مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا ان پر حکومت کرنے لگا ۔

اس عقیدے نے انسان کی دنیا ہی بدل دی ، دلوں کی کھیتیاں ویران تھیں آباد ہونے لگیں ، مردہ جذبات انگڑائیاں لینے لگے ۔ انسان کو صدیوں کے بعد جا کر خبر ہوئی کہ میں انسان ہوں ، وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو گیا ، اسے خوف و دہشت سے نجات مل گئی ، وہ اپنے آپ کو ساری مخلوق سے افضل اور ساری دنیا کا منتظم سمجھنے لگا ۔ ہمارے آقا نے جتنے واشگاف اور ٹھوس انداز میں اس عقیدے کو دنیا کے سامنے پیش کیا ، مشرکوں کو اپنے شرک پر شرم آنے لگی ، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہو گئے ، جس معاشرے میں موحد ہونا بڑی عجیب بات تھی اب اسی معاشرے میں مشرک ہونا بہت بڑا جرم تصور ہونے لگا ۔ قرآن نے دو ٹوک انداز میں کہہ دیا کہ مشرک کا وجود غلاظت اور نجاست ہے ، اسے مسجد کے قریب بھی نہ آنے دو ۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (۲۸) — بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں ، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں

آج جس طرح انسان چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں تو انہیں محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون ہونا چاہئے جنہوں نے انسان کے لیے ان کے مسخر ہونے کا اعلان کیا

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى (۲۲) — اور اس نے چاند سورج کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے۔

ورنہ آپ کی بعثت سے پہلے تو انسان انہیں اپنا معبود سمجھتا تھا۔ وہ انہیں مسخر کرنے اور ان پر قدم رکھنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسانی پر سب سے بڑا اور سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ آپ نے اسے عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔

دوسرا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ آپ نے وحدتِ انسانی کا تصور دیا انسانی قوموں اور برادریوں میں بٹا ہوا تھا کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ تھا، کوئی مستقل محکوم تھا اور کوئی مستقل حاکم تھا۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ سارے انسانوں میں سے ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (۲۳) — یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں

مصر کے فرعون کہتے تھے کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں ہندوستان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا رشتہ سورج اور چاند

سے جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتے تھے۔

ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے۔ یہ صرف بادشاہوں کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ایران کے عوام بھی یہ سمجھتے تھے کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے۔

چینی اپنے شہنشاہوں کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین اس کی مادہ ہے، اور ان دونوں کے اتصال سے کائنات پیدا ہوتی ہے اور ہمارا شہنشاہ اس جوڑے کا پلوٹھا بیٹا ہے۔

عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا (عجم) کہتے تھے اور ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش تو اپنے آپ کو عام عربوں سے بھی اعلیٰ اور برتر سمجھتا تھا۔

یہ وہ ناموافق فضا تھی جس میں انسانیت کے سب سے بڑے محسن نے رب العالمین کا یہ پیغام سنایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۲۵)	اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے با عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

وہ عظیم سورت جسے قرآن کا دیباچہ کہا گیا ہے اور جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اس کی پہلی آیت ہی یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ — سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں

کا پروردگار ہے۔ حبشی کا رب بھی وہی، سندی کا رب بھی وہی، ایرانی کا رب بھی وہی، رومی کا رب بھی وہی، عربی کا رب بھی وہی عجمی کا رب بھی وہی، کالے کا رب بھی وہی، گورے کا رب بھی وہی، طاقتور کا رب بھی وہی کمزور کا رب بھی وہی لہٰذا انسانوں میں قبیلوں، ذاتوں اور خاندانوں کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں اگر فرق ہے تو تقویٰ اور اخلاق کے اعتبار سے ہے، علم اور عمل کے اعتبار سے۔

فضیلت نہ تو حسب نسب سے ہو سکتی ہے، نہ رنگ و نسل سے بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت صرف تدین اور اعلیٰ اخلاق سے حاصل ہو سکتی ہے

تاریخی اعلان پھر اس وقت کو یاد کیجئے، جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آخری حج کے لئے میدان عرفات میں تشریف لے گئے تھے اور آپؐ کے اردگرد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد جمع تھے اس موقع پر آپؐ نے یہ تاریخی اور انقلاب انگیز اعلان فرمایا

یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد کلکم من آدم و ادم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی۔ (۲۶)	لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔

آپ کے اعلان نے تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنے آپ کو خدا کی لاڈلی اولاد کہتے تھے ،
تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے تھے ،
تردید کردی ان لوگوں کی جو صرف نسب کی بناء پر بھگوان بنے بیٹھے تھے ،
تردید کردی ان لوگوں کی جو بے عمل بلکہ بدعمل ہونے کے باوجود انسانی سیادت وقیادت پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے
تردید کردی اس نظریہ کی کہ شاہ کا بیٹا بھی پیدائشی شاہ ہوتا ہے
آپ کے اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے « الرب واحد والاب واحد »
تو پھر یہ تفریق اور تقسیم کیسے ہوگئی کہ ہر عربی اعلیٰ ہے اور ہر عجمی ادنیٰ ہے ہر قریشی افضل ہے اور ہر اموی مفضول ہے -

بھائی بھائی | وہ اعلان تھا جس نے رنگ ونسل کے فرق کے باوجود تمام صحابہؓ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا ،
آپ جانتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارسی تھے، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی تھے، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومی تھے، عداس رضی اللہ عنہ نینوائی تھے، ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری تھے، طفیل رضی اللہ عنہ دوسی تھے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اموی تھے، عدی رضی اللہ عنہ طائی تھے، ضماد رضی اللہ عنہ ازدی تھے، سنان رضی اللہ عنہ حبشی تھے مگر جو بھی تھے بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے کہ «انما

اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ " کی تفسیر ، ان کے عمل کو دیکھ کر خود بخود
سمجھ آجاتی تھی ، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے ،
خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلاتے تھے ، محمود و ایاز ایک ہی
صف میں کھڑے ہو جاتے تھے ، وہ ایک ہی فرش پر بیٹھ جاتے
تھے ، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے اور ایک ہی
برتن میں پانی پی لیتے تھے ۔ تو نوعِ انسانی پر آپ کا یہ دوسرا احسان
ہے کہ آپ نے انسانوں کے درمیان وحدت اور مساوات کا درس دیا ۔

تیسرا احسان | نوعِ انسانی پر محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا
بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسانیت کے احترام اور انسان کی
قدر و قیمت کا سبق دیا ۔

جس زمانے میں آپ تشریف لائے اس زمانہ میں انسان
سے ذلیل کوئی نہیں تھا ۔

بعض حیوانات مقدس شمار ہوتے تھے ، بعض درختوں کی
تحریم فرض سمجھی جاتی تھی ، مٹی اور پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں
کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی ۔

ان مقدس حیوانوں ، درختوں اور بتوں پر انسانوں کے خون
اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے ، انسان کا خون بے
دریغ بہایا جاتا تھا

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ
میں یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ
احترام ہستی ہے جو کچھ زمین میں ہے سب انسان کے لئے پیدا

کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ پ۱ آیت ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے

انسان خلیفۃ اللہ ہے

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ پ۱ آیت ۳۰)

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔

انسان مسجود ملائک ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (البقرہ پ۱، آیت ۳۴)

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان

انسان اشرف المخلوقات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے کرم و شرف عطا کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ○ (بنی اسرائیل پ۱۵ آیت ۷۰)

اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

اللہ کا کنبہ | انسان کی عظمت، وحدت اور عزت افزائی کی اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیا ہے، فرمایا:

الخـــلق عيـال الله فاحب	انسان اللہ کا کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنی مخلوق
خـــلق الی الله من احسن	میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس
الی عیاله۔ (۲۷)	کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے

ایک حدیث قدسی میں انسانیت کی جو بلندی بیان کی گئی ہے اس سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتی اور سارے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا:

"اے آدم کی اولاد! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ کہے گا پروردگار! میں تیری عیادت کیا کرسکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عیادت کو نہیں گیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ عرض کریگا پروردگار! میں تجھے کیسے کھلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے! ارشاد ہوگا تجھ سے میرے

فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا" (۲۸)

ایک ایسا مذہب جس میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور شرک کی سخت تردید کی گئی ہے اس میں یہ انداز تکلم انسانیت کی بلندی کا سب سے بڑا اعتراف ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر اللہ رحم کرے تو تم اس کی مخلوق پر رحم کرو۔ یہ بات آپؐ نے ایک ایسی حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو مسلسل بالاولیۃ کے نام سے مشہور ہے۔

حدیث مسلسل مسلسل ان احادیث کو کہا جاتا ہے جن میں راوی حدیث کے الفاظ ہی کو محفوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کیفیت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے جس کیفیت میں اس نے اپنے استاد کو حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے۔ میں آپ کو جو حدیث سنا رہا ہوں اس حدیث کے بارے میں متقدمین کا یہ معمول تھا اور عرب ممالک میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ حدیث کے اساتذہ اپنے شاگردوں کو حدیث کا درس شروع کراتے وقت سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ مجھے میرے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم عالیہ نے سب سے پہلے یہی حدیث پڑھائی اور ان سے لے کر امام زہری تک ہر شیخ نے اپنے شاگرد کو یہی حدیث سب سے پہلے پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الراحمون یرحمہم الرحمٰن　　رحم کرنے والوں پر رحمٰن کی رحمت

تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (۲۹)

خوش ہوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے ایک شعر میں اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اس شعر کو ہمارے بھیک مانگنے والے خوب استعمال کرتے ہیں اور اپنی بھیک پر مشتمل معروضات کا آغاز عموماً اس حدیث سے کرتے ہیں۔ سب کو یاد رکھیں یہ حدیث اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھیک مانگتے وقت لوگوں کا دل نرم کرنے کے لیے اسے پڑھیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کریں اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کریں کہ عرش پر ہم پر مہربان ہو جائے۔

تب یہ حال ہوگا جس معاشرے میں آقا کی اس تعلیم کو نظر انداز کیا جائے گا اور انسانیت کا احترام نہیں کیا جائے گا اس معاشرے میں دولت، کرسی، اقتدار ہر چیز کی قدر ہوگی انسان کی قدر نہ ہوگی۔ آپ تاریخ اٹھا کر کافر اور ظالم بادشاہوں کے حالات پڑھیے پتا چلتا ہے بادشاہ کھیلتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے۔

سکندر اعظم کشتوں کے پشتے لگاتا ہوا ہندوستان تک چلا آیا۔ کتنی ہی قوموں اور تہذیبوں کے نشانات اس نے مٹا کر دیے۔

سیر اور اعداد اس نے انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

ہمارا یہ دور جو بڑا ترقی یافتہ اور مہذب دور کہلاتا ہے اس دور کی دو عالمی جنگوں کا حال پڑھیے تو سر شرم کے مارے جھک جائے گا مگر وہ سر ہمارا ہی ہوگا، یورپ کے ان درندوں کا تو سر کبھی نہیں جھکے گا جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معاذ اللہ خونخوار ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو انسانیت کا علمبردار اور ہمدرد باور کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارے آقا کی زندگی میں ستائیس غزوات اور ساٹھ سریے پیش آئے ان غزوات و سرایا میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں مسلمان اور کافر دونوں شامل ہیں لیکن ان غزوات کے نتیجے میں جزیرۃ العرب میں ایسا امن قائم ہوا کہ ایک مسافر خاتون قادسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کر کے آتی تھی اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا لیکن یورپ والوں نے جو دو جنگیں لڑیں ان کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی عالمگیر جنگ میں چوہتر لاکھ افراد قتل ہوئے اور دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں جنگوں سے انسانی سوسائٹی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوا، نہ ظالموں کی سرکوبی ہوئی نہ مظلوموں کو سکون ملا۔ نہ شہروں میں امن و سکون پیدا ہوا۔

بتانا یہ مطلوب ہے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی قدر و قیمت بتائی اور انسانیت کا احترام سکھایا

چوتھا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر چوتھا

بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے نوعِ انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا جس سے انسان کا اپنے اوپر اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو مختلف مذہبی رہنماؤں نے متزلزل کر دیا تھا

ہندوستان میں تناسخ اور آواگون کا عقیدہ پایا جاتا تھا، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگتے، حالانکہ یہ گناہ اس نے نہیں کیے۔ اس عقیدہ نے انسان کو مجبورِ محض بنا دیا تھا۔

عیسائیت کی تعلیم یہ تھی کہ ہر انسان پیدائشی گناہگار ہوتا ہے اور اس کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ بنتے ہیں۔

کئی ایسے لوگ تھے جو مذہب کے نام پر گنہگاروں سے نفرت کرتے تھے اور انہیں یہ باور کراتے تھے کہ تمہاری مغفرت کی کوئی صورت نہیں اور تم سے خدا ہمیشہ کے لیے ناراض ہو چکا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف اعلان کیا کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ معصوم ہوتا ہے اس پر گناہ کا کوئی ہلکا سا دھبہ بھی نہیں ہوتا، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ البتہ جو کچھ اچھا یا برا عمل وہ خود کرے گا اس کا بدلہ اسے مل کر رہے گا۔ فرمایا گیا۔

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝	کہ نہیں اٹھاتا کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھلائی ضرور ہے پھر اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا بدلہ۔

(النجم ۵۳، آیت ۴۱)

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اگر کسی انسان سے بڑے سے بڑا گناہ بھی ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ موت سے پہلے توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے آپ نے اس کی اس زور شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا۔ اسی لیے آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" بھی ہے۔

آپ نے توبہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے کہ بڑے بڑے عابدوں اور زاھدوں کو سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں پر رشک آنے لگا۔

قرآن کے انداز بیان کو دیکھیں تو گنہگاروں سے نفرت کا اظہار نہیں بلکہ محبت اور اپنائیت کا اقرار ہے۔ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا	کہہ دو، اے بندو میرے جنہوں نے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ	کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر، آس
رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ	مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ
الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ	بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر آیت ۵۳)	گناہ معاف کرنے والا مہربان

سورۂ آل عمران میں توبہ کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے انہیں مغفرت اور جنت کی طرف لپکنے اور جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ	اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا	اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ	آسمان اور زمین، تیار ہوئی

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿﴾ الَّذِينَ
يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَ
الضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ
النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ ﴿﴾ وَالَّذِينَ إِذَا
فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ص
وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ ج
وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿﴾
أُولٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ
مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ
الْعَامِلِينَ ﴿﴾

ہے واسطے پرہیزگاروں کے جو خرچ
کیے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں
اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے
ہیں لوگوں کو۔ اور اللہ چاہتا ہے نیکی
کرنے والوں کو۔ اور وہ لوگ کہ
جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام
کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو
اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی
اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا
اللہ کے۔ اور اڑتے نہیں اپنے کیے
پر اور وہ جانتے ہیں۔ انہی کی جزا ہے
بخشش ان کے رب کی اور باغ
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ
رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور
کیا خوب مزدوری کام کرنے والوں
کی۔

(آل عمران آیت ۱۳۳ تا ۱۳۶)

قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ توبہ ہے اس سورۃ کی آیت ۱۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخصوص بندوں کا ذکر کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اس فہرست میں وہ بندے بھی شامل ہیں

رکوع کرنے والے بھی شامل، سجدے کرنے والے بھی شامل ہیں لیکن اس نورانی فہرست میں سب سے پہلے جن کا ذکر فرمایا ہے وہ "تائبون" ہیں یعنی توبہ کرنے والے۔ فرمایا

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ۔ آیت ۱۱۲)

وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو۔

دلداری کی انتہا آج ہم میں سے کئی کم ظرف ایسے ہیں جو گناہ سے تائب ہو جانے والوں پر بھی انگلیاں اٹھاتے رہتے ہیں، وہ انہیں طعنے دیتے ہیں کہ آج بڑے نیک بنتے ہو ہم جانتے ہیں کہ تم ماضی میں کیسے تھے۔ لیکن میرا اللہ جو بڑا ارحم الراحمین ہے وہ گنہگاروں کی دل شکنی نہیں بلکہ ان کی دلداری کرتا ہے۔ اس دلداری کی ایک مثال آپ کو سنانا چاہتا ہوں مگر مجھے کا دبھی جو میری بات کو ذرا توجہ سے سنے گا۔ باقی جن کی آنکھیں تو میری طرف ہیں مگر ان کا دماغ کہیں اور ہے وہ بات کو سمجھ نہیں سکیں گے۔

ہوا یوں کہ تین صحابی ایسے تھے جو مخلص ہونے کے باوجود بلا کسی عذر کے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

اگرچہ شرکت سے محروم رہنے والے تو اور لوگ بھی تھے مگر وہ منافق تھے، ور انھوں نے جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑالی تھی مگر یہ تینوں مخلص صحابی تھے انہوں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا اور صاف اقرار کر لیا کہ ہمیں کوئی مجبوری درپیش نہ تھی بس غفلت کی حیلہ سازی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان تینوں سے بائیکاٹ کا حکم دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو آقا کے حکم کے غلام تھے۔ سب نے ان تینوں سے بات چیت بند کر دی کل کے مخلص دوست بالکل اجنبی بن کر رہ گئے۔ جب پچاس راتیں گزر گئیں تو غفور رحیم نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا لیکن دلداری کی خاطر صرف ان کی توبہ کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ کا ذکر بھی فرما دیا جو کہ غزوۂ تبوک میں پیش پیش تھے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی توبہ کا اس لیے ذکر فرمایا تاکہ یہ تینوں احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اس کا اصل مقصد ان کی عزت افزائی اور دلداری تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ	اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین و انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل

اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ
بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ
بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى
الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ
إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ
أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ
مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

(التوبۃ آیت ۱۱۷، ۱۱۸)

کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا
کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں
سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ
ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے
اور ان تین شخصوں پر بھی جن کو پیچھے رکھا
تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان
پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور
تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور
سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے
مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر
تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے
مہربان رحم والا۔

مایوسی نہیں امید | اگر آپ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان کی تعلیمات ایسی ہیں کہ یا تو خطاکاروں کو بالکل چھٹی دے دی گئی ہے کہ انھیں خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں فلاں اور فلاں ان کے گناہوں کا کفارہ اور ان کے لئے سفارشی بن جائے گا یا پھر ان سے ایسی نفرت ظاہر کی گئی ہے کہ انہیں رحمت اور مغفرت سے بالکل **مایوس** کر دیا گیا ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ تمہاری نجات اور بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ جس وقت دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت عمومی صورتحال یہی تھی کہ انسان اپنے آپ، اپنے رب، اپنی نجات سے اور مغفرت سے مایوس ہو چکا تھا۔ اسلام نے آکر مایوسی کے بادلوں

کو امید کا آبِ حیات پلایا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ قاتلوں، رہزنوں، شرابیوں، زانیوں اور ظالموں نے اپنی گناہ آلود زندگی سے کیسے توبہ کی اور اس توبہ نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو زاہد و پارسا بنا دیا۔ کتنے ہی ظالموں اور قاتلوں کو انسانیت کا محافظ اور غمخوار بنا دیا۔ کتنے ہی کافروں اور مشرکوں کو مومن اور موحد بنا دیا۔ قرآن نے مایوسی کی عالمگیر فضا میں یہ اعلان کر کے امید کے چراغ روشن کر دیئے۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ	اور نا امید نہ ہو اللہ کے فیض سے
اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ	بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے
اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○	فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

(یوسف آیت ۸۷)

سورۂ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ	میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔

(الاعراف آیت ۱۵۶)

انبیاء کا شیوہ | قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ توبہ کرنا انبیاء کی سنت اور ان کا شیوہ ہے حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی غلطی ہوئی تو انہوں نے یوں مغفرت طلب کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ	اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ	جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر
الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف آیت ۲۳)	رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ

حضرت نوح علیہ السلام کا طلب مغفرت کا انداز یہ تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ	اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے

وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ؑ (نوح آیت ۲۸)	ماں باپ کو اور جو آئے میرے گھر میں ایماندار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی برباد ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے تھے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ؑ (سورۃ ابراہیم آیت ۴۱)	اے رب ہمارے بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انداز یہ تھا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ؑ (الاعراف آیت ۱۵۱)	اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

تو محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چوتھا احسان تھا کہ انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا اور اسے بخشنے والے، توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

پانچواں احسان محترم حاضرین۔ پچھلے دو جمعوں سے مسلسل میں آپ کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بڑے بڑے احسانات ہیں وہ بیان کر رہا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپ کی ایسی محبت پیدا ہو جائے جو ہمیں آپ کی اتباع اور غلامی پر مجبور کر دے۔

بھائیو اور دوستو! ہمیں تو بس یہی باتیں کرنی ہیں۔ دھوا دھر کے بے بنیاد قصے اور کہانیاں نہ ہمیں آتی ہیں اور نہ ہی ان کے سنانے میں

کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

آج کی نشست میں انسانی سوسائٹی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں احسان بیان کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پانچویں احسان کا عنوان ہے "دین و دنیا کی وحدت کا تصور"۔ قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک کا نام دین تھا، اور دوسرے کا نام تھا دنیا۔

کلیسا میں دین تھا اور قصر شاہی میں دنیا تھی، گرجا میں دین تھا اور منڈی اور بازار میں دنیا تھی، گیان دھیان دین تھا اور مکان دوکان دنیا تھی۔

دیندار بننے کے لئے دنیا کو خیرباد کہنا ضروری تھا اور دنیادار بننے کے لئے دین سے کنارہ کشی ضروری تھی

دین اور دنیا دو الگ الگ کشتیاں تھیں اور کوئی بھی شخص بیک وقت ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا

مذہب کے علمبرداروں نے یہ بات ذہنوں میں بٹھا دی تھی کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے دنیا کی لذتوں اور دنیا کے کاروبار سے تعلق توڑنا ضروری ہے چنانچہ چند باہمت تو ایسے تھے جنہوں نے شادی بیاہ، تجارت کاروبار، والدین کے حقوق اور تمام معاشرتی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی یوں وہ مذہبی رہنماؤں کے خیال میں دیندار بن گئے لیکن انسانوں کی اکثریت کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا انہوں نے دین کے بجائے دنیا کا انتخاب کر لیا اور وہ اسی پر مطمئن ہو گئے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم دنیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ دیندار نہیں بن سکتے اور دنیا کے تقاضوں کو توڑنا نہیں

جاسکتا تھا ہذا انھوں نے دنیا دار بننا پسند کر لیا۔

دین و دنیا کی یہ تقسیم کوئی ماضی کا قصہ نہیں ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ یورپ میں اس کا عملی مظاہرہ اب بھی دیکھا جا سکتا ہے اور اسی تقسیم نے بے شمار انسانوں کو مذہب سے بے گانہ اور ملحد اور بے دین بنا دیا ہے۔

ناقابلِ فراموش احسان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقابلِ فراموش احسان ہے کہ آپ نے دین اور دنیا کی اس تقسیم کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت اور پوری زمین کو عبادت گاہ بنا دیا۔

آپ نے سمجھایا کہ تمام اعمال اور اخلاق کا اصل مدار نیت پر ہے جتنے بھی جائز کام ہیں وہ اپنی ذات میں نہ دین ہیں، نہ دنیا ہیں، جس کام کے پیچھے رضاءِ الٰہی کے حصول کا جذبہ ہو وہ دین ہے اور جس کام کے پس پشت یہ جذبہ نہ ہو وہ دنیا ہے

لہذا اگر کوئی شخص رضاءِ الٰہی کے جذبے کے ساتھ حکومت کرتا ہے تو دین ہے،

سیاست کرتا ہے تو دین ہے

تجارت کرتا ہے تو دین ہے

کافروں اور ظالموں سے جنگ کرتا ہے تو دین ہے۔

ازدواجی حقوق ادا کرتا ہے تو دین ہے

معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتا ہے تو دین ہے

محنت مزدوری کرتا ہے تو دین ہے۔

اور اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو بلکہ ریاکاری اور نمود و نمائش کی نیت ہو تو پھر:

نماز روزہ، صدقہ خیرات بھی دنیا ہے،
ہجرت اور جہاد و قتال بھی دنیا ہے
ذکر و تسبیح، ورد عبادت و ریاضت بھی دنیا ہے،
وعظ و تقریر اور درس و تدریس بھی دنیا ہے۔

عبادت گاہ صرف مسجد نہیں بلکہ ہر وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے حکموں کو اللہ کی رضا کے لئے پورا کیا جائے۔

یوں قصر شاہی بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے،
دوکان، بازار اور گھر بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے،
منڈی، کارخانہ اور فیکٹری بھی عبادت گاہ بن سکتی ہے،

غیر مسلموں کو عبادت گاہ میں جانا پڑتا ہے اور مخلص مسلمان جہاں چلتا پھرتا ہے، جہاں اٹھتا بیٹھتا ہے، جہاں سوتا جاگتا ہے اور جس میں دین کرتا ہے وہ جگہ عبادت گاہ بن جاتی ہے،

اس کی عبادت بھی اللہ کے لئے،
اس کی سیاست بھی اللہ کی رضا کے لئے،
اس کی دوستی اور دشمنی بھی اللہ کی رضا کے لئے،
اور اس کی معیشت و تجارت بھی اللہ کی رضا کے لئے

سوچئے یہ کتنا بڑا احسان ہے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع انسانی پہ
کیسے یکجا کیا آپ نے مختلف خانوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو،
کیسے ایک صف میں کھڑا کیا تاجر اور درویش کو، امیر اور فقیر کو،

شہسوار ور شب زندہ دار کو،
کیسی وحدت پیدا کی دین اور دنیا میں، عبادت اور سیاست میں،
تسبیح اور تلوار میں۔

چھٹا احسان | محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسانی پر چھٹا احسان

یہ ہے کہ آپ نے منزلِ مقصود سے بے خبر انسان کو اس کی منزل سے آگاہ کر دیا۔ آپ کی بعثت کے زمانے کا انسان اپنی حقیقی منزل سے بے خبر ہو چکا تھا۔ اسے یاد نہیں رہا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اور میری کوششوں کا اصل ہدف کیا ہے۔

چھوٹی چھوٹی چیزوں کو انسان نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ وہ انہی کے لئے جیتا اور انہی کے لئے مرتا تھا۔

کسی کو کامیابی دولت کے انبار میں نظر آتی تھی

کسی کو کامیابی سب سے زیادہ انسانوں پر حکمرانی میں دکھائی دیتی تھی

ہزاروں لاکھوں انسان ایسے تھے جن کا پرواز تخیل عیش و نشاط، لذت و ذائقہ، و شہوت پرستی سے بلند نہیں ہوتا تھا

ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانے کے دولت مندوں اور بادشاہوں کی خوشامد میں استعمال ہوتی تھی۔

بے شمار لوگ ایسے تھے جن کی پوری زندگی چوری چکاری اور دھوکہ فریب میں بسر ہو جاتی تھی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کر کھڑی کر دی۔

آپ نے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد

اللہ سے راضی ہونا اور اللہ کو راضی کرنا ہے ۔

اس کی عبادت اور اس کی تجارت سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے ،

انسان کو صرف ظاہر کی نہیں بلکہ باطن کی بھی فکر کرنی چاہئے ،

اس کی نظر صرف دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر بھی ہونی چاہئے ،

، نماز بدل بدل کر آخرت کی زندگی اور اس کی اہمیت و عظمت کو اس قدر تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا کہ دلوں میں آخرت کی عظمت بیٹھ گئی ،

قرآن کریم کا بھی مطالعہ کیا جائے تو عقیدۂ توحید کے بعد جو مضمون سب سے زیادہ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ آخرت ہی کا مضمون ہے ۔

سورہ انعام میں ہے ۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (انعام آیت ٣٢)	اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر ہے [illegible] کے لئے

سورہ توبہ میں ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (التوبہ آیت ٣٨)	اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا ۔

وَفَرِحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ (الرعد آیت ۲۶)

اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع حقیر۔

سورۃ القیامۃ میں ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

(القیامۃ آیت ۲۰ — ۲۵)

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد آئے اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے۔ کتنے منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔ اور کتنے منہ اس دن اداس ہیں خیال کرتے ہیں کہ ان پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر

پھر کتنی ہی ایسی سورتیں اور آیات ہیں کہ ان میں قسمیں اٹھا کر قیامت کے وقوع کا یقین دلایا گیا ہے

نتیجہ یہ نکلا

اس فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوچوں کا رخ بدل گیا۔ جہد و کاوش کا ہدف بدل گیا۔

وہ لوگ جو صرف کھانے پینے، لذت و ذائقہ اور شہوت پرستی کے لیے زندہ تھے ان کے دلوں میں آخرت اور دماغوں میں نیا جذبہ پیدا ہو گیا اور کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

ان کی طلب کی شدت کو دیکھ کر عقل کے پرستار انہیں دیوانہ سمجھتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت صدیوں سے سوئی ہوئی تھی اور اب اچانک بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گئی ہے ،

آپ تاریخ کی کتابیں پڑھیں ، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے کی انسانی سوسائٹی اور بعد کی سوسائٹی کے درمیان فرق دیکھ کر حیران رہ جائیں گے ۔

آپ کو تعجب ہو گا کہ کیا واقعی یہ وہی انسان ہے کہ کل تک جس کی سب سے بڑی منزل وزارت تھی ، بادشاہت تھی ، حکومت تھی ، کرسی تھی ، تخت و تاج تھا

جس کا سب سے بڑا ہدف دولت پرستی تھی ، شہوت پرستی تھی ، جاہ پرستی تھی ، اقتدار پرستی تھی ، تعصیت پرستی تھی ، حسن پرستی تھی ، غرضیکہ بہت ساری پرستیاں تھیں اگر نہیں تھی تو خدا پرستی نہیں تھی ۔ اور پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ہونے کے بعد ساری پرستیوں کے چراغ ماند پڑ گئے اور خدا پرستی کا چراغ کچھ اس طرح چمکا کہ ظاہر تو ظاہر باطن بھی چکا چوند ہو گئے

چہرے ہی روشن نہ ہوئے دل بھی روشن ہو گئے

شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں خدا طلبی اور خدا شناسی میں لگ گئیں ۔

عرب ہو یا کہ عجم ، مصر ہو یا کہ شام ، ایران ہو یا کہ ترکستان ، عراق ہو یا کہ خراسان ، اسپین ہو یا کہ شمالی افریقہ ، ہندوستان ہو یا کہ جزائر شرق الہند ہر جگہ اسی شرابِ محبت کے متوالے نظر آنے لگے

وہ دل جن میں دولت کی حرص ، شہوت کی ہوس ، اقتدار کی خواہش

اور تمام فضیلت کے لئے بغض و حسد کے سوا کچھ نہ تھا، انہی دنوں میں عشقِ الٰہی کی روشنی، علم و معرفت کی مستی، اخلاص و وفا کی چمک اور انسانیت کا درد ایسا سمایا، ایسا سمایا کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کل تک سر سے پاؤں تک مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور محسوسات سے ماورا کسی چیز کو ماننا ان کے لئے کسی عجوبے سے کم نہ تھا۔

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پڑھیں، آپ تابعین رحمہم اللہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، آپ تبع تابعین رحمہم اللہ کی سیرت اٹھا کر دیکھیں، آپ ان سے بعد کے لوگوں کی سوانح پر نظر ڈالیں، آپ کو ان میں ایسے خدا رسیدہ، ولی کامل، داعی حق اور خادمِ خلق نظر آئیں گے جن پر فرشتے بھی رشک کریں،

ان کی خلوتیں عبادت و تلاوت سے معطر ہوتی تھیں،

ان کی جلوتیں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا۔

ان کا دل غمگین رہتا تھا اور آنکھیں روتی تھیں یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

یقین فرمائیے یہ نتیجہ تھا ان کے حقیقی منزل سے باخبر ہونے کا،

جب تک ان کی منزل یہ فانی دنیا اور اس کے عارضی منافع تھے،

ان کے دل پتھروں کی طرح سخت اور ان کی آنکھیں خشک تھیں،

وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کے لئے نہیں سوچتے تھے،

لیکن جب وہ اپنی حقیقی منزل سے باخبر ہوئے تو سب کچھ بدل گیا، ایک نیا انسان وجود میں آ گیا جو پہلے انسان سے یکسر مختلف

اور بالکل ممتاز تھا۔

محترم بزرگو اور دوستو! نوع انسانی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے بڑے احسانات ہیں یعنی عقیدۂ توحید، وحدت انسانی کا تصور، انسانیت کا احترام، اللہ کی رحمت سے امید کا یقین، دین و دنیا کی وحدت اور حقیقی برتری کی نشاندہی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احسانات کو محسوس کرے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے

محمدؐ کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اگر ہو اس میں خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حوالہ جات

(۱) صحیح بخاری مشکوٰۃ ص ۲۸ ج ۱
(۲) آل عمران، آیت ۱۰۳
(۳) تاریخ اخلاق یورپ بحوالہ نبی رحمت ص ۲۱۴
(۴) سورۃ البقرہ آیت ۲۵۵
(۵) سورۃ الشعراء آیت ۲۲
(۶) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۱
(۷) سورہ الانعام آیت ۴۳
(۸) سورۃ الفرقان آیت ۹۱

(۹) سورۃ المؤمن آیت ۶۳
(۱۰) سورۃ حم السجدہ آیت ۳۷
(۱۱) سورۃ الانعام آیت ۹۵
(۱۲) سورۃ الشعراء آیت ۲۲۰
(۱۳) سورۃ الانعام آیت ۵۹
(۱۴) سورۃ ھود آیت ۶
(۱۵) سورۃ آل عمران آیت ۲۶
(۱۶) سورۃ یوسف آیت ۳
(۱۷) سورۃ البقرہ آیت ۱۱۵
(۱۸) سورۃ الرعد آیت ۳
(۱۹) سورۃ النجم آیت ۳-۴۳-۴۲
(۲۰) سورۃ زمر آیت ۳۶-۳۷
(۲۱) سورۃ یونس آیت ۱۰۷
(۲۲) سورۃ التوبہ آیت ۲۸
(۲۳) سورۃ الزمر آیت ۵
(۲۴) سورۃ المائدہ آیت ۱۸
(۲۵) سورۃ الحجرات آیت ۱۳
(۲۶) کنز العمال
(۲۷) مشکوۃ ص ۴۲۵ قدیمی کتب خانہ
(۲۸) صحیح مسلم ص ۳۰۸ ج ۲ باب فی الرؤیا ۃ الریاء۔ قدیمی کتب خانہ
(۲۹) ابو داؤد

مقصدِ بعثت

انسانیت کو تو نے وہ آئین دے دیا — گویا پیامِ نازشِ تمکین دے دیا

عالم کو ذوقِ جلوۂ تزئین دے دیا — ٹوٹے دلوں کو مژدۂ تسکین دے دیا

تو نے صنم کدوں میں صدا دی نماز کی

صورت نکال دی ہے خدا سے نیاز کی

(احسان دانش)

۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، حکمت کے تحت پیدا کیا ہے
یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ سمندر، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چاند
یہ سورج، ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ جب ادنیٰ اشیاء
کی تخلیق بے مقصد نہیں تو انسان کی تخلیق کیسے بے مقصد کیوں
ہو۔ بلکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصد تخلیق بھی اتنا
ہی اعلیٰ ہوگا۔ تو آپ سوچئے کہ وہ انسان جو سارے مخلوق سے
اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے افضل ہے اور سارے فرشتوں سے
برتر ہے، اس کا مقصد تخلیق اور مقصد بعثت کتنا اونچا ہوگا۔
میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقیناً ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے۔ لہٰذا آپ کی
تخلیق اور بعثت کے مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے۔

مقصدِ بعثت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ

ترجمہ: وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اس دنیا میں جو انسان بھی آیا ہے اس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ خود حق تعالیٰ نے خود سوال کیا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے حکمت کے تحت پیدا کیا ہے

یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ ندی نالے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چرند، یہ پرند ... ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے جب انسان کے لیے

کی تخلیق بے مقصد نہیں تو انسان کی تخلیق ہی بے مقصد کیوں ہو
کیونکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصد تخلیق بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوگا تو آپ
سوچئے کہ جو انسان سارے انسانوں سے اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے
افضل ہے اور سارے فرشتوں سے برتر ہے، اس کا مقصد تخلیق اور مقصد
بعثت کتنا اونچا ہوگا۔

میرے سرور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً
ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے لہٰذا آپ کی تخلیق اور بعثت کے
مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے اور خطبے میں جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے
اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ اور وہ چار ہیں:

تلاوت کتاب آپ کی بعثت کا پہلا مقصد اللہ تعالیٰ نے تلاوت
بیان فرمایا ہے۔ جو لوگ معنی سمجھے بغیر تلاوت کو بے فائدہ کہتے ہیں انہیں
اپنے فتوے پر نظر ثانی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت کو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے اور خود اللہ کے نبی نے تلاوت
کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ کلام اللہ کی
تلاوت ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے

دوسرے کسی کلام سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں جب کسی کو انہماک سے اپنی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اجنبیت کے باوجود اس سے ایک انس سا محسوس کرتا ہوں۔ تو جب ایک انسان کا یہ حال ہے تو رب العالمین جو بڑی غیور، وبڑا قدردان اور محبت کرنے والا ہے، وہ جب دیکھتا ہوگا کہ میرا ایک بندہ بڑی محویت اور چاہت کے ساتھ میری کتاب کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ کس قدر خوش ہوتا ہوگا

قرآن کریم کی تلاوت سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور دل میں ایمان کا نور پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ القلوب تصدأ کما تصدأ الحدید اذ اصابہ الماء، قیل یارسول اللہ وما جلاءھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس کی صفائی کا ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاحسد الا علی اثنین، رجل آتاہ اللہ القرآن

دو شخصوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے

فھو یقوم بہ آناء اللیل و آناء النھار و رجل آتاہ اللہ مالاً فھو ینفق منہ آناء اللیل و آناء النھار	قرآن شریف کی تلاوت کی توفیق بخشی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اسے خرچ کرتا ہے۔

تلاوت کرنے والے | تلاوت کے ان فضائل کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت کے ہر دور میں مسلمانوں نے تلاوت کو خاص اہمیت دی، ان کی زندگی کا وافر حصہ قرآن کی تلاوت میں صرف ہوتا تھا ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو ہر روز پورے قرآن کی تلاوت فرما لیتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں طبقات ابن سعد میں ہے کہ وہ رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ نماز کے علاوہ دیکھ کر بھی قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کا قرآن مجید اتنا بوسیدہ ہو گیا تھا کہ لوگوں نے جب وفات کے بعد دیکھا تو وہ پھٹ چکا تھا۔

شہادت کے وقت بھی قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا تھا اور خون کا پہلا قطرہ قرآن کریم ہی پر گرا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں الخیرات الحسان میں ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں ساٹھ قرآن کریم ختم فرماتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ ویسے تو روزانہ ایک قرآن پڑھتے تھے لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا تو وہ ساٹھ ختم نماز میں پڑھتے تھے۔

یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں نہیں، ہمارے دور میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تلاوتِ قرآن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور جن کی روح کی غذا تلاوت ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ تلاوت سے محروم ہو گئے تو زندہ نہیں رہ سکیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی آپ بیتی میں خود ان سے منقول ہے کہ بیالیس سال سے زیادہ تک میرا یہ معمول رہا کہ رمضان میں ہر روز پورا قرآن ختم کر لیتا تھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رمضان میں اپنے دوستوں کو بھی ترغیب دی کہ زیادہ سے زیادہ قرآن ختم کرو تو کسی حضرت نے ساٹھ ساٹھ قرآن ختم کیے اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ نے تو اکسٹھ قرآن ختم کر دیے مردوں کو چھوڑیے عورتوں کا یہ حال تھا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری دادی صاحبہ رحمہا اللہ کا معمول تھا کہ وہ ماہ مبارک میں ستر ہزار تسبیح کے علاوہ روزانہ چالیس پاروں کی تلاوت فرما لیتی تھیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! تلاوت کے واقعات بے شمار ہیں اس مختصر سے وقت میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اگر رب تعالیٰ نے توفیق دی تو ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر تلاوت کے فضائل، آداب اور حقوق کے بارے میں مستقل بات کروں گا۔ مجھے تو بس یہ بتانا تھا کہ تلاوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم مقصد تھی جسے آپ نے یوں پورا فرمایا کہ پوری امت کو قرآن کی تلاوت پر لگا دیا چنانچہ آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے۔

ایک فرق عربی میں دو لفظ قریب المعنی استعمال ہوتے ہیں ایک تلاوت

اور دوسرا قرأت۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں کا معنی پڑھنا ہے لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ دوسری کتابوں کے پڑھنے کے لیے "قرأت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کے پڑھنے کے لئے خاص طور پر تلاوت کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے اور دوسری کوئی کتاب خواہ وہ حدیث ہی کی کیوں نہ ہو اس کے لئے تلاوت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرأت کا معنی تو صرف پڑھنا ہے، لیکن تلاوت ایسے پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی لحاظ ہو تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں جب اللہ تعالے نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ "تو اس میں حقیقت میں اللہ تعالے نے دو باتیں بتائی ہیں ایک یہ کہ لوگو! میرے نبی کا معجزہ ہے کہ وہ "اُمّی محض" ہونے کے باوجود قرآن پڑھتا ہے، چالیس سال تک وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتا تھا اور چالیس سال کے بعد جب "اِقْرَأْ" کا حکم ملا تو اس کی زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ یکایک پڑھنے لگا۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ صرف پڑھتا ہی نہیں بلکہ جو کچھ پڑھتا ہے خود اس کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ جو کچھ تمہیں اپنی زبان سے پڑھ کر سناتا ہے اسے تم اس کی کتاب زندگی میں بھی پڑھ سکتے ہو۔

<u>غرض اپنی اپنی</u> ایک اور بات ذہن میں آ گئی ہے اس کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت سے ہر ایک کی غرض مختلف ہوتی ہے۔ ایسے بدقسمت لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت محض دنیا کمانے کے لئے کرتے ہیں۔

کسی نے قرآن خوانی کی پارٹی بنا رکھی ہے، کوئی سینکڑوں کا دفاتر

اور دکانوں میں بھاگا بھاگ پھرتا ہے، ان لوگوں کو خالص اللہ کی رضا
کے لیے تلاوت کا موقع شاید ہی میسر آتا ہے لیکن دنیا کے لالچ میں یہ پوری
پوری رات تلاوت سے لیے تیار رہتے ہیں، گھروں میں، دوکانوں میں،
فیکٹریوں میں، کارخانوں میں یہاں تک کہ قبرستانوں میں جہاں بھی آپ انھیں
لے جانا چاہیں یہ لوگ تلاوت کے لیے چل پڑیں گے۔ یہ حضرات تلاوت سے
چند ٹکے تو کما لیتے ہیں لیکن رب کے ثواب سے یقیناً محروم رہتے ہیں

بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کی
ادبی زبان اور فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہو سکیں۔ آپ کو
یقیناً میری یہ بات بڑی عجیب لگے گی لیکن یہ بات سچی حقیقت ہے
کیونکہ غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی اور انگریز قرآن کو عربی
ادب کا شاہ پارہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ادبی محاسن سے استفادہ کے لیے
اور اس کی فصاحت و بلاغت سے حظ حاصل کرنے کے لیے قرآن کو پڑھتے
ہیں۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے پڑھنا تو شروع کیا تھا فصاحت
کے لیے اور لذت کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا کر دی اور
قرآن زبان اور دماغ سے ہوتا ہوا ان کے دل میں اتر گیا۔

آپ نے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ کئی کتابوں
کے مصنف ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر بھی انھوں نے لکھی ہے جو ”تفسیر ماجدی“
ہے، اردو میں بھی ہے انگریزی میں بھی ہے۔ اصل میں تو انہوں نے
انگریزی میں لکھی تھی لیکن بعد میں خود ہی اردو میں اس کا
ترجمہ کر دیا۔

دریابادی صاحب پیشے سے کوئی مذہبی آدمی نہیں تھے بلکہ ان پر ایک

دور ایسا بھی آیا کہ وہ ملحد ہوگئے تھے، اللہ کا انکار کر دیا، نبوت و رسالت کا انکار کر دیا، مذہب کا انکار کر دیا لیکن وہ اللہ جو بنجر زمین کو آباد کر دیتا ہے اور مردہ انسانوں میں جان ڈال دیتا ہے اسی نے ان کو دوبارہ دین کی طرف پلٹنے کی توفیق دی اور ایسے پلٹے کہ بالکل بدل گئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے انہوں نے اصلاحی تعلق قائم کیا اور مختلف موضوعات پر دینی کتابیں لکھیں۔

دریابادی صاحب کو دوبارہ دین کی طرف لانے میں مشہور شاعر حضرت اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا، اور وہ بڑے حکیمانہ انداز میں انہیں سمجھا سمجھا کر ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف لائے۔

دریابادی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ مجھ سے فرمانے لگے کہ عبدالماجد صاحب! آپ کو اللہ کے بارے میں تو شک ہے لیکن آپ تھوڑی دیر کے لئے اللہ میاں کے مسئلہ کو الگ رکھیے مجھے صرف اس سوال کا جواب دیجئے کہ کیا آپ کو کبھی اپنے بندہ ہونے میں بھی شک ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، اپنے بندہ ہونے میں تو کبھی شک نہیں ہوا۔ حضرت اکبرؒ نے میرا جواب سن کر فرمایا کہ بس پھر تو سارا کام ہو گیا، اپنی بندگی کا احساس ہونا یہی تو ہے اور کافی ہے اللہ کی معرفت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے ہر شخص کی پہنچ اور معرفت اپنے اپنے مقام تک رہتی ہے اور پھر اپنا یہ شعر سنایا ؎

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو

بات ذرا طویل ہو گئی، اصل واقعہ جو میں سنانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ

دریابادی صاحب کہتے ہیں کہ میں چونکہ ملحد ہو چکا تھا، نماز اور قرآن سے دور تھا تو ایک دن حضرت اکبر کہنے لگے ہ کیوں صاحب آپ نے کالج میں عربی کا مضمون لیا تھا ناں، میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے عربی پڑھی ہے، پھر پوچھا کیا آپ کبھی قرآن پڑھتے ہیں ؟ ظاہر ہے کہ جواب یہی ہوگا کہ میں قرآن نہیں پڑھتا اس لیے کہ ایک منکرِ خدا کا قرآن سے کیا تعلق ؟

حضرت اکبرؔ نے فرمایا جناب آپ قرآن کو مذہبی کتاب سمجھ کر نہ سہی، عربی ادب سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے ہی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں اس لیے کہ آپ اپنے موجودہ خیالات کی وجہ سے اگرچہ قرآن کو آسمانی کتاب نہیں سمجھتے لیکن اس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں کہ یہ عربی کا اعلیٰ لٹریچر ہے آخر آپ انگریزی لٹریچر بھی تو پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی پڑھ لیا کریں۔ پھر آپ چونکہ مذہب اور مذہبی مسائل سے انکار کرتے ہیں اس لیے آپ کیلئے نہ وضو کی قید ہے، نہ قبلہ رُخ بیٹھنے کی قید ہے، جب دل چاہے وضو بے وضو کچھ پڑھ لیا کریں، جو آیت پسند آئے اسے زیادہ ایک بار پڑھ لیا کریں، جیسے اچھے شعر کو دو چار بار پڑھ لیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ وہ جو قرآن کا انکار کرتا تھا، قرآن کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالے نے اسے قرآن کی تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرمادی

حاضرینِ محترم! اب آپ میری بات ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت اس مقصد سے بھی کرتے ہیں کہ یہ عربی ادب کا شاہکار ہے اس لیے یورپ کی کئی یونیورسٹیوں کے عربی ادب کے مضمون پر قرآن کریم داخلِ نصاب ہے۔

دو قسم کے لوگوں کا حال آپ نے سن لیا۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا کمانے کے لیے قرآن کی تلاوت یا قرآن خوانی کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عربی ادب کی اعلیٰ کتاب ہونے کی وجہ سے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت عبادت کے طور پر کرتے ہیں اس لیے اس کتاب مقدس کی تلاوت بہت بڑی عبادت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن کے ایک حرف کی تلاوت سے دس نیکیاں ملتی ہیں پھر فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اس طرح صرف الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بلکہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کا خیال ہے کہ الٓمٓ کے پڑھنے سے نوے نیکیاں مل جاتی ہیں اس لیے کہ الم اصل میں نو حروف کا مجموعہ ہے۔ الف، لام اور میم یہ تینوں تین تین حروف سے مرکب ہیں۔

میرے بھائیو! مجھ گنہگار کا ذوق تو یہ ہے کہ اپنی عبادت اور تلاوت کو کیلکولیٹ نہیں کرنا چاہیے کہ اتنی اور اتنی نیکیاں مل گئیں۔ خیر کے ان کسی عبادت اور ذکر و تلاوت کی قیمت اخلاص کی بنیاد پر متعین ہوتی ہے۔ اگر دل میں اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو تھوڑی سی عبادت پر بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا اور اگر اخلاص نہیں ہوگا تو بہت بڑی عبادت پر بھی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کو ہدایت کے لیے پڑھتے ہیں، وہ تلاوت اس لیے کرتے ہیں کہ دل میں ایمان کا نور پیدا ہو۔ اگر انہیں پتہ چلے کہ قرآن کیا مانگتا ہے اسے کیا ہدایات دیتا ہے۔ کس چیز سے منع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ

قرآن کے نزول کا اصل مقصد تو ہدایت ہے جو کہ ابتدا ہی میں بتا دیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝	اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ اللہ کا ڈر رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ	اور رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے اور حق و باطل میں امتیاز کے کھلے ہوئے دلائل ہیں

پانچویں قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے، وہ صرف اپنے لیے تلاوت نہیں کرتے، دوسروں کے لیے تلاوت کرتے ہیں اور یاد رکھیں اپنے لیے تلاوت کرنا آسان ہے لیکن معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے،

برائیوں کے خاتمہ کے لیے،

کفر و نفاق کے قلع قمع کے لیے،

ظلم اور فساد کے مقابلہ کے لیے،

اخلاقِ حسنہ پھیلانے کے لیے،

اخلاقِ ذمیمہ کے ازالہ کے لیے،

دنیا سے بے رغبت کرنے کے لیے

آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے،

مال و جان کی قربانی پر آمادہ کرنے کے لیے،

اور انسانوں کے قلوب و دماغ کو بدلنے کے لیے تلاوت کرنا کل بھی مشکل تھا اور آج بھی مشکل ہے۔

میرے آقا کی تلاوت

اور میرے آقا نے یہی مشکل کام انجام دیا اور ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی جن کے کان اللہ کا کلام سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے دل میں عجیب خیال آیا اور وہ یہ کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لئے کوئی ایسا کام کروں جو بڑا مشکل ہو۔ مسلمانوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب سے مشکل کام تو یہ ہے کہ قرآن مجید سنانا ہے۔

یہ دھن کے پکے تھے۔ قریش کے مجمع میں پہنچے اور قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ان کا سارا بدن لہولہان تھا اور زخموں کی وجہ سے چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔

آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کتنا مشکل کام تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو ایک دن قریش کے سامنے تلاوت کی جرأت کی تھی۔ آپ اس عظیم پیغمبر کے صبر، حوصلے اور جرأت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ہر روز اسی کام میں لگا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بھی قرآن سناتے تھے اور ہر شخص کو تنہائی میں بھی دعوت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ آبادی سے باہر بھی جتنے آنے جانے والوں کے راستے تھے ان راستوں پر بھی دن کی روشنی اور تاریکی میں حضور پہنچتے تھے اور آنے جانے والوں کے کانوں میں قرآن کی آواز ڈالتے رہتے تھے۔ عرب کی کوئی بستی، منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں۔ اور سچ دنیا کی مستیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت مشکل ہے۔ آپ کی ساری دعوت اور ساری تبلیغ قرآن کی تلاوت پر ہی موقوف ہوتی تھی۔

اور پھر بتدریج اس تلاوت قرآن کی برکت سے عرب کے اندھوں کی آنکھیں کھل گئیں، بہروں کے کان سننے لگے اور گونگوں کی زبانیں بولنے لگیں۔
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ہمارے درمیان میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو کتاب اللہ کی تلاوت اس وقت کرتے ہیں جس وقت کہ فجر کی روشنی پھوٹتی ہے۔

ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا بہ
موقنات ان ما قال واقع

اس اللہ کے رسول نے ہمیں گمراہی اور اندھے پن کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا پس ہمارے دل اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع (۵)

یہ اللہ کے رسول اس طرح رات گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو اس وقت بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھ سے بستر بوجھل ہوتے ہیں۔

تو یوں ہوتی تھی میرے آقا کی تلاوت!
اندھوں کو بینائی بخشنے والی تلاوت،

گونگوں کو گویائی بخشنے والی تلاوت،

بہروں کو شنوائی عطا کرنے والی تلاوت،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے تو کوئی آپ کی زبان مبارک سے سن کر نہیں سمجھ پاتا تھا وہ آپ کے عمل کو اور آپ کی اداؤں کو دیکھ کر سمجھ جاتا تھا۔ میرے آقا کا عمل قرآن کریم کا ترجمان تھا۔

تعلیم کتاب تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا مقصد تلاوت کتاب تھا اور آپ کی بعثت کا دوسرا مقصد تعلیم کتاب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور واسطہ کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا۔ صرف عربی زبان جان لینے سے بھی قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا اگر ایسا ہوسکتا تو رسول کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بس حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے کسی مقدس مقام پر کتاب اللہ کو رکھ دیتے اور اعلان فرما دیتے کہ لوگو! اس کتاب کو پڑھو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل شروع کردو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ انسانوں کی ہدایت کیلئے کتاب اللہ بھی آئی اور رسول اللہ بھی آئے۔

قرآن نے کہہ دیا تھا "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" لیکن صرف قرآن پڑھنے سے نہ اقامت صلوٰۃ سمجھ میں آیا، نہ نمازوں کی تعداد معلوم ہوئی، نہ رکعتوں کی تعداد معلوم ہوئی نہ یہ پتہ چلا کہ ہر رکعت میں رکوع کتنے ہوں گے سجدے کتنے ہوں گے۔ کونسا رکن پہلے ہوگا، کونسا رکن بعد میں ہوگا۔ نماز میں کیا تسبیحات پڑھی جائیں گی، نماز کی ادائیگی کے لیے کیا احتیاط برتی جائیگی، جماعت کی نماز کیسے ہوگی، امام کہاں کھڑا ہوگا، امام کسے بنایا جائے گا، امام کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں، نماز سے پہلے اذان اور

اقامت کا کیا طریقہ ہوگا۔ پھر یہ کہ عید کی نماز کیسے ہوگی، جمعہ کی نماز کیسے ہوگی، جنازہ کی نماز کیسے ہوگی، صلوٰۃ الخوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ الکسوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ الاستسقاء کیسے ادا ہوگی، صلوٰۃ الحاجۃ کیسے پڑھیں گے

آپ اللہ کے نبی کو ایک طرف رکھ دیں اور صرف قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، سارے منکرین حدیث اور ان کے چیلے چانٹے جمع ہو جائیں، خوب مدح سرائی کریں اور پھر بتائیں کہ رسول اللہ کے واسطے کے بغیر صرف کتاب اللہ سے یہ مسائل کیسے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

قرآن نے ایک ہی حکم دیا ہے وَآتُوا الزَّكٰوةَ (زکوٰۃ دو) یہ حکم ہر مسلمان کو ہے خواہ اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، سونے کا نصاب کیا ہے۔ غلے کا نصاب کیا ہے، بھیڑ بکریوں کا نصاب کیا ہے، اونٹ اور گائے کا نصاب کیا ہے، کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے، سال میں کتنی بار زکوٰۃ دینی ہے۔ یہ سب باتیں ہمیں اللہ کے نبی نے سمجھائیں۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو) لیکن حج اور عمرہ میں فرق کیا ہے ان کے ارکان کیا ہیں اور وہ ارکان کس ترتیب سے ادا ہوں گے، کونسی چیزیں فرض ہیں اور کونسی چیزیں سنت ہیں، طواف کب ہوگا، سعی کب ہوگی، عرفات کب جائیں گے، مزدلفہ اور منیٰ کب جائیں گے، احرام میں کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں اور اگر ان میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کر لیا تو کیا حکم ہے —— یہ مسائل بھی اللہ کے رسول کے واسطے کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتے۔

آج لوگ نعرے لگا رہے ہیں "حسبنا کتاب اللہ" ہمیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے، نہ حدیث کی ضرورت ہے، نہ فقہ کی ضرورت ہے حضور تو معاذ اللہ ایک ڈاکیہ تھے انہوں نے اللہ کی کتاب پہنچا دی تو ان کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب اگر ہمیں عربی زبان آتی ہے تو ہم یہ خط خود پڑھ لیں گے، سمجھ بھی لیں گے، و عمل بھی کر لیں گے جب ہر شخص ہی کی عقل کے مطابق صلوٰۃ کا، زکوٰۃ کا، صوم کا، جہاد کا اور حج کا مفہوم متعین کرے گا تو قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا

ملنگ کہے گا نماز دل میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں ہوتی، عقلی پیر کہے گا نماز حضوری کا نام ہے اور مجھے حضوری حاصل ہے۔ منکر حدیث کہے گا اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہے نماز کا نظام قائم کرنا۔

مسٹر کہے گا نماز کسی بھی زبان میں پڑھی جاسکتی ہے چاہے انگریزی ہو یا عربی یا فرانسیسی۔

اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یورپ کا پڑھا ہوا کوئی ڈاکٹر صاحب کہہ دے کہ نماز کا اصل مقصد ورزش کرنا ہے لہٰذا کوئی بھی ورزش اور ٹھیک کر لو نماز ادا ہو جائے گی۔

ہاں تو دوستو! اگر کتاب اللہ کو ہر شخص کی عقل کے سہارے پر چھوڑ دیا گیا تو پھر تفسیر نہیں تحریف ہوگی، الفاظ تو یہی رہیں گے معنی بدل جائیں گے۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب اسلام ایمان اور دین کی حقیقت سمجھنے کے لیے کتاب اللہ بھی ضروری ہے، رجال اللہ بھی ضروری ہیں نہ اکیلی کتاب کافی ہے نہ اکیلے رجال کافی ہیں۔ آج کتنے لوگ ہیں جو انگریزی زبان جانتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص انگریزی زبان

جاننے کی وجہ سے سائنس کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ ریاضی کی کتاب سمجھ سکتا ہے؟ الجبرا کی کتاب کو سکتا ہے؟

چلیے اس کو بھی چھوڑیے آپ مانتا! الغرض سب لوگ اردو زبان جانتے ہیں اور اردو میں حکمت کی کتب بھی بے شمار ہیں لیکن کیا صرف کتاب پڑھ کر آپ حکیم بن سکتے ہیں — اگر بالفرض بن بھی گئے تو پھر وہی ہوگا نیم حکیم خطرۂ جان۔

اسی قسم کے ایک نیم حکیم تھے وہ قبرستان سے گزرے تو انہوں نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا، کسی جاننے والے نے پوچھا جناب آپ مُردوں سے کیوں شرما رہے ہیں، حکیم صاحب فرمانے لگے بھائی ان میں سے بہت سارے وہ ہیں جو میری ہی دوا کھا کر یہاں پہنچے ہیں

کمال یہ ہے کہ جب تک کسی استاد کے سامنے مشق اور محنت نہ کی جائے محض کتابوں میں ترکیبیں پڑھ کر لوگ چاول اور بریانی تو پکا نہیں سکتے۔ لیکن چاہتے یہ ہیں کہ بغیر استاد کے محض ترجمے اور تفسیریں پڑھ کر مفسر بھی بن جائیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی تھی، ذہین اور ذکی بھی تھے حافظہ بھی ان کا غضب کا تھا، ایسے بھی تھے جنہیں ہزاروں اشعار یاد تھے لیکن اس کے باوجود وہ قرآن سمجھنے کے لئے معلم اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور سرپرستی کے محتاج تھے۔ وہ آپ کے ارشادات سنتے تھے اور آپ کی سیرت اور عملی زندگی کو دیکھتے تھے۔ یوں انہوں نے کتاب کو سمجھا

تعلیمِ حکمت | نبی کریم صلی اللہ کی بعثت کا تیسرا مقصد تعلیم حکمت تھا

آپ دنیا کو حکمت کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ حکمت کے کئی معنی علماء نے لکھے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حکمت کا معنی سنت ہے۔ جیسے قرآن کے الفاظ سکھانا اور اس کے معانی کا سمجھانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تھی اسی طرح اپنی سنت کا سمجھانا بھی آپ ہی کی ذمہ داری تھی

میرے دوستو قرآن کا اپنا مقام ہے، سنت کا اپنا مقام ہے

ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک ایک سورت، ایک ایک رکوع اور ایک ایک آیت کے بارے میں ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ قطعی ہے، یقینی ہے، صحیح ہے قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں یہ بحث ہو ہی نہیں سکتی کہ کوئی آیت معاذ اللہ ثم معاذ اللہ موضوع بھی ہو سکتی ہے یا ضعیف بھی ہو سکتی ہے لیکن سنت اور حدیث کے بارے میں یہ بحث ہو سکتی ہے اور علماء نے بڑی تفصیل سے یہ بحث کی ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی ضعیف ہے، کونسی موضوع ہے، کونسی منکر ہے، کونسی شاذ ہے اور کونسی معلول ہے ضعیف اور موضوع حدیثوں کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے جہاں تک صحیح حدیثوں کا تعلق ہے وہ حجت ہیں، وہ دین کا ماخذ ہیں وہ قرآن کی تفسیر ہیں۔ ان کے بغیر قرآن سمجھ آ ہی نہیں سکتا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب سے مغربی اقوام کو مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل ہوا ہے، مسلمان ذہنی طور پر مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ عجیب سی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف وہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان رہیں اور دوسری طرف یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں مغرب والوں کے طریقے اپنائیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ ہم سود بھی کھائیں اور مسلمان بھی رہیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ ناچ ڈانس بھی چلتا رہے اور اسلام بھی چلتا رہے
وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بھی بے پردہ پھریں اور ایمان پر بھی کوئی حرف نہ آئے
وہ چاہتے ہیں مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات بھی ہوں اور
قرآن پر بھی عمل ہوتا رہے۔
اب بتلائیے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو ایسے ہے جیسے پانی اور آگ کو اکٹھا
کرنا

تو ان لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کو حدیث سے کاٹ دیا اور
کہا کہ جناب یہ حدیث تو عجمی سازش ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کی
ضرورت نہیں۔
پہلے تو مجبور تھے کہ سود کا وہی مفہوم تسلیم کریں جو حدیث میں ہے۔ پردے
کا وہی مطلب تسلیم کریں جو حدیث میں ہے لیکن جب ان لوگوں نے قرآن کو
حدیث سے بے نیاز کر دیا تو اب انہوں نے قرآن کی ہر آیت اور ہر حکم کا مطلب
اپنی عقل سے متعین کرنا شروع کر دیا۔
<u>حکمت کا دوسرا معنی</u> | تو حکمت کا ایک معنی تو سنت ہے اور
حکمت کا دوسرا معنی بصیرت اور دانائی ہے۔
اللہ کے نبی نے اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اور اپنے فرمودات سے
بصیرت اور دانائی سکھائی ہے۔
مکہ میں ظلم و تشدد اور جور و جفا کی فضا تھی،
مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں مہاجروں کی آبادی کا مسئلہ درپیش تھا
منافقین سے نپٹنے کا مسئلہ تھا، یہود سے نپٹنے کا معاملہ تھا۔
بدر و احد اور خندق و حنین کے تقاضے کچھ اور تھے

حدیبیہ میں بالکل ہی خلاف توقع صورت حال کا سامنا تھا
ایک ریاست اور حکومت کو نئی بنیادوں پر اٹھانے میں کچھ مشکلات تھیں
بڑی طاقتوں اور ہمسایوں سے تعلقات کے معاملات تھے۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آج تک
کے مسلمان کتابوں میں پڑھ رہے ہیں کہ اللہ کے نبی نے ان مشکل مواقع میں
کیا رویہ اختیار کیا اور مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوئے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں غور و فکر کرنے سے آج بھی
ہمیں حکمت و بصیرت کی تعلیم ملتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان
کو مظلومیت کے دور میں، جنگ کے دور میں، صلح اور امن کے دور میں
ہجرت اور نصرت کے دور میں، سیادت و قیادت کے دور میں مختلف
حالات سے کیسے نمٹنا چاہئے۔

تزکیہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چوتھا مقصد
تزکیہ ہے وَيُزَكِّيهِمْ، اللہ کا نبی ان کا تزکیہ کرتا ہے۔
بعض حضرات نے وَيُزَكِّيهِمْ کا معنی کیا ہے کہ اللہ کا نبی ان کو
مانجتا ہے اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے اُن کو سنوارتا ہے۔
میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اللہ کے نبی نے صحابہ
کو مانجا بھی اور سنوارا بھی۔ ان کے دلوں میں کفر تھا، شرک تھا،
حسد تھا، بخل تھا، دنیا کی محبت بھی، تکبر تھا، وغیرہ وغیرہ تھا۔ اللہ کے نبی نے
ان کا تزکیہ کیا، ان کے دلوں کو مانجا اور ایسا مانجا کہ دل سے ہر غلاظت
نکالی جاتی گئی۔ کفر و شرک نکلا، حسد و بخل نکلا، حب جاہ نکلی، حب مال
نکلی۔ اور جب دل ان گندگیوں سے پاک ہو گئے تو پھر ان دلوں کو ایمان کے

سنوار دیا، ایثار اور احسان سے سنوار دیا استغنا اور قناعت سے سنوار دیا تواضع اور انکساری سے سنوار دیا۔

اور ایسا مت سمجھئے گا کہ تزکیہ صرف صحابہ تک محدود رہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! تزکیہ آج بھی ضروری ہے، ساری عبادات اور اخلاق کی بنیاد تزکیہ ہے، کوئی عبادت بغیر تزکیہ کے ہو ہی نہیں سکتی۔

اگر دل میں ریا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ ہے تو نماز، روزہ، زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی۔ حج وہی شخص کر سکے گا جس کا تزکیہ ہو چکا ہو، اگر تزکیہ نہیں ہوا تو حج سیر سپاٹا بن جائے گا۔ جہاد صرف وہی کر سکے گا جو صاحب تزکیہ ہو۔ اگر دل کا تزکیہ نہیں تو جہاد نہیں ہو گا فساد ہو گا۔

چونکہ تزکیہ تو ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے تزکیہ کے اصول اور تزکیہ کا طریقہ کار ساری امت کو بتا دیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنا تزکیہ چاہتے ہیں تو ہمیں صحابہ کرام والا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے، آپ کی توجہ حاصل کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باطنی بیماریوں کے لیے جو علاج بتلائے ان پر صحابہ نے عمل کیا، یوں ان کا تزکیہ ہوا۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو موجود نہیں مگر آپ کے نائبین موجود ہیں۔ آپ کی تعلیمات موجود ہیں، آپ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم بھی حضور کے سچے نائبین کی صحبت میں بیٹھیں ان کی توجہ حاصل کریں، ان کے سامنے اپنے باطنی امراض رکھیں اور پھر وہ ان کا جو بھی علاج بتائیں اس پر ہم سچے دل سے عمل کریں تو ان شاء اللہ ہمارا تزکیہ بھی ہو جائے گا۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ آئیے ہم عہد کریں کہ انشاء اللہ ہم بھی تلاوت کے لیے، تعلیم کتاب کے لیے، تعلیم حکمت کے لیے اور تزکیہ کے لیے وقت نکالیں گے اور ان مقاصد کو زندہ کریں گے

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حوالہ جات :-

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی

(۲) مشکوٰۃ ۔ کتاب فضائل القرآن ۔

(۳) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۱۰ مصنف مولانا سید محمد میاں مدظلہ
مکتبہ محمودیہ کریم پارک ۔ لاہور

(۴) کتاب فضائل القرآن ص۲۹

(۵) بخاری شریف ص۱۵۵

آقا کے چالیس ارشادات

محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا
محمدؐ یعنی وہ اعلانِ توقیعاتِ ربانی

وہ ناطق جس کے آگے مہر بر لب بلبلِ سدرہؑ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطقِ ربانی

وہ گنجور معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں
نکاتِ فلسفی، اسرارِ عشقی، رازِ عمرانی

وہ دانا جس کے نفس سے ابرِ رحمت کی گہرباری
فضا کے آسماں پہ شکوۂ سیج تنگ دامانی

(اقبال سہیل)

" افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن ہٹتی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو بھی سازش قرار دینے میں نہیں ہچکچاتے ۔

جہاں تک حدیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں ۔

عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے

چالیس احادیث کو یاد کرنے کی اس قدر فضیلت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سنے اور پھر وہ انہیں یاد کرنے سے محروم رہے "

آقا کے چالیس ارشادات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ صدق اللہ العظیم

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔

حاضرین گرامی قدر ۔ اس آیت کریمہ سے ہماری ہدایت کے لیے صرف قرآن ہی نہیں بھیجا بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پاکباز مرشد، مقدس رہنما، ہمدرد مربی اور عظیم نبی بھی بھیجا۔ آپ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ آپ کے ذاتی خیالات نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ وحی ہوتی تھی جو آپ کے دل میں اللہ کی جانب سے آتی تھی اور پھر وہ وحی آپ کی زبان حق ترجمان سے ظاہر ہوتی تھی۔ گویا الفاظ اگرچہ آپ کے ہوتے تھے مگر معنی اور مفہوم اللہ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر اتارا جاتا تھا۔ قرآن میں اگرچہ اصول اور کلیات بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن جزئیات کی وضاحت میرے آقا کی احادیث ہی سے ہو سکتی ہے اور کوئی بھی ایسا مسلمان جو اپنی ساری زندگی اسلام کے مطابق گزارنا چاہتا ہو وہ احادیث نبویہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں احادیث کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں گزرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

٭ خدا تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچا دیا۔

ایک زمانہ تھا جب مسلمان امت میں ایسے افراد موجود تھے جن میں سے ایک ایک کو ہزاروں حدیثیں یاد ہوتی تھیں اور ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ

ایک ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر کیا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں پتہ چلا کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اسی وقت میں نے اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر صحابی کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک مہینہ کی مسافت کے بعد شام میں عبد اللہ بن انیسؓ کے پاس پہنچا جنہوں نے یہ حدیث سنی تھی، ان کے دروازے پر اونٹ بٹھلایا، گھر میں خبر بھیجی کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ خادم نے لوٹ کر باہر سے آ کر دریافت فرماتے کہ آپ جابر بن عبد اللہ ہیں۔ میں نے کہا ہاں، یہ سنتے ہی عبد اللہؓ بن انیسؓ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا اور مجھے وہ حدیث سنائی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مصر کا سفر محض اس لیے کیا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث جا کر سنیں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر یہ حدیث ان سے سنی اور حدیث سنتے ہی اپنے اونٹ کی طرف بڑھے اور ایک لمحہ ٹھہرے بغیر اس پر سوار ہو کر واپس مدینے چلے گئے۔

آج جو لوگ دنیا کا علم حاصل کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کا سفر کرتے ہیں انہیں کہاں یقین آئے گا کہ ایسے لوگ بھی تھے جو ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل سفر کیا کرتے تھے۔

افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن ہٹتی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو عجمی سازش قرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ جہاں تک احادیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔ عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث تو ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہئیں۔ چالیس احادیث کو یاد کرنے کی

اس قدر فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سنے اور پھر وہ نہیں یاد کر کے محروم رہے۔ محدثین اور علماء کرام نے اس فضیلت کے حصول کے لیے "چہل حدیث" کے کئی مجموعے ترتیب دیے ہیں کسی نے عقائد کے موضوع پر کسی نے اخلاق کے موضوع پر کسی نے معاملات کے موضوع پر کسی نے نماز کے بارے میں اور کسی نے قرآن کے بارے میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔

میں آپ کے سامنے جو چالیس احادیث سلسلہ وار بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو بہت مختصر ہیں، انہیں یاد کرنا بہت ہی آسان ہے اور دوسری خصوصیت ان کی یہ ہے کہ ان میں عقائد کا بھی بیان ہے، عبادات و معاملات کا بھی بنیادی اخلاق بھی ان میں بیان کیے گئے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں کی نشاندہی اور پھر ان سے بچنے کی تلقین بھی ان احادیث میں کی گئی ہے۔ الحمد للہ میں نے یہ چالیس حدیثیں خود بھی یاد کی ہیں، اپنے کئی شاگردوں کو یاد کروائی ہیں اور کراچی اور کراچی سے باہر علماء اور قراء کے کئی اجتماعات میں میں نے ان کا باقاعدہ درس دیا ہے اور انشاء اللہ جب مجھے اللہ پاک توفیق دے گا تو میں ملک سے باہر تک انہیں پہنچانے اور ان کو یاد کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا آپ حضرات سے بھی گذارش ہے کہ خود بھی ان احادیث کو یاد کریں اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں اور جہاں تک ان احادیث کو آپ پہنچا سکتے ہیں انہیں پہنچانے کی کوشش فرمائیں انشاء اللہ آپ کی یہ کوشش ضائع نہیں جائے گی۔

جہاں تک ان کی فضیلت کا تعلق ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چالیس احادیث

کے بارے میں سوال کیا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو اسے یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا تو آپ نے میرے اس سوال کے جواب میں یہ چالیس احادیث ارشاد فرمائیں اور یہ چالیس احادیث سنانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو انہیں یاد کرے گا اس کا حشر انبیاء اور علماء کے ساتھ ہوگا

میرے بزرگو اور دوستو! وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اسے چھٹی نہ ملی جسے سبق یاد ہوا

تو اس شعر کے مطابق عرض کروں گا کہ صحیح یاد کرنا یہ ہے کہ زبان سے بھی یاد ہو جائیں ذہن میں بھی بیٹھ جائیں اور عمل میں بھی آ جائیں اگر یہ تینوں باتیں پیدا ہو گئیں تو ان شاء اللہ ہمارا حشر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہوگا اب آگے میں آپ کو یہ چالیس احادیث سناؤں

اللہ پر ایمان

پہلی حدیث ہے

① اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ (یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر)

اللہ کو تو سب ہی مانتے ہیں۔ یہودی بھی، عیسائی بھی، مجوسی بھی، ہندو بھی، بدھ بھی، سکھ بھی۔ کوئی اسے یزدان کہتا ہے، کوئی اہرمن کہتا ہے، کوئی برہما، مہیش اور وشنو کے نام سے پکارتا ہے اور کوئی خدا کہتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم گزرے ہیں جو سرے سے اللہ کے وجود ہی کا انکار کرتے ہوں، لیکن ماننے والے اس کے وجود کا اقرار کرنے کے باوجود بہت ساری باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

یہودی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو ایک خاندانی خدا ہے جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لئے پیدا کی ہے، وہ انسانوں سے کشتی لڑتا ہے اور اس کی اولادیں بھی ہیں۔ عیسائی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو سب کچھ مسیح ابن مریم کو دے کر خود معطل ہو گیا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں نیکی کا خدا اور ہے اور بدی کا خدا اور ہے۔ ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدا بن گیا تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کو ماننے کا حکم دیا وہ آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا مالک ہے۔ اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس کی ذات پر بھی ایمان ضروری ہے اور صفات پر بھی ایمان ضروری ہے۔ وہ رحمٰن ہے، وہ رحیم ہے، وہ سمیع ہے، وہ بصیر ہے، وہ علیم ہے، وہ خبیر ہے، وہ خالق ہے، وہ مالک ہے، وہ رازق ہے، وہ غفار ہے، وہ تواب ہے، وہ وہاب ہے۔ وہی قوت والا ہے باقی سب کمزور ہیں۔ حقیقی علم اسی کے پاس ہے، ہم سب جاہل ہیں۔ باقی رہنے والا وہی ہے باقی سب فانی ہیں۔

وہ کسی کا محتاج نہیں باقی سب اس کے محتاج ہیں، وہ شہنشاہ ہے باقی سب اس کے بندے ہیں، وہ مالک ہے باقی سب اس کے مملوک ہیں، وہ خالق ہے باقی سب اس کی مخلوق ہیں، وہ رازق ہے باقی سب مرزوق ہیں، وہ صانع ہے باقی سب مصنوع ہیں، وہ اکیلا مغیث ہے باقی سب مستغیث ہیں، وہ قاہر ہے باقی سب مقہور ہیں

یوم آخرت پر ایمان

دوسری حدیث ہے

② وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (ایمان لانا آخرت پر)

آخرت پر ایمان لانا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے قرآن کریم میں ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر دیا گیا ہے۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ سورہ عنکبوت میں ہے:

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ اور بیشک آخری گھر اصل زندگی ہے۔

دنیا کی زندگی عارضی اور یہاں کی خوشی اور غمی بھی عارضی ہے آخرت کی زندگی حقیقی اور وہاں کی خوشی اور غمی بھی حقیقی۔ دنیا میں کسی کی زندگی سو سال، کسی کی پچاس سال کسی کی دس سال، کسی کی دس دن اور کسی کی دس سیکنڈ لیکن آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

دنیا کی زندگی کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے، غربت میں بھی امارت میں بھی عزت میں بھی، ذلت میں بھی، بیماری میں بھی صحت میں بھی، کلفت میں بھی راحت میں بھی سواری پر چڑھ کر بھی گاڑی میں بھی، پیدل چلتے ہوئے بھی، پیٹ بھر کر بھی بھوکے رہ کر بھی لیکن سب سے بڑا اور دوستو! آخرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے وہاں

ایمان اور عمل صالح کے بغیر گزارہ محال ہے۔ وہاں کی ذلت اور ظلمت ناقابل برداشت ہوگی۔

آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مرحلہ موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لے کر ابد ہمیشہ تک ہے۔ پہلے مرحلے کا نام "برزخ" اور دوسرے مرحلے کا نام "قیامت" ہے۔ مسلمان آخرت کی زندگی کے ان دونوں مرحلوں پر ایمان رکھتا ہے۔ برزخ کی زندگی جو کہ عام طور پر قبر میں گزرتی ہے وہ بھی بڑی عجیب زندگی ہے۔ قبر آخرت کی پہلی سیڑھی ہے جو یہاں کامیاب ہوگیا وہ قیامت میں بھی کامیاب ہوگا، اور جو یہاں ناکام ہوگیا وہ قیامت میں بھی ناکام ہوگا۔

اور قیامت تو پھر قیامت ہے، وہ ایسا حادثہ، ایسا واقعہ اور ایسا زلزلہ ہوگا کہ اس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں پیش کی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے، نہ اس کا پورا پورا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس دن بڑوں بڑوں کی پگڑیاں اچھلیں گی، دنیا میں بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھنے والے اس دن ذلت کے گڑھوں میں پڑے ہوں گے۔ یہاں تو کچھ مخفی ہے قیامت میں ظاہر ہو جائے گا، وہاں نہ فنکاری چلے گی نہ دھوکہ دیا جاسکے گا۔

صحیح اور سچا مسلمان دنیا کی ساری زندگی آخرت کو سامنے رکھ کر گزارتا ہے اور وہ آخرت کی زندگی ہی کو اصل زندگی سمجھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ۔ (اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے)۔

فرشتوں پہ ایمان

تیسری حدیث

③ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (اور فرشتوں پر ایمان لاؤ)

ملائکہ سے مراد وہ نورانی ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سارے جہان کے کاروبار کو چلا رہی ہیں۔

دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں ان ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے یونانیوں نے ان کا نام عقول عشرہ (دس عقلیں) رکھا۔ پارسیوں نے کہا ان کا نام "امشاسپند" ہے۔ یہودیوں نے انہیں وہم کے نام سے پکارا، ہندو مذہب میں انہیں دیوتا اور دیویاں کہا گیا لیکن ان تمام مذاہب میں ان ہستیوں کے بارے میں عجیب و غریب تصورات پائے جاتے تھے کبھی انہیں فرشتے سمجھا جاتا کبھی انہیں خدا کے مقابل ٹھہرایا جاتا کوئی کہتا کہ فرشتے نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ عرب کے جاہل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے ان تمام غلط تصورات کو مٹا دیا۔ اسلام نے بتایا کہ فرشتے نہ خدا ہیں نہ شریر ہیں نہ خدا کے ساجھی، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار غلام ہیں۔ انہیں نہ کوئی ذاتی اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام چلانے کے لیے فرشتوں کا محتاج نہیں ہے اس کے تو ارادے ہی سے سب کچھ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ دنیا اسباب و علل کی دنیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کے لیے مختلف فرشتوں کی ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں اور وہ اپنی اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں

کرتے۔ سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ — نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو ہمیں حکم

وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ — دے۔ وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا

جاتا ہے

فرشتے بے شمار ہیں۔ ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چند فرشتے

زیادہ مشہور ہیں مثلاً جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کراماً کاتبین،

منکر نکیر وغیرہ

کتابوں پر ایمان

چوتھی حدیث یہ ہے

(۴) وَالْکُتُبِ — اور ایمان لاؤ کتابوں پر

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف کتابیں نازل فرمائیں۔ چار آسمانی کتابوں کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں یعنی توراۃ، زبور، انجیل اور خود قرآن۔ ان چار کتابوں کے علاوہ کئی صحیفے بھی نازل کئے گئے۔ یہ سب کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ یہودی صرف توراۃ کو مانتے ہیں، عیسائی پوری طرح صرف انجیل کو مانتے ہیں، پارسی صرف اوستا کو خدا کا کلام کہتے ہیں، برہمن ویدوں کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں لیکن مسلمان قرآن کے ساتھ دوسری کتابوں کے بارے میں بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ آسمان سے نازل ہوئیں لیکن اتباع صرف قرآن کی کرتے ہیں کیونکہ پہلی کتابوں میں خود ان کے ماننے والوں نے بے شمار تحریفات اور ترمیمات کر دی ہیں۔ ہر قسم کی تحریف اور ترمیم سے محفوظ کتاب صرف

قرآن کریم ہے

یہ بات بھی محفوظ رکھیں کہ پہلی کتابوں میں جتنی سچائیاں تھیں وہ سب کی ساری قرآن کریم میں محفوظ ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سب پچھلی کتابوں کا محافظ، سب پر نگران اور نگہبان قرار دیا ہے۔

میں آپ سے یہ گزارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی اور مذہبی کتابوں کا احترام ہم پر لازم ہے کسی مذہب کی توہین کرنا جائز نہیں، جیسا کہ پچھلے دنوں خانیوال میں مسلمانوں نے بائبل کی توہین کے جواب میں قرآن کی توہین ہوئی پھر ہنگامہ ہوا اور سینکڑوں گھر جلا دیئے گئے۔ تو مسلمانوں کا بڑا اچھا ہے جو لوگ یہ سب کچھ مسلمان دوستی کے نام پر کرتے ہیں وہ اسلام کے مخلص اور نہ صحیح ترجمان ہیں اسلام کی تعلیم ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا احترام کرو ان کی مذہبی کتابوں کا احترام کرو، ان کی مذہبی شخصیات یہاں تک کہ جھوٹے معبودوں کو بھی برا بھلا نہ کہو

علمی تحقیق کے ذریعے کسی غلطی کو ثابت کرنا اور بات ہے اور گالی گلوچ کرنا اور بات ہے، ہم علمی تحقیق سے تورات اور انجیل کی غلطیاں ضرور بیان کریں گے مگر ان کی تحقیر اور توہین کا تصور بھی نہیں کریں گے اس لئے کہ ہمیں ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے

نبیوں پر ایمان

پانچویں حدیث ہے

⑤ والنبیین (تمام نبیوں پر ایمان لاؤ)

یاد رکھیں، ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے۔ ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک نبی کی رسالت و صداقت کا اقرار نہ کرے۔ گویا کہ محمدی بننے سے پہلے اسے ابراہیمی، اسماعیلی، موسوی اور عیسوی بننا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ ہو تو اس کے محمدی ہونے کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ مسلمان ہونے کیلئے سب نبیوں کا ماننا ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے سب کے انکار کی ضرورت نہیں بلکہ کسی ایک کا انکار کرنے اور توہین کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی ہر قوم صرف اپنے آپ کو خدا کا محبوب قرار دیتی تھی اور اپنے علاوہ دنیا کی ساری قوموں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو گمراہ قرار دیتی تھی اور تو اور یہودیوں جیسی مذہبی قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کو جھوٹا کہتی تھی اور ان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی یہودی ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں انہیں بتا دیا کہ اگر تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ماننا پڑے گا۔

ایسے بدبخت بھی تھے جو حضرات انبیاء کو معاذ اللہ بت پرست،

ہو دیگر انبیاء تک کہتے تھے یہ ہمارے آقا نے بتایا کہ ہر نبی معصوم تھا ، ہر نبی پاک تھا ، ہر نبی موحد تھا ، ہر نبی اللہ کا فرمانبردار تھا ، ہر نبی اللہ کا محبوب اور مقبول بندہ تھا ، ہر نبی اپنے زمانے کا سب سے بہترین فرد تھا ۔ یہ سچی وصف آقا کی تعلیم ہے کہ کسی نبی کی توہین جائز نہیں ۔ احترام سب کا ہے مگر اطاعت صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ، ہم تو پھر بھی امتی ہیں اگر بالفرض کوئی دوسرا نبی بھی آجائے تو اسے بھی آپ ہی کی اتباع کرنا پڑے گی ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر فرمایا تھا : لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِيْ ۔ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا ۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان

چھٹی حدیث ہے :

(۶) وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (اور تم ایمان لاؤ مرنے کے بعد کی زندگی پر) یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ " وَالْيَوْمِ الْآخِرِ " کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو دوبارہ " وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ " کہنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے یا پھر اس لئے کہ یہاں اصل میں دو چیزیں ہیں ایک تو مرنے کے بعد زندہ ہونا اور دوسری چیز آخرت میں حساب کتاب اور جزا سزا ہونا ان دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے ، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان کافی نہیں بلکہ زندہ ہونے کے بعد جو کچھ ہوگا اس پر بھی ایمان ضروری ہے ۔

ایک بات جو پہلے عرض کر چکا ہوں اسے بھی سامنے رکھیں تو مزید بات واضح ہوجائے گی، وہ یہ کہ آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے پہلا مرحلہ موت سے لیکر قیامت تک ہے جسے برزخ کہا جاتا ہے، اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لیکر ابد تک ہے۔ دوسرا مرحلہ یعنی قیامت تو ہوگی جب ہوگی پہلا مرحلہ تو موت کے فوراً بعد شروع ہوجائے گا، ان دونوں مرحلوں پر ایمان ضروری ہے قبر کے مرحلہ پر بھی اور حشر نشر کے مرحلہ پر بھی۔

تقدیر پر ایمان

ساتویں حدیث ہے:

(۷) وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ "اور تم ایمان لاؤ اس بات پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

عقیدۂ تقدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلے اور علم کے مطابق ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا، جس طرح ایک ماہر انجینئر مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتا ہے اور پھر سارا مکان اس کے تیار کئے ہوئے نقشے کے مطابق بنتا ہے اسی طرح کائنات کے خالق نے کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی ساری جزئیات تیار کر لی تھیں بات صرف کائنات کی نہیں بلکہ ہر انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی موت اور زندگی، امیری اور غریبی، کامیابی اور ناکامی، تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت کی تفصیل طے ہوجاتی ہے اور اس ساری تفصیل کا علم

اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے پھر جو کچھ ہوتا ہے اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے انسان سے یہی آگے بڑھ کر ہمارا یہ ایمان ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب، چاند کی روشنی اور ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے متعلق جو احکام مالک حقیقی نے دے دیئے ہیں اسی طرح ہو رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اس کو قانونِ قدرت کہتے ہیں اور اسی پر دنیا چل رہی ہے عقیدۂ تقدیر پر ایمان رکھنے والا انسان کامیابی پر فخر اور غرور نہیں کرتا اور ناکامی پر وہ دل شکستہ نہیں ہوتا۔ اس کا ایمان ہے کہ کامیابی اور ناکامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میرا کام صرف جدوجہد کرنا ہے۔ نتیجہ میرے ہاتھوں میں نہیں یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں کامیابی کی حالت میں قادرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں وہ مایوس نہیں ہوتے تھے یہ عقیدۂ تقدیر ہے جو مسلمان کو بے خوف اور بہادر بناتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تلواروں کی جھنکار اور گولیوں کی دنادن میری زندگی نہیں چھین سکتی اور مضبوط قلعے آنے والی موت سے مجھے بچا نہیں سکتے۔

بعض لوگ یہ غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان نکما ہو جاتا ہے، میں اس پروپیگنڈے کے جواب میں زیادہ علمی بحثیں چھیڑنا نہیں چاہتا بس صرف کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان غافل اور نکما ہو کر بیٹھ جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ دعوت دیتے نہ تبلیغ کرتے، نہ مکہ کے بازاروں میں پھرتے، نہ طائف جاتے، نہ بدر و اُحد کا معرکہ برپا ہوتا، نہ کوئی شعبہ ہوتا، نہ صحابہؓ تجارت کرتے نہ زراعت کرتے، نہ آپ کسی مسلمان کو محنت مزدوری کی تلقین کرتے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو آپ خود

کلہاڑی تیار کر کے دیتے ہیں کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو ضرورتیں پوری کرو ۔

ایک دوسرے صحابی اونٹ کو کھلا چھوڑ کر آجاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ میں اللہ کے توکل پر چھوڑ آیا ہوں تو آپ فرماتے ہیں اعقلها وتوکل پہلے اسے باندھو پھر اللہ پر توکل کرو ۔

مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول جب ہمارا جنتی اور جہنمی ہونا طے ہو چکا تو عمل کی کیا ضرورت ہے ۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا : کل میسر لما خلق له ۔ تم عمل کرتے رہو تمہیں اگر جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو اہل جنت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور اگر تم اہل جہنم میں سے ہو تو جہنم والے اعمال کرنا تمہارے لئے آسان ہو جائیگا

دوسرے مذاہب کا اگر مطالعہ کریں تو ان میں سے کسی مذہب نے تو اس مسئلہ میں دیدہ کی خاموشی اختیار کر رکھی ہے، کسی نے انسان کو بالکل بے بس اور مجبور محض بنا دیا ہے، کسی نے انسان کو تناسخ اور آواگون کے چکر میں پھنسا دیا کسی نے انسان کو کلی خود مختار اور خدا کو مجبور بنا دیا ۔ یہ شرف صرف ہمارے آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو حل فرمایا اور بتایا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کے ارادے اور علم و حکم کے بغیر اس کائنات کا ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا ۔ دوسری طرف انسان نہ تو پتھروں اور درختوں کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی اپنے مالک کی طرح خود مختار ہے بلکہ وہ قانون قدرت کے ہاتھوں مجبور بھی ہے اور اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اسے کچھ نہ کچھ اختیار بھی ضرور حاصل ہے ۔

یہ حدیث جو آپ نے ابھی سنی ہے "وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالٰى" اس کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، حالانکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو راحت و تکلیف، صحت اور بیماری، دولت اور غریبی جو کچھ پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے۔

شہادت

آٹھویں حدیث ہے:

(۸) أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ۔ اور تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

دو چیزوں کی شہادت ایمان کی بنیاد ہے۔ پہلی شہادت یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حقیقی محبوب نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں۔

اس کلمہ میں اثبات سے پہلے نفی ہے۔ جب تک اللہ کے ما سوا کی نفی نہ کی جائے اس وقت تک اثبات کا کوئی اعتبار نہیں۔ شروع سے نبیوں کو سب سے زیادہ "لا اِلٰہ" میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اِلَّا اللہ میں تو بہت سے مشرکوں کو بھی اختلاف نہیں تھا، وہ اللہ کو بھی مانتے تھے اور اللہ کے سوا دوسروں کو بھی مانتے تھے جبکہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ صرف اللہ ہی کو مانو اور صرف اللہ ہی کی اطاعت و عبادت بجا لاؤ، یہ نہیں کہ ہم سب کو مانتے ہیں، اللہ کو بھی مانتے اور سب کی مانتے ہیں، اللہ کی نہیں مانتے۔

دوسری شہادت یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔

انبیاء اور رسول تو انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے بھیجے اور ان سب پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اب اگر کسی کو ایمان کا نور، ہدایت کی روشنی، کامیابی کی نوید، اللہ کی رضا اور جنت کا راستہ مل سکتا ہے تو وہ صرف کائنات کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور غلامی ہی میں مل سکتا ہے جنت تک پہنچنے کے لئے محمدی گیٹ کے کھلنے کے بعد باقی ساری گلیاں بند کر دی گئی ہیں۔

اقامت صلوٰۃ

نویں حدیث ہے:

(۹) وَاَنْ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو کامل وضو وضو وَسَابِغِ كَامِلٍ لِّوَقْتِهَا کے ساتھ اپنے وقت پر۔

اس حدیث میں ایک حکم تو دیا گیا ہے نماز قائم کرنے کا اور نماز قائم ہوتی ہے دو چیزوں سے ایک تو یہ کہ نماز پابندی اور تسلسل کے ساتھ پڑھی جائے۔ دوسری یہ کہ آداب و فرائض کی رعایت رکھتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ پڑھی جائے

جو شخص کبھی کبھار نماز پڑھتا ہے یا ہمیشہ پڑھتا ہے مگر آداب اور خشوع خضوع اس کی نماز میں نہیں ہوتا وہ صرف نماز پڑھتا ہے، نماز قائم نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ کامل وضو کے ساتھ

نماز پڑھی جائے۔ جن اعضاء کا وضو میں دھونا فرض ہے اگر ذرا سی یا بال برابر جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا اور اگر جگہ تو خشک نہ ہو لیکن ناقص طریقے سے استنجا اور وضو کیا جائے تو نماز میں خشوع خضوع پیدا نہیں ہوتا۔

علماء نے نماز میں خشوع خضوع پیدا کرنے کے جو طریقے لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ استنجاء اور وضو کامل طریقے سے یعنی سنت کے مطابق کیا جائے

چوتھا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ نماز کو بے وقت ادا نہ کیا جائے قرآن کریم میں بھی ہے

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا۔ — بیشک نماز تو ایمان والوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا، الصَّلَاةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْؤًا — اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو نماز کا وقت جب ہو جائے، جنازہ جب تیار ہو جائے اور (لڑکی کی نکاح میں) جب اس کا جوڑ مل جائے۔

آج امت ان تینوں باتوں میں تاخیر کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے؛ بیٹیاں جوان ہو جاتی ہیں لیکن اونچے رشتوں کی تلاش اور جہیز کی خاطر انہیں گھروں میں بٹھا کر بوڑھا کر دیا جاتا ہے اور ہمارے دور میں زنا کی کثرت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ یونہی بڑا مجمع اکٹھا کرنے کے شوق یا دور دور کے عزیز رشتہ داروں کو جمع کرنے کے لئے جنازہ پڑھنے میں بے حد تاخیر

کر دی جاتی ہے ، یہی حال نماز کا ہے ۔ مختلف حیلے بہانوں سے نماز کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کی جاتی ہے کہ بسا اوقات نماز کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ نماز پڑھی جاتی ہے جسے حدیث میں منافق کی نماز کہا گیا ہے ۔ مرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر گویا جاتا ہے کہ ہم نے نماز پڑھ لی ۔ وہ جو پنجابی میں کہتے ہیں نان صد پیٹے دی نماز تے کویلے دیاں ٹکراں " (وقت پر جو پڑھی جائے تو وہ نماز ہوتی ہے اور جو بے وقت پڑھی جائے تو وہ نماز نہیں ، بلکہ ٹکریں ہوتی ہیں) تو یہ ضرب المثل سو فیصد صحیح ہے ۔

زکوٰۃ

دسویں حدیث ہے :

(۱۰) وَآتُوا الزَّكٰوةَ اور تم زکوٰۃ دو ۔

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے ، قرآن کریم میں بیسیوں جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے اور ایمان والوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں ۔ اور مشرکوں کا فروں کی کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے

سورہ فصلت رکوع ۱ میں ہے :

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ ان مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے
لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ ۔ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت

کے سوا کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ حرص و ہوس کے وہ بندے جو زکوٰۃ ادا کئے بغیر مال جمع کرنے میں لگے ہوتے ہیں وہ حقیقت میں اژدہا پال رہے ہیں جو قیامت کے روز گلے کا طوق بن کر انہیں ڈستا رہے گا۔

ہر عاقل بالغ مسلمان جو نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اس کا مال قرض اور بنیادی ضروریات سے بھی فارغ ہو اور نصاب پر پورا سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ تین قسم کے اموال میں زکوٰۃ ہوتی ہے: سونا چاندی (نقد روپیہ بھی اسی حکم میں ہے)، مال تجارت اور جنگل میں چرنے والے مویشی۔ بے شمار لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دنیا کے دکھاوے، رسم و رواج اور نام و نمود کے لئے بے تحاشا خرچ کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ جو کہ فرض ہے اس کے ادا کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔

رمضان کے روزے

گیارہویں حدیث ہے:

(۱۱) وَتَصُومُوا رَمَضَانَ — اور تم رمضان کے روزے رکھو۔

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے، نماز اور زکوٰۃ کی طرح رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں، جو شخص کسی عذر اور مجبوری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ بہت ہی سخت گنہگار ہے۔

ایک حدیث ہے کہ "جو شخص بلا کسی معذوری اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے، وہ اگر اس کے بدلہ ساری عمر بھی روزے رکھے

تو اس کا پورا حق ادا نہ ہو سکے گا "

قرآن کریم بتاتا ہے کہ روزہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے بھی جتنے مذاہب تھے ان میں بھی روزہ فرض تھا۔

یہودی مذہب کو دیکھیں تو حضرت عیسیٰ نے جنگل میں چالیس دن کا روزہ رکھا۔ ہندوستان کے برہمن سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں اور ہندو جوگی تو چالیس دن تک کھانے پینے سے احتراز کرتے ہیں۔ یونانی اور عیسائی بھی روزہ رکھتے تھے۔

روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ باطل کا تزکیہ ہو جائے اور دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ ایک حکمت یہ ہے کہ امیروں کو غریبوں کے دکھ درد اور بھوک پیاس کا احساس ہو۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ مسلمان جفاکشی کا عادی ہو اور وہ اتنا نازک نہ بنے کہ صبح سے شام تک بھوک پیاس ہی برداشت نہ کر سکے

تیسری حکمت یہ ہے کہ جسم ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جائے جو زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

چوتھی حکمت یہ کہ انسان کو شبہات سے بچنے کی مشق ہو جائے۔ ظاہر ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے بچنے کے لئے حلال کے قریب نہیں جاتا وہ حرام کے قریب کیسے جائے گا۔

رمضان کے پورے مہینے میں مسلمان کو گناہ چھوڑنے کی مشق کرائی جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ " جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا پیاسا رہ کر کھانا چھوڑ دے "

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ فرض روزوں کی طرح کچھ نفل روزے بھی ہیں ان کا بھی اہتمام کرنا چاہیے تاکہ رمضان سے جو سبق حاصل ہوا تھا وہ تازہ ہوتا رہے۔ مثلاً ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کا روزہ، محرم کے دو روزے، یوم عرفہ کا روزہ، شوال کے چھ روزے

حج

بارہویں حدیث ہے:

(۱۲) وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنْ كَانَ لَكَ مَالٌ۔	اور تم بیت اللہ کا حج کرو اگر تمہارے پاس مال ہو۔

حج اسلام کا پانچواں رکن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنا وطن چھوڑ کر اس دور دراز مقام میں چلے گئے اسی طرح مسلمان بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر جب بیت اللہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو ان کی زبانوں پر وہی ترانہ ہوتا ہے جو کئی ہزار برس قبل حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی زبانوں پر تھا

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ	میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں
لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ	میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں،
الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	سب تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں،
لَا شَرِيْكَ لَكَ	اور بادشاہی تیری ہی ہے۔

اور جیسا لباس تمدن کے اس ابتدائی دور میں ان حضرات نے پہنا تھا ویسا ہی اب سادہ لباس مسلمان پہنتے ہیں، بھائیوں کی طرح ...

لگاتے ہیں، نہ عطر، پھٹے کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر چھپاتے ہیں، نہ شکار کرتے ہیں، نہ بیوی سے ہم بستر ہوتے ہیں۔

جیسے وہ دونوں متبرک بستیاں تین دن کے سفر میں گرد و غبار میں اٹی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی آتے ہیں، بڑوں بڑوں کو وہاں تعلقات سے بچھاڑنا پڑتا ہے، حسینوں جمیلوں کو وہاں آ الشعث التفل یا ش اور خوشبویات سے دامن کش ہونا پڑتا ہے۔ وہ جگہ جسم کو نہیں روح کو سنوارنے کی ہے، ظاہر کو نہیں باطن کو چمکانے کی ہے۔ جو شخص وہاں جا کر بھی گردن اکڑا کر رکھتا ہے اور ظاہر کی تحسین و تزئین میں لگا رہتا ہے وہ تزکیہ باطن سے محروم رہتا ہے، ایسے لوگ وہاں سے ایمان جیسی سلامتی لیکر آجاتے ہیں۔ پھر جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے زم زم سے اپنی پیاس بجھائی تھی حجاج کرام بھی اسی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں جہاں حضرت ہاجرہ بے تابی سے دوڑی تھیں انہی دو پہاڑیوں کے درمیان حجاج بھی دوڑتے ہیں اور اسی انداز سے دوڑتے ہیں جیسے وہ دوڑی تھیں۔

حج بیت اللہ ایک عاشقانہ عبادت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرضی ہو تو حج کر لیں اور مرضی نہ ہو تو نہ کریں بلکہ ہر صاحب استطاعت پر حج کرنا فرض ہے۔

کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک والدین حج نہ کرلیں تو اولاد پر حج فرض نہیں ہوتا یا اگر بچیاں جوان ہوں تو حج فرض نہیں ہوتا تو یہ بالکل غلط خیال ہے۔

بارہ رکعات

تیرھویں حدیث ہے:

(۱۳) وَتُصَلِّيَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً — اور تم ہر دن اور رات میں بارہ رکعتیں

بی کَتِی یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ ۔ پڑھو۔

ان بارہ رکعات سے مرد سنن مؤکدہ ہیں۔ یعنی فجر سے پہلے دو رکعتیں ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو رکعتیں ۔ یہ کل بارہ ہو گئیں مگر یہ بات بھولیں کہ صرف ان بارہ رکعات کے پڑھ لینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ مزید نفلی نمازیں پڑھنے کی بھی کوشش کریں تاکہ ہماری فرض نمازوں میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کی تلافی ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ پڑھا کرتے تھے۔ علماء نے اس کی یہ حکمت لکھی ہے کہ آپ زبانِ حال سے یوں فرماتے تھے کہ اے اللہ میری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا اور جیسے نماز پڑھنی چاہیے تھی میں نہیں پڑھ سکا، مجھے معاف فرما دیں۔

میں تو یوں عرض کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ استغفار امت کی تعلیم کے لئے فرماتے تھے کہ اے امت ہم نماز پڑھنے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کر سکے تو ہماری اس کوتاہی کو معاف فرما۔ جب ہم سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا تو ہمیں نفل نمازوں کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ تاکہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو رہ گئی ہے اس کی کچھ نہ کچھ تلافی تو ہو سکے۔

نمازِ وتر

چودھویں حدیث یہ ہے :

(۱۴) وَالْوِتْرُ لَا تَتْرُكْهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ ۔ اور ہر رات میں وتر کو نہ چھوڑو۔

وتر کی نماز واجب ہے۔ اگر کسی شخص کو تہجد کے وقت اٹھنے کا یقین ہو تو وتر نماز تہجد کے ساتھ پڑھنے چاہئیں ورنہ اگر یقین نہ ہو تو وہ نماز عشاء کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نماز تہجد کی احادیث میں بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، سب ہی نفلی نمازوں میں ان میں سب سے زیادہ فضیلت اسی نماز کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے" یہ وہ مبارک وقت ہے جب حدیث کے مطابق "باری تعالیٰ کی خاص تجلی آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے، جب رات کا ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں"

جتنے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کیجئے وہ سب راتوں کو اٹھ کر اللہ سے مانگنے والے اور آنسو بہانے والے تھے۔ راتوں کی عبادت ہی تھی جس نے انہیں اللہ کا محبوب اور پیارا بنا دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا عجیب قول تفسیر عزیزی میں منقول ہے، ان کو کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا:

طَاحَتِ الْعِبَارَاتُ وَفَنِيَتِ الْإِشَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا إِلَّا رُكَيْعَاتٌ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ۔

عبارات رخصت ہوگئیں، اشارات سب فنا ہوگئے اور ہم کو کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے ان چند رکعات کے جو ہم نے رات کے وسط میں ادا کی تھیں۔

شرک

پندرھویں حدیث ہے :

(۱۵) وَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا — اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب قریب قریب سارا عرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا ۔عربوں کے علاوہ عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے کیونکہ وہ تین اور دو خدا مانتے تھے ہندوؤں نے چند دیوتاؤں اور دیویوں کو مختلف اختیارات دے کر لاکھوں خدا بنا لئے تھے ۔ غرضیکہ دنیا کی مختلف قوموں میں سے کوئی شرک فی الذات میں مبتلا تھی اور کوئی شرک فی الصفات میں ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے شرک کو حرام قرار دے دیا ۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ کسی خاص انسان یا چیز کی حد سے زیادہ تعظیم ہے جسے ہم شخصیت پرستی بھی کہہ سکتے ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ ، رام چندر اور کرشن کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم نے آدمی سے خدا بنا دیا ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ عارف کون و مکاں تھے آپ نے اپنی امت کو واضح طور پر فرما دیا کہ :

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی ۔ — میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا ۔

ایک خاص نکتہ جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جتنے بھی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اُن کے خاص خاص لقب ہیں ، مثلاً

حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ تھے ، حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے ، حضرت عیسیٰؑ روح اللہ تھے لیکن ہمارے آقا باوجودیکہ افضل الانبیاء تھے آپ کا لقب قرآن میں ، کلمۂ توحید میں ، نماز میں اور درود شریف میں صرف «عبدہ ورسولہ» ذکر کیا گیا ہے

شرک کا ایک سبب درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد بھی ہے لیکن قرآن و سنت میں سارے واسطوں کی نفی کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ ہر شخص بھی جس وقت چاہے اللہ کو پکار سکتا ہے جس کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں

یاد رکھیں اللہ کے ماسوا کو حلال و حرام کا اختیار دینا بھی شرک ہے غیر اللہ کے سامنے رکوع و سجود بھی شرک ہے ، کسی کے لئے علم غیب ، حاضر و ناظر ہونے ، لینے دینے کا اختیار ثابت کرنا بھی شرک ہے ، آفتاب و ماہتاب یا ستاروں کی چال کا قسمت میں عمل دخل ماننا بھی شرک ہے غیر خدا کے نام کی قسم اٹھانا یہ بھی شرک ہے ، ریاکاری اور دکھاوا بھی شرک ہے۔ اور شرک بدترین جرم ہے۔

والدین کی نافرمانی

سولھویں حدیث ہے :

(۱۶) وَلَا تَعُقَّ وَالِدَيْكَ — اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر لیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا یا اپنے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے اور حسن سلوک سے پیش آنا (اپنے) والدین سے ۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم صرف قرآن نے نہیں دیا بلکہ توریت اور انجیل میں بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ والدین میں سے بھی پہلا درجہ ماں کا ہے ، یہ وہ ہے جو فطرتاً کمزور ہونے کے باوجود حمل اور وضع حمل کے جان لیوا مرحلے سے گزرتی ہے ، تربیت اولاد کی تکلیفیں ہنسی خوشی برداشت کر لیتی ہے ، خود دکھ اٹھاتی اور دوسروں کو سکھ دیتی ہے ، اپنی نیند غارت کر کے بچے کو میٹھی نیند مہیا کرتی ہے ، کانٹا بچے کے پاؤں میں چبھتا ہے تکلیف وہ محسوس کرتی ہے ۔

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں ، پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں! اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں ، تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا ، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا تیرا باپ ۔ ایک دن آپ نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور ان میں ماں کی نافرمانی کو سب سے پہلے ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہارے رب نے ماں کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے

ماں ۔ نسیم

سترھویں حدیث ہے :

(۱۷) وَلَا تَأْكُلُوا مَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا اور یتیم کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ

اسلام نے یتیموں پر شفقت اور ان پر کسی بھی قسم کا ظلم نہ کرنے کا خاص طور پر حکم دیا ہے کتنے ہی ایسے سنگدل تھے جو یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے تھے، مکہ کے یتیم نے ایسے ہی سنگدلوں کو اللہ پاک کا یہ حکم سنایا:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے عربوں کی فطرت ہی بدل دی، وہی دل جو بے کس یتیموں کے لئے پتھر سے زیادہ سخت تھے وہ موم سے زیادہ نرم ہو گئے۔ ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لئے کئی کئی حضرات اپنے آپ کو پیش کرنے لگے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ یتیم کا تو آپ نے خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بے سہارا ہوتا ہے ورنہ کسی بھی انسان کا مالی حق دبانا یا کسی بھی طرح سے اس پر ظلم کرنا، اس کی جائیداد چھپانا۔ ایسا گناہ ہے جو صرف توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے پاک ہو لے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، ظلم کے بدلے۔ اس ظالم کے بدلے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔

شراب نوشی

اٹھارویں حدیث ہے:

(۱۸) وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ — اور شراب نہ پیو

شراب نوشی کے نقصانات بالکل کھلے ہوئے ہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں لوگ اس بری عادت میں مبتلا تھے اور آج کے پڑھے لکھے جاہل بھی شراب کے متوالے ہیں

اسلام نے شراب کو قطعاً حرام قرار دیا ہے، سورۃ المائدہ میں اسے گندگی اور شیطان کا عمل بتایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی مومن جب شراب پینے لگتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔

شراب کے لفظ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے مراد کوئی خاص قسم کی شراب ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے نشہ ہو وہ حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا: "ہر وہ شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "ہر نشہ کی چیز حرام ہے اور جس کی زیادہ مقدار پینے سے نشہ ہو اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے"

ان احادیث کی بنا پر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ چرس، بھنگ، ہیروئن وغیرہ ہر قسم کی منشیات حرام ہیں، جو لوگ منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں وہ اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی، صحت بھی تباہ کرتے ہیں اور مال و دولت بھی، ایسے ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ شراب کی

حالت میں بھی اور بیٹی تک کی آبرو پامال کر دیا۔

نشہ آور چیزیں بنانا، بیچنا، خریدنا، لینا اور دے جانا سب حرام کیا۔

زنا

انیسویں حدیث ہے :

(۱۹) وَلَا تَزْنِ ۔ اور زنا مت کر

زنا بہت بڑی برائی ہے، جس معاشرہ میں زنا عام ہو جائے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے، رب کریم جو انسانوں کی کمزوریوں سے خوب واقف ہے اس نے صرف زنا کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ زنا کے اسباب کو بھی حرام قرار دیا ہے لہٰذا غیر محرم کی طرف بے حیائی کے ارادے سے دیکھنا بھی حرام ہے، بلا وجہ اس کے بدن کو چھونا بھی حرام ہے۔ مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، عورتوں سے کہا کہ وہ غیروں کو بے اندر کا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ زنا کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو سو کوڑے ہیں اور اگر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو سزا سنگسار کرنا ہے، یہ تو دنیا کا عذاب ہے آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا

جھوٹی قسم

بیسویں حدیث ہے :

(۲۰) وَلَا تَحْلِفْ بِاللّٰهِ كَاذِبًا ۔ اور اللہ کے نام پر جھوٹی قسم مت کھاؤ

علماء نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ لغو و بیکار

قسم کھاتا رہے، دوسری قسم جسے "منعقدہ" کہتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کام کروں گا۔ یہ قسم اگر جائز ہو تو اسے پورا کیا جائے اور اگر پورا نہ کیا جائے تو کفارہ لازم آتا ہے۔ تیسری قسم جسے غموس کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی جائے، اسے غموس اس لئے کہتے ہیں کیونکہ غموس کا معنی ہے ڈوب جانا تو اس قسم کا اٹھانے والا سر سے پاؤں تک گناہ میں ڈوب جاتا ہے

زیادہ قسمیں اٹھانے سے تو ویسے ہی بچنا چاہئے کیونکہ اس طرح اللہ کے نام کی حرمت پامال ہوتی ہے لیکن جھوٹی قسم سے بچنا تو بہت ہی ضروری ہے، قسم اٹھانے والا حقیقت میں اپنے بیان کی سچائی پر اللہ کو گواہ بناتا ہے ایسی حالت میں سوچنا چاہئے کہ قسم کی کتنی بڑی بات ہے جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے جھوٹ پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، وہ اپنے مخاطب کو یقین دلا رہا ہوتا ہے کہ اللہ گواہ ہے کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ حالانکہ وہ خود جانتا ہوتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا "تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن نہ دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ صحابی کہتے ہیں میں نے کہا یہ لوگ تو ناکام ہو گئے اور خسارے میں پڑے وہ کون ہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا جو اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے کیونکہ یہ غرور کی علامت ہے، اور جو احسان جتلاتا ہے اور جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتا ہے۔ عموماً تاجر لوگ اپنا مال بیچنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اس لئے آپ نے خاص طور پر ان کا ذکر فرمایا

جھوٹی شہادت

اکیسویں حدیث ہے :

(۲۱) وَلَا تَشْهَدُ شَهَادَةَ زُوْرٍ اور جھوٹی گواہی مت دو

انسان کی بُری عادتوں میں سے سب سے بڑی عادت جھوٹ ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ جنت میں داخل ہوا۔ اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا ، جو گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

جھوٹ اکیلی بُرائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں بیسیوں قسم کی دوسری بُرائیاں بھی لازمی طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

جھوٹ بولنا تو ویسے ہی گناہ ہے لیکن گواہی میں جھوٹ بولنا اور زیادہ بڑا گناہ ہے۔ آج ہماری زندگی میں جھوٹ بہت زیادہ داخل ہو چکا ہے۔ باپ بچوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے ، بچے والدین کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں، استاد شاگردوں کے سامنے اور شاگرد استادوں کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں، دوکاندار گاہکوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے ، لیڈر عوام کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں ، اخبارات میں جھوٹ ، ریڈیو میں جھوٹ ٹی وی میں جھوٹ ، عدالتوں اور کچہریوں میں جھوٹ ، جھو ٹے

گواہوں کے ذریعے من مانے فیصلے کرا لیے جاتے ہیں، ہماری بدعملی کی وجہ سے بین الاقوامی منڈیوں میں ہمارا اعتبار ختم ہو چکا ہے حالانکہ جب ہم سچے ہوتے تھے تو غیر مسلم بھی ہم پر اعتماد کرتے تھے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا ایک واقعہ اکثر سنا ہے جب ان کے قصبے میں ایک پلاٹ پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جھگڑا تھا، بات بڑھتے بڑھتے عدالت تک جا پہنچی ہندوؤں نے عدالت میں خود پیشکش کی کہ اگر مولوی مظفر حسین کہہ دیں کہ یہ پلاٹ مسلمانوں کا ہے تو ہم اس سے دستبردار ہو جائیں گے۔ مسلمان بھی خوش ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ہمارا مولوی ہر صورت ہمارے حق میں گواہی دے گا لیکن حضرت مولانا نے خلاف توقع گواہی دی کہ یہ پلاٹ ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں کے سر جھک گئے۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ اس دن کاندھلہ میں مسلمان تو ہار گئے مگر اسلام جیت گیا اور وہ یوں کہ مولانا کے کردار کی صفائی اور سچی گواہی کی وجہ سے اس دن شام تک ہندوؤں کے تقریباً اٹھارہ خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ کام جو لمبی لمبی تقریریں اور تحریریں نہ کر سکیں وہ کام ایک کھرے مسلمان کی سچی گواہی نے کر دکھایا۔

خواہشات نفسانی کی پیروی

اکیسویں حدیث ہے:

(۲۱) وَلَا تَعْمَلْ بِالْهَوٰى اور خواہشات پر عمل نہ کر۔

انسان کے گمراہ ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب نفسانی خواہشات کی پیروی بھی ہے۔ وہ بعض اوقات خواہشات ہی کو اپنا معبود

بنا لیتا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اس کا نفس چاہتا ہے وہ خواہشات ہی کے لئے جیتا اور خواہشات ہی کے لئے مرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ ۔ — کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

جب غور کیا جائے تو اکثر برائیوں کی جڑ نفسانی خواہشات کی پیروی ہے جو شخص خواہشات کے پیچھے لگتا ہے وہ راہ ہدایت سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ سورہ ص میں ہے :

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔

جنت اسی کو ملے گی جو اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے بچا لے گا۔

سورہ نازعات میں ہے :

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى — اور لیکن جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو بری خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہے اس کے لئے رہنے کی جگہ۔

اے خدا پرستی کا دعویٰ کرنے والے انسان ذرا سوچو تو سہی ہم میں کتنے ہیں جو بت پرستی پر ہزار لعنت بھیجتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے سینوں کے اندر نفسانی خواہشات کے ہزاروں بت سجا رکھے ہیں۔

بت خانوں کو توڑنے کے لئے جہاد کرنے والو! پہلے یہ اندر کا بت خانہ تو مسمار کرو۔

غیبت

تیئیسویں حدیث ہے :

(۲۳) وَلَا تَغْتَبْ اَخَاكَ الْمُسْلِمَ — اپنے مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرو
پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی کوئی ایسی بات کرنا جو اگر اس کے سامنے کہی جائے تو اسے ناپسند ہو، اسے غیبت کہتے ہیں۔

غیبت صراحۃً بھی ہو سکتی ہے، اشارۃً بھی ہو سکتی ہے زبان سے بھی ہو سکتی ہے، قلم سے بھی ہو سکتی ہے، نقل اتار کر بھی ہو سکتی ہے اور کسی کے نسب، اخلاق، جسم، معاملات اور عبادات میں عیب نکال کر بھی ہو سکتی ہے غیبت حرام ہے۔ اور سورہ حجرات میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے گویا جیسے کوئی شخص جوشِ غضب میں سنگدلی کی وجہ سے اپنے مردہ بھائی کا گوشت تک نوچ کھاتا ہے۔ اسی طرح غیبت کرنے والا بھی اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے پھر جیسے مردہ اپنا گوشت نوچنے والے کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا اسی طرح جس کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کی جائے وہ اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ شبِ معراج میں میرا گذر ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو پر حملہ کرتے تھے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی جو برائی وہ بیان کرتے ہیں وہ اگر واقعی اس کے اندر پائی جاتی ہے تو غیبت نہیں ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ یہی تو غیبت ہے اور اگر اس کے اندر وہ برائی پائی ہی

ہ جاتی ہو تو یہ بہتان ہے۔

غیبت میں کئی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ باہمی تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اپنی برائیوں اور کمزوریوں سے نظر ہٹ جاتی ہے اور انسان دوسروں کے تجسس ہی میں لگ جاتا ہے۔ کسی بھی مسلمان کو بدنام کرنا اور اس کے عیوب کی پردہ دری کرنا بجائے خود ایک بڑی برائی ہے۔

تہمت

چوبیسویں حدیث ہے:

(۲۴) وَلَا تَقْذِفِ الْمُحْصَنَةَ — اور پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔

تہمت اور بہتان یہ ہے کہ کسی کی طرف ایسی برائی کی نسبت کی جائے جو اس میں نہ ہو۔ بہتان تراشی جھوٹ بھی ہے، خیانت بھی ہے اور انتہائی درجہ کی کمینگی بھی ہے۔ نہ صرف یہ کہ خود کسی پر بہتان تراشی کرنا جرم ہے بلکہ کسی کی اڑائی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے پھیلانا بھی جرم ہے۔

کسی مسلمان کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی بُری بات ہے لیکن کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اسے دلی تکلیف پہنچانا یہ تو بہت ہی بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا

اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بن کیے (تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان اور گناہ (اپنے سر) لادا۔

یوں تو کسی پر بھی بہتان باندھنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن پاکدامن اور شریف

عورتوں پر بہتان باندھنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے دنیا ہی میں سزا مقرر فرمادی ہے جو بہتان کا مرتکب ہو اور شرعی گواہ بھی پیش نہ کر سکے۔ سورۂ نور میں ہے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اور جو لوگ شریف بیبیوں پر عیب لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہ فاسق ہیں۔

خیانت

پچیسویں حدیث ہے:

(۲۵) وَلَا تَخُنْ اَخَاكَ الْمُسْلِمَ اور اپنے مسلمان بھائی سے خیانت نہ کرو

ایک شخص کا جو حق دوسرے کے ذمہ واجب ہو اس کو ایمانداری سے ادا نہ کرنا بھی خیانت اور بددیانتی ہے۔ کسی کی دی ہوئی امانت میں ناجائز تصرف کرنا یا مانگنے پر واپس نہ کرنا خیانت ہے۔ کسی کا راز کھول دینا بھی خیانت ہے۔ جو کام اپنے ذمہ لیا ہو اسے دیانت داری سے انجام نہ دینا بھی خیانت ہے۔ اللہ اور رسول کے ساتھ اقرار کر کے اسے پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے۔ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں کی چوری چھپے مدد کرنا بھی خیانت ہے۔

لہ اس کا معنی دھوکہ دینا بھی ہے اور خیانت کرنا بھی۔ اگر نفس کا معمول ہو تو معنی خیانت کر، اور خدیعۃ ہو تو معنی دھوکہ کرنا

سورہ انفال میں ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اے ایمان والو ! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں پر جان کر بددیانتی کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں بتلائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن بری باتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے۔

خیانت صرف دل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ ہر عضو سے ہو سکتی ہے لیکن اگر انسان کا ایمان ہو کہ ایک ذات ایسی ہے جو میری ہر ہر حرکت کو جانتی ہے اور باخبر ہے تو وہ خیانت کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سورہ مومن میں ہے :

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ

اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کاری کو اور جو چھپا ہے سینوں میں۔

کھیل کود

چھبیسویں حدیث ہے :

(۲۶) وَلَا تَلْعَبْ۔ کھیل کود میں نہ لگو۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس نے چند حدود اور پابندیاں

کے دائرے میں رہتے ہوئے کھیل کود کی اجازت دی ہے

پہلی پابندی یہ ہے کہ کسی کھیل سے شریعت کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، بے پردگی نہ ہو، مرد و زن کا اختلاط نہ ہو، آج کل بہت سے کھیل ایسے ہیں جن میں مرد تو کیا خواتین بھی گھٹنوں سے اوپر تک ننگی ہوتی ہیں اور یہ بہت عام ہے کہ مرد کھیلتے ہیں تو عورتیں دیکھتی ہیں اور عورتیں کھیلتی ہیں تو مرد دیکھتے ہیں

دوسری پابندی یہ ہے کہ ایسا کھیل نہ ہو کہ جس میں انہماک سے حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہو جیسا کہ آجکل کرکٹ میں ہوتا ہے کہ بعض اوقات کئی کئی دن صبح سے شام تک کھیلا جاتا ہے کھیلتے ہیں کہ نہ نماز کا ہوش رہتا ہے نہ گھر والوں کا۔ جس کی کھیلنے والوں کو چھوڑیئے منظری یعنی دیکھنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ سارا شہر کرے گھر کو آگ بھی لگ جائے تو انہیں خبر نہیں ہوگی

تیسری پابندی یہ ہے کہ کھیل میں شرط اور جوا وغیرہ نہ ہو جیسا کہ گھڑ دوڑ وغیرہ میں ہوتا ہے۔

غفلت

ستائیسویں حدیث ہے:

(۲۷) وَلَا تَكُن مَّعَ الْغَافِلِينَ اور غافلوں کے ساتھ غافل نہ ہو جا

غفلت بڑا تباہ کن مرض ہے بسا اوقات چند لمحوں کی غفلت انسان کو ساری عمر کے لیے ہلاکت میں ڈال دیتی ہے کسی نے بہت خوب کہا ہے ؎

دیکھے تو ہم نے وہ دن بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی

اسلام نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ مسلمان غفلت کا شکار نہ ہونے پائے اور اس کی زندگی کا جو مقصد ہے وہ ہر وقت اس کے سامنے رہے اور وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ کی رضا کا حصول۔ اور شریعت کے حکموں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنا! اب ایک نظر مسلمان کے دن رات کے معمولات پر ڈال لیجیے اللہ پاک نے مقصدِ حقیقی کی یاد دہانی کا ایسا انتظام قائم کیا ہے کہ ان معمولات کے مطابق زندگی گزارنے والا شخص غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

پیدا ہوتے بچے کے کان میں اذان کہی جاتی ہے تو حقیقت میں دنیا میں آنے والے بچے کو مقصد کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ دن میں پانچ وقت اذان کہی جاتی ہے تو یہ بھی یاد دہانی کرتی ہے، خود پنج وقتہ نماز میں بھی یاد دہانی کا نکتہ پوشیدہ ہے، مسجد میں، گھر میں، بازار میں۔ یہاں تک کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے، نکلتے ہوئے اور مختلف اعمال کے بجا لاتے وقت جو مسنون دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ بھی یاد دہانی کا مقصد پورا کرتی ہیں

اسلام نے ان اسباب کو حرام قرار دیا ہے جو انسان کو غفلت میں ڈالتے ہیں مثلاً ہر قسم کا نشہ حرام ہے، رقص و سرود اور گانا بجانا حرام ہے۔ عربی زبان میں گانے بجانے کے آلات کو "ملاھی" کہتے ہیں اور ملاھی "لھو" سے نکلا ہے اور اس کا معنی ہی ہے غفلت میں ڈالنے والی چیزیں اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو گانے بجانے کی لت پڑ جاتی ہے وہ نماز، تلاوت، ذکر اذکار اور حقوق و فرائض سے غافل ہو کر رہ جاتا ہے اسی لیے تو نضر بن حارث نے گانے بجانے کا سامان کیا تھا تاکہ لوگ اس میں ایسے منہمک ہو جائیں اور ان کے دل اتنے سیاہ ہو جائیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے قرآن نہ سنیں۔ سورۂ لقمان کے رکوع نمبر ۱ میں لھو الحدیث۔

کا لفظ آیا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں
«ھو واللہ الغناء» (اللہ کی قسم اس سے مراد گانا بجانا ہے)

تفسیر

اٹھائیسویں حدیث ہے:

(۲۸) وَلَا تُصَعِّرْ لِلتَّعْيِيرِ يَا — اور تحقیر کو نہ کہو، اے تحقیر کرنے والے جبکہ
تَصْغِيرُ تُرِيدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهُ — اس سے تمہارا مقصد عیب نکالنا ہو

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو حقیر مت سمجھو۔ غربت کی وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، سادہ شکل و صورت کی وجہ سے یا جسمانی عیب کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا حرام ہے اسلام نے اس گناہ سے بچنے کی جو تعلیم دی ہے تو اس میں کئی خرابیاں ہیں پہلی خرابی یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے والا غرور و تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے جبکہ یہ وہ اخلاقی عیب ہے جس نے ابلیس کو راندۂ درگاہ اور لعین بنادیا تھا۔ یہ وہ جرم ہے جس کی وجہ سے انسان ایمان و ہدایت سے اور قرب الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے۔ یہ وہ غلاظت ہے کہ جس شخص کا دل اس سے آلودہ ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ چیز لڑائی جھگڑے اور قتل و قتال کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں دوسروں کی جسمانی حالت کا مذاق اڑانے کی اجازت ہو اس سوسائٹی میں جسمانی کمزوریوں میں مبتلا لوگوں کا رہنا محال ہوجاتا ہے جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے۔ مزاحیہ فلموں اور ڈراموں نے دوسروں کی شکل و صورت اور جسمانی عیوب کا مذاق اڑانا تو ایک آرٹ اور فن بنادیا ہے

اور ایسی بیہودہ فلموں کو دیکھ اور سن کر عام نوجوان بلکہ بوڑھے اور بچے
بھی اس کے عادی ہو گئے ہیں ۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اس سے دوسرے مسلمان کی دل آزاری ہوتی
ہے جو کہ بجائے خود بہت بڑا جرم ہے ۔ انہی خرابیوں کے پیش نظر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ

وہ مومن نہیں جو طعنہ دیتا ہے لعنت بھیجتا ہے اور بدزبان اور فحش کلامی کرتا ہے ۔

تمسخر

اکتیسویں حدیث ہے :

(۳۱) وَلَا تَسْخَرْ بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ تُرِيدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهُ

اور لوگوں میں سے کسی کا مذاق نہ اڑاؤ جس سے تمہارا مقصد اس میں عیب نکالنا ہو ۔

دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں ۔ ایک دل لگی یا خوش طبعی اور دوسری
چیز ہے کسی کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا یا اسے نظروں سے گرانے
اور ذلیل کرنے کے لئے طنز کرنا ۔

پہلی چیز یعنی کسی کا احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے دل لگی یا خوش طبعی جو بے ضرر
ہو جائز ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے
کیونکہ آپ خود بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے اور آپ کے جانثار صحابہ بھی

آپس میں خوش طبعی فرماتے تھے

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صاحب آپؐ سے سواری کے لئے اونٹ مانگنے کے لئے آئے آپؐ نے فرمایا میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا حضرت میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا (سوچا ہوگا کہ بچے پر میں سوار ہوں گا یا وہ بچہ مجھ پر سوار ہوگا) آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھائی، ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے

اسی طرح ایک بڑھیا نے حاضر خدمت ہوکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ۔ میرے لئے جنت کی دعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: اماں! بوڑھی عورتیں تو جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ بیچاری رونے لگی کہ پھر تو میری ساری عبادت اور ریاضت ضائع چلی گئی۔ آپؐ نے فرمایا: بوڑھی عورتیں بڑھاپے کے ساتھ تو جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ جوان ہوکر جائیں گی۔ جنت جوانوں کی جگہ ہے جو تندرستوں کی جگہ ہے۔ بڑھاپا تو سیاپا ہے بڑھاپا بجائے خود ایک بیماری بلکہ کئی بیماریوں کا مجموعہ ہے اور جنت میں بیماروں اور بیماریوں کا کیا کام!

دوسری چیز یعنی کسی کو ذلیل کرنے کے لئے گھٹیا قسم کا مذاق کرنا حرام ہے قرآن کریم میں بڑے پیارے انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قسم کا مذاق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سورۃ حجرات میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ	اے ایمان والو! مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں

چغل خوری

تینتیسویں حدیث ہے

(۳۳) وَلَا تَمشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ بَیْنَ الْاَخَوَیْنِ ۔ دو مسلمان بھائیوں میں چغل خوری نہ کرو ۔

بسا اوقات غیبت اور چغل خوری کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا ۔ غیبت تو آپ سن چکے ہیں یہ ہے کہ دوسرے بھائی کی کوئی ایسی بات پیٹھ پیچھے کرنا جو اگر اس کے سامنے کی جائے تو وہ اُسے بُرا سمجھے

چغلی یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں کر کے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا ۔

چغل خوری ایک قسم پر دازی ہے جس کے نتیجے میں بعض وقات خون بہہ جاتا ہے ، گھر تباہ ہو جاتے ہیں ، دائمی عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے ، اسی لئے چغل خوری پر شدید وعید سنائی گئی ہے ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا پھرتا تھا ۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا ۔

لغت میں " قتات " اسے کہتے ہیں جو چُھپ چُھپ کر لوگوں کی باتیں سُنے چونکہ چغل خور بھی یہی کام کرتا ہے اس لئے اسے بھی قتات کہا جاتا ہے ۔ عربی میں چغل خور کو حمال الحطب (لکڑیاں چننے والا) بھی کہتے ہیں جیسے لکڑیاں بیچنے

والا پیلو لکڑیاں چن چن کر لاتا ہے جو آگ جلانے کے لئے چل پھر کر فروخت کرتا ہے۔ اسی طرح چغل خور بھی کرتا ہے وہ پہلے آگ لگانے والی باتیں ادھر ادھر سے اکٹھی کرتا ہے پھر انہیں فتنہ اور فساد کے لئے پھیلاتا ہے۔

قرآن کریم میں ابو لہب کی بیوی کو جو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا خطاب دیا گیا ہے تو اس کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی چغلیاں کھاتی پھرتی تھی

شکر

اکتیسویں حدیث ہے:

(۳۱) وَاشْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى نِعْمَتِهٖ   اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرو

شکر کی ضد کفر ہے اور اسلام کی لغت میں کفر سے زیادہ برا لفظ کوئی نہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کفر کے بالمقابل شکر سے بہتر صفت ہے کفر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ دل سے کرے، نہ زبان سے اقرار کرے اور نہ عمل سے اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرے جبکہ شکر یہ ہے کہ محسن حقیقی کا دل سے احسان مند ہے، زبان سے اس کی حمد و ثنا کرے اور پھر سارے جسم و سارے اعضاء کو اس کے حکموں کی اطاعت میں لگا دے

جس شخص کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو جائے اسے نیکی کی راہ پر چلانے کے لئے نہ جہنم کی آگ سے ڈرانے کی ضرورت ہے، نہ ہی جنت کے باغوں کی ترغیب کی ضرورت ہے۔ اکیلا شکر کا جذبہ ایسی چیز ہے جو اسے مالک کی منشاء کی راہ سے ادھر ادھر نہیں ہونے دے گا۔

ایک کتے کو دیکھ لیجئے جس مالک کا کھاتا ہے کیسے اس کی خوشامد کرتا

ہے اس کے سامنے بچھ بچھ جاتا ہے اور اس کے اشارے پر اپنے سے طاقتور دشمن سے بھڑ جاتا ہے

گھوڑے کو دیکھ لیجئے اپنے مالک کی خاطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں گھس جاتا ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ عادیات میں گھوڑے کے ایثار کی مختلف حالتوں کی قسمیں اشارکر فرمایا ہے :

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ — بیشک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے

شکر بہت بڑی عبادت ہے اور ایسی عبادت کہ جسے یہ نصیب ہو جائے وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ سورۃ نساء میں ہے :

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا — اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے شکر اور ایمان کی حقیقت تو معلوم ہے، باقی رہا شکر تو جان لیجئے کہ شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہیں۔ بندوں کے ساتھ اچھا سلوک شکر ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا شکر ہے، اپنے علم سے بندوں کو فائدہ پہنچانا شکر ہے، کمزور اور بے سہارا انسانوں کی مدد کرنا شکر ہے

انسان جتنا شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ اسے دیتا ہے اور ناشکرے انسان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے مجھے سنایا کہ ایک بار حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی؟

نے فرمایا کہ لوگ حج اور عمرے بھی کرتے ہیں، چلے بھی لگاتے ہیں، فرض اور نفل نمازیں بھی پڑھتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سارے لوگ ایک اہم عبادت سے محروم ہیں۔

ہم سب چونکے ہوگئے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس سے حج اور عمرے کرنے والے، چلے لگانے والے اور نمازیں پڑھنے والے بھی محروم ہیں تو حضرت نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا کہ وہ اہم عبادت شکر ہے، بہت کم لوگ ہیں جو شکر کا حق ادا کرتے ہیں۔

وہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ روزانہ دو نفل شکرانے کے ادا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے حضرت کو اپنا یہ معمول بتایا تو حضرت نے فرمایا "بھائی! صرف دو نفل پڑھنے سے شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ شکر تو یوں ادا ہوگا کہ جب بھی اللہ پاک کی طرف سے کوئی بڑی یا چھوٹی نعمت میسر آئے تو دل کی گہرائی سے اس کی حمد و ثنا نکلے، خواہ وہ نعمت پانی کے چند گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔"

صبر

بتیسویں حدیث ہے:

(۳۲) وَاصْبِرْ عَلَی الْبَلَاءِ وَالْمُصِیْبَۃِ صبر کرو تکلیف اور مصیبت پر

عام لوگ بے بسی اور بے کسی کو صبر کہتے ہیں، ان کی نظر میں بزدلی اور صبر ہم معنی لفظ ہیں حالانکہ صبر کا حق صرف وہ ادا کر سکتا ہے جو بہت بڑا بہادر ہو، بڑے مضبوط دل کا مالک ہو، جس کے اندر اخلاقی جرأت پائی جاتی ہو۔ مختصر طور پر یہ جان لیں کہ صبر کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

صبر عن الشئ ، صبر علی الشئ اور صبر فی الشئ ۔

" صبر عن الشئ " کا مطلب ہے اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا دنیا ساری رعنائیوں کے ساتھ سامنے آئے ، گناہوں کے لئے خلوت نصیب ہو اور شاھد و شراب بھی ، حرام پیسہ بھی دل کو اپنی طرف کھینچے مگر انسان صبر کرے اور محض اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو روک رکھے تو اس کا بدلہ اللہ کے ہاں جنت کے سوا کچھ نہیں ۔ سورۃ الفرقان میں رحمٰن کے اُن خاص بندوں کا ذکر ہے جو سراپا اطاعت ہیں اور اپنے دامنِ زندگی کو گناہوں سے بچا کے رکھتے ہیں ۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا ۔ ان کو بہشت کا جھروکہ بدلہ میں ملے گا کہ وہ صبر کرتے رہے ۔

" صبر علی الشئ " کا معنی ہے کسی چیز پر جم جانا ، ڈٹ جانا ۔ وہ جو ایک حدیث میں آتا ہے ایک صحابی نے عرض کی تھا کہ مجھے مختصری بات ارشاد فرمائیں جس سے میں چمٹ جاؤں (اور وہ میری نجات کے لئے کافی ہو جائے) تو آپ نے فرمایا :

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہہ دے میں ایمان لایا اللہ پر پھر اس پر جم جا ۔

تو یہی حقیقت میں " صبر علی الشئ " ہے

حق کی راہ میں کیسی ہی مشکلات اور پریشانیاں کیوں نہ پیش آئیں مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں جادۂ حق پر جما رہے ، نہ پست ہمت ہو ، نہ دل شکستہ ہو ، نہ سودے بازی کرے نہ مداہنت اختیار کرے نہ ایک قدم پیچھے ہٹے ، یہی ازل سے اہلِ حق کا شیوہ رہا ہے اللہ تعالیٰ

اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ اے محمد! تو بھی اسی طرح صبر کر جس طرح ہمت ارادہ والے پیغمبروں نے کیا

میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بہادری سے ڈٹ جانا بھی صبر ہے۔ سورۃ انفال رکوع ۶ آیت ۴۵ اور ۴۶ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی چار شرطیں ذکر کی ہیں: ① اللہ کی یاد ② اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (جس میں امیر کی اطاعت بھی شامل ہے) ③ آپس میں اتحاد و اتفاق ④ اور صبر و استقامت

- صبر و الشکر کا مفہوم یہ ہے کہ غم ہو یا خوشی، تکلیف ہو یا راحت، سختی ہو یا عطا، محرومی ہو یا کشائش، ہر حالت میں اعتدال پر رہے کسی صورت میں بھی آپے سے باہر نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نعمت ملے تو غرور سے گردن تن جائے اور کسی چیز سے محروم ہو تو بہت شکستہ اور ایسا بیزار ہو جائے کہ نوحہ و ماتم کرنے لگے۔ سورۃ البقرہ رکوع ۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔

یہ جو دو صفتیں آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں صبر اور شکر یہ اگر عباد اللہ آ جائیں تو ہم کامل مومن بن جائیں۔

بے خوفی

تینتیسویں حدیث ہے:

(۳۳) وَلَا تَأْمَنْ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ — بے خوف نہ ہو جا اللہ کے عذاب سے

انسان خواہ کتنا ہی نیک اور زاہد و پارسا کیوں نہ ہو اُسے ہر وقت اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔

بعض اوقات ایک انسان بڑا نیک ہوتا ہے مگر اپنی عبادت پہ گھمنڈ اور اپنی پارسائی پر اترانے کی وجہ سے مارا جاتا ہے

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک بات زبان سے نکل جاتی ہے جو کسی کی دل شکنی کا سبب بن جاتی ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کی پکار جب کسی درد کی ہوک سے نکل کر عرشِ الٰہی تک پہنچتی ہے تو لمحوں میں اس دل شکن انسان کو سزا دینے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے ہر وقت اس کی گرفت سے ڈرتے رہنا چاہئے صرف گنہگاروں کو نہیں بلکہ نیکوکاروں کو بھی ڈرتے رہنا چاہئے جو جتنا مقرب اور نیک ہوتا ہے اتنا زیادہ ڈرنا چاہئے کہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" (جو نزدیک ہوتے ہیں ان کے زیادہ پریشانی ہوتی ہے) ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

قطع رحمی و صلہ رحمی

چونتیسویں اور پینتیسویں حدیث ہے

(۳۴) وَلَا تَقْطَعْ مِنْ اَقْرِبَائِكَ — اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی نہ کرو

(۳۵) وَصِلْهُمْ — ان سے صلہ رحمی کرو

اسلام نے جو اخلاقی تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کی ہیں ان میں سے یہی تعلیم ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ ذی نفس اور بے جان چیزوں کے بھی کچھ فرائض اور حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔

اسلام کی تمام اخلاقی تعلیمات اور حقوق و فرائض کو اگر ہم صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو تورات اور انجیل کی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں سے محبت کرنا ہے۔ لفظ محبت تمام اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ ہے ——— حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اخلاق کی تکمیل کے لئے آئے تھے آپ نے صرف یہ کہہ کر نہیں چھوڑ دیا کہ دوسروں سے محبت کرو بلکہ آپ نے ان حقوق کی تفصیل بھی کی ہے جو اس محبت کا تقاضا ہیں اہل قرابت کے بھی کچھ حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، قرابت کا حق ادا کرنے کو "صلہ رحمی" اور اس حق کے پامال کرنے کو "قطع رحمی" کہتے ہیں۔

رحم ماں کے پیٹ کو کہتے ہیں جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اور ماں کا رحم ہی قرابت کے تمام تعلقات کی جڑ ہے اور یہ ایسی جڑ ہے جو کسی صورت بھی نہیں کٹ سکتی، حتیٰ کہ وطن اور مذہب کا اختلاف بھی اس جڑ کو کاٹ نہیں سکتا، والدین یا قرابت دار اگر کافر بھی ہوں تو بھی اسلام ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ لوگ بڑے

ڈالتے ہیں جو اسے جوڑ کو کاٹتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "رحم، رحمان (اللہ) سے مشتق ہے اس لئے محبت والے اللہ نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس نے تجھے ملایا اس کو میں نے ملایا۔ جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے فرمایا اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت کا حق ادا کرو۔

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو وہ اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔"

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ صلہ رحمی کا کمال یہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرے تم اس کے جواب میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو بلکہ کمال تو یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ یعنی جو توڑتے ہیں تم ان کے ساتھ جوڑو، جو نفرت کے کانٹے تمہارے رستے میں بچھاتے ہیں تم محبت کے پھول انہیں پیش کرو۔

لعنت

چھتیسویں حدیث ہے:

(۳۶) وَلَا تَلْعَنَنَّ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ ۔ اللہ کے مخلوق میں سے کسی پر لعنت نہ کرو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو چیزوں کی خاص طور پر حفاظت کی تلقین فرمائی ہے ایک زبان اور دوسری شرمگاہ

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا، لوگو! تم مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دے دیتا ہوں

زبان سے سوچ سمجھ کر کوئی بات نکالنی چاہیئے، اول فول بکنا، فحش گوئی کرنا، گالی گلوچ دینا اور طعن طعنی کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔

مسلمان کو بد زبان نہیں بلکہ خوش کلام ہونا چاہیئے۔

صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے۔ نہ بد زبانی اور فحش کلامی کرتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جو اللہ اور روز جزا پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اچھی بات بولے ورنہ چپ رہے۔

جن لوگوں کو لعن طعن کی عادت پڑ جاتی ہے وہ صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کو بھی لعن طعن کرتے رہتے ہیں مثلاً ہوا کو گالیاں دیتے ہیں، زمانے پر لعنت بھیجتے ہیں، سواری پر لعنت کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زبان اور بے جان چیزوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں آپ نے فرمایا، اللہ کہتا ہے کہ انسان زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں خود زمانہ ہوں اور رات دن میرے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی زمانے کو برا بھلا کہے خود خدا کو برا بھلا کہنا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کو الگ کر دیا کہ یہ لعنت کی

ہوتی اور دشمنی ہمارے معاشرے میں مستقل نہیں رہ سکتی ۔ یہ اصل میں اس عورت کو سزا تھی تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کا کلمہ نہ کہے ویسے دیکھا گیا ہے کہ عورتیں بہت زیادہ لعنت کرتی ہیں اپنی اولاد تک کو نہیں بخشتیں اور ایسی ایسی بددعائیں دیتی ہیں کہ اگر وہ قبول ہو جائیں تو اولاد کا ستیاناس ہو جائے ۔

اسی لیے ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں عورتوں کے کثرت کے ساتھ جانے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لعنت بہت کرتی ہیں

ذکر

سینتیسویں حدیث ہے :

(۳۷) وَاَكْثِرُوْا مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّهْلِيْلِ	سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو ۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو

جتنی بھی عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان میں سے کسی عبادت کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ انہیں کثرت کے ساتھ کیا کرو لیکن ذکر کے بارے میں کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ اسے کثرت سے کرو ۔

مثلاً سورۃ احزاب میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا	اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بہت ذکر اور اس کی پاکی بیان کرو صبح شام ۔

سورۃ جمعہ میں ارشاد باری تعالےٰ ہے

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	اور ذکر کرو اللہ کا بہت، تاکہ تم فلاح پاؤ

اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور مطلب نماز کی وجہ کا ذکر
ہے لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس پر اکتفا کر کے بیٹھ جائیں بلکہ
تو وہ حکم تو یہ ہے! نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو
سورۂ نساء میں ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ — اور جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ — کرو کھڑے اور بیٹھے

سورۂ انفال کی آیت ۴۵ میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ جب دشمن
سے مقابلہ ہو تو اس وقت بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

ذکر سے روح کو سکون ملتا ہے. ذکر سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت
اور عظمت پیدا ہوتی ہے. ذکر کی کثرت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے
ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے کہ
ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

ایک حدیث قدسی میں ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر
سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں

یوں تو نماز بھی ذکر ہے. تلاوت بھی ذکر ہے. مختلف مسنون دعائیں بھی
ذکر ہی میں. ان کے علاوہ تسبیح و تہلیل کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے
بالخصوص یہ جو کلمات ہیں یعنی سبحان اللہ وغیرہ تو یہ کثرت سے پڑھے جائیں۔

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: سب باتوں میں افضل اور سب کلموں میں افضل کلمے یہ
ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - وَاللّٰهُ
اَكْبَرُ۔

جمعہ وعیدین

اڑتیسویں حدیث سے :

(۳۸) وَلَا تَدَعْ حُضُوْرَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ — اور جمعہ اور عیدین کی حاضری کبھی نہ چھوڑو

مطلقاً نماز کی تاکید تو اس چھبیسویں حدیث کے ترجمہ میں آ چکی ہے اس اڑتیسویں حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین کی جماعت میں حاضری کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔

جمعہ کا دن سید الایام ہے جس کی بہت زیادہ فضیلت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

جمعہ فرض عین ہے جس کی نماز ظہر سے بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے اس کا منکر کافر ہے، جمعہ کے اجتماع سے امت کی تنظیم ہوتی ہے اور مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ، اللہ سے جو مانگتا ہے وہ اسے عطا کیا جاتا ہے،

جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت اور کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ جمعہ کے دن جلد از جلد آنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو شخص جتنا

جمعہ تک آتا ہے انتہائی زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے ملائکہ مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آتے ہیں ان کے نام لکھتے ہیں۔ سب سے پہلے آنے والے کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جیسا اونٹ کی قربانی دینے والا دوسرا جیسا کہ گائے کی قربانی دینے والا پھر تیسرا جیسا کہ مینڈھا صدقہ کرنے والا پھر چوتھا جیسا کہ مرغ کو صدقہ کرنے والا ہوتا ہے اور پانچواں جیسا کہ انڈہ صدقہ کرنے والا جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے بھی اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں۔

افسوس کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر جمعے کے دن کوئی صبح میں کام یا کوئی کام لگ گیا تو ہم جمعہ چھوڑ کر پیچھے اور سلام دیکھنے میں لگ جاتے ہیں

جہاں تک عیدین کا تعلق ہے تو ان کے اجتماع میں بھی وہ حکمت پائی جاتی ہے جو جمعہ کے اجتماع میں ہے۔

عید کی نماز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ عید کی نماز میں پورے اہتمام کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔

عطا اور محرومی

انتالیسویں حدیث ہے:

(٣٩) وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ

اس بات کا یقین رکھو کہ جو تمہیں مل گیا ہے اس سے تم محروم نہیں رہ سکتے تھے اور جس سے تم محروم ہو وہ تمہیں مل نہیں سکتا۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کو ایسا شجاع اور بہادر بنا دیتا ہے کہ وہ بلا خوف وخطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں جا گھستا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ہزار پریشانیوں کے باوجود مسلمان کو دل شکستہ نہیں ہونے دیتا۔ لیکن اس عقیدہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ہم حصولِ مقصد کے لئے محنت اور کوشش چھوڑ دیں۔ کوشش اور عمل کرنا انسان کا کام ہے اور اس کے مطابق اس کا بدلہ دینا اللہ کا کام ہے۔ عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے لیکن نتیجہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہوتا تو اسے اس کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا جیسا کہ سورۂ نجم رکوع ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى۔

اور انسان کے لئے نہیں لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی اور بے شک اس کی کوشش (اللہ کے حضور) دیکھی جائیگی

تلاوتِ قرآن

چالیسویں اور آخری حدیث:

(۴۰) وَلَا تَدَعْ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

کسی حالت میں بھی قرآن کی تلاوت نہ چھوڑو

قرآن ربِّ کائنات کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جس کا پڑھنا بھی ثواب، اس کا سمجھنا بھی ثواب، اس پر عمل کرنا بھی ثواب، اسے محبت کی نظر سے دیکھنا بھی ثواب اور اسے ادب و احترام سے چھونا بھی ثواب۔

مبارک اور قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو دن رات اس کتاب کی تلاوت،

تدریس، تفہیم اور تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ نری تلاوت سے کچھ فائدہ نہیں لیکن ان کا یہ پروپیگنڈا عام لوگوں کو قرآن سے کاٹ دینے کی سازش ہے میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو فہم قرآن کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور جن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت امت کی پستی، ذلت، نکبت، مغلوبیت اور فرقہ واریت کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے قرآن سے اپنا تعلق توڑ لیا ہے اور اس میں غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ دعویٰ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ خالی تلاوت کرنا کار فضول ہے۔

کتاب اللہ کی تلاوت تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد ہے، یہ تلاوت ہی ہے جو فہم قرآن کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کتاب اللہ سے اپنا تعلق مضبوط رکھیں، اس سے محبت رکھیں، اس کا ادب و احترام کریں۔

بڑا عجیب واقعہ مجھے استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کا یاد آرہا ہے جو کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے سنایا، فرمایا کہ حضرت قاری صاحب کو قرآن ایسا پختہ یاد تھا کہ پورا قرآن پڑھ جاتیں تو کوئی غلطی نہ آئے اور یوں وہ سال میں کئی ختم قرآن کیا کرتے تھے، مگر ایک ختم یوں کرتے تھے کہ قرآن کھول کر بیٹھتے ہر سطر اور ہر لفظ پر انگلی رکھتے اور دیکھ کر پڑھتے اور فرماتے کہ ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے قرآن کو دیکھنے کا بھی ثواب ملے، چھونے کا بھی ثواب ملے اور پڑھنے کا بھی ثواب ملے۔

میں بھی ناقص سا حافظ ہوں یہ واقعہ سننے کے بعد میں نے چاہا کہ میں بھی ایسے ہی تلاوت کروں مگر یقین جانیں کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ کبھی انگلی زبان سے پیچھے رہ جاتی تھی اور کبھی آگے نکل جاتی تھی تب مجھے یقین آگیا کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے وہ کام جو ہمارے لئے بڑا مشکل ان کے لئے بہت آسان! کیوں ؟ اس لئے کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے ہم دنیا کے حریص ہیں، وہ آخرت کے حریص تھے بلکہ ہم دنیا کے اتنے حریص نہیں ہوں گے جتنے وہ ثواب، اللہ کی رضا، جنت اور آخرت کے حریص تھے، یہی آخرت کی حرص تھی جو ان کے لئے مشقت والے کام بھی آسان کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہی حرص عطا فرمائے

تو میرے بزرگو! یہ چالیس احادیث ہیں جو میں نے ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ یہ چالیس احادیث خود بھی یاد کیجئے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے اور ممکن ہو تو روزانہ ایک بار مفہوم سمجھ کر انہیں دہرا لیا کیجئے تاکہ سبق یاد رہے اور عمل کرنا آسان ہو جائے۔ یہ بھی کوشش کیجئے کہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یاد ہوں اگر آپ کا اسکول یا مدرسہ ہے تو اپنے ہر طالب علم کو یاد کرا دیجئے۔ اگر فیکٹری یا کارخانہ ہو تو وہاں کام کرنے والے ہر مزدور کو پڑھنے کے لئے دیجئے ورنہ عام حلقۂ احباب میں انہیں تقسیم کیجئے۔

اس چہل حدیث کے آخر میں آتا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو شخص اسے یاد کرے اسے کیا ملے گا؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اللہ تعالے اس کا حشر انبیاء اور علماء کے ساتھ فرمائیں گے۔

اللہ تعالے سے دعا ہے کہ ہمارا حشر بھی ان محترم حضرات کے ساتھ ہو، آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ صَفْوَةِ الْبَرِيَّةِ مُحَمَّدٍ
وَعَلَىٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ